صحبتے با اولیاء

ملفوظات

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مدفیوضہم

(حضرت شیخ مدظلہ العالی کے مجلسی ملفوظات وارشادات، جن سے اصلاحِ نفس فکرِ آخرت ایمان و یقین کی کیفیت پیدا کرنے کا جذبہ بیدار ہوتا ہے اور تصوّف و احسان کے رموز و آداب دلنشیں ہوتے ہیں)

مرتبہ:

مولانا تقی الدّین ندوی مظاہری

ناشر:

ایچ۔ ایم۔ سعید کمپنی ناشران و تاجرانِ کتب

ادب منزل پاکستان چوک کراچی

جولائی ۱۹۷۴ء (مطبوعہ ایجوکیشنل پریس کراچی) قیمت: دس روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

بفضلہ تعالیٰ یکم جنوری سنہ ۱۹۷۴ء جب ایک بار پھر مکہ مکرمہ حاضری کی سعادت نصیب ہوئی تو میں وہاں اپنے دیرینہ کرم فرما مولانا محمد احمد قادری صاحب سے ملنے کے لئے رابطہ عالم الاسلامی کے دفتر گیا حسن اتفاق سے وہاں مولانا تقی الدین ندوی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ دوران گفتگو موصوف نے اظہار فرمایا کہ اپنی کتاب صحبتے با اولیاء یعنی ملفوظات شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدفیوضہم جو مجلس معارف ترکیسر سورت (گجرات ہندوستان) سے شائع ہو چکی ہے۔ پاکستانی اصحاب کے لئے پاکستان سے بھی شائع کرانا چاہتے ہیں۔ میں نے اسے نعمت غیر مترقبہ جانا اور اس سلسلہ میں اپنے ادارہ ایچ۔ ایم سعید کمپنی کی خدمات پیش کریں۔ بحمد اللہ اس ادارہ کا بنیادی مقصد دینی کتب کی اشاعت ہی رہا ہے۔ اور ہمیں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی بعض دیگر تصانیف کی اشاعت کا بھی شرف حاصل ہے مولانا تقی الدین صاحب نے بڑی محبت کے ساتھ اظہار پسندیدگی فرمایا اور اپنی کتاب کا ایک تصحیح شدہ نسخہ مرحمت فرما دیا۔ چنانچہ آپ کی اجازت کے بعد ہم اس بابرکت کتاب کی اشاعت کے لئے قدم اٹھا رہے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث مدفیوضہم کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ اس دور کے اکابر اسلام میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ اپنی ذات با خیر و برکت میں یادگار سلف اور آیتہ من آیات اللہ ہیں علم و عمل میں متقدمین کا بہتر نمونہ ہیں۔ آپ کی ذات منبع فیوض ہے کہ جو ہر دو طریق یعنی شریعت اور طریقت میں فیض رسانی فرما رہی ہے۔ آپکی دینی خدمات کی مقبولیت کی یہ دلیل کیا کم ہے کہ جوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بلا کر ان سے دین کی مزید خدمت لی جا رہی ہے۔ فجزاہ اللہ عنا خیر الجزاء۔

میں اللہ تبارک تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی تصانیف کی طباعت و اشاعت کی توفیق بخشی ہے اور ساتھ ہی ساتھ مولانا تقی الدین ندوی مدظلہ کا بھی ممنون ہوں کہ جنہوں نے میرے ادارے کو اس سلسلہ میں مزید خدمت سرانجام دینے کا موقع عطا فرمایا۔ جزاہ اللہ خیراً فی الدین والدنیا والاخرہ۔ اللہ پاک ان ملفوظات کو بھی شرف قبولیت عطا فرمائے۔ اور نافع بنائے۔ آمین

بندہ عاجز محتاج دعا

(حاجی) محمد زکی عفی عنہ

کراچی

۸ر جولائی سنہ ۱۹۷۴ء

فہرست مضامین

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

از

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

رمضان المبارک جس طرح قرآن کی سالگرہ، رحمتوں اور برکات و تجلیات کا مہینہ ہے طاعات و عبادات کی بہار کا زمانہ ہے اور روحانیت کا جشن عام ہے، اسی طرح عارفین عشاق اور عالی ہمت خاصان خدا کی دلی مُراد بر آنے کا موسم اور ان کا محبوب ترین مہینہ ہے جس کے لئے وہ سال بھر دن گنتے رہتے ہیں۔ اولیاء متقدین کا ذکر نہیں بعض قریب العہد بزرگوں کے متعلق سُنا گیا ہے کہ عید کا چاند دیکھتے ہی آنیوالے رمضان کا انتظار شروع ہو جاتا تھا، رمضان المبارک آتے ہی ان میں ایک نیا جوش و ولولہ اور ایک نئی نشاط و امنگ پیدا ہو جاتی تھی، اور وہ کبھی زبان حال سے یوں گویا ہوتے تھے ع

هذا الذی کانت الایام تنتظر ❊ فلیوف للہ اقوام بما نذروا

اور کبھی کیف و سرور میں آکر یوں گنگنانے لگتے تھے ع

پلا ساقیا وہ مے دل فروز کہ آتی نہیں فصل گُل روز روز

رمضان المبارک کے آتے ہی دینی و روحانی مرکزوں اور خانقاہوں کی فضا بدل جاتی تھی۔ ان لوگوں کے علاوہ جو وہاں مستقل طور پر قیام پذیر ہوتے تھے۔ شیخ و مرشد سے بیعت و عقیدت کا تعلق رکھنے والے دور دور سے اس طرح کھنچ کھنچ کر آجاتے تھے، جیسے آہن پارے مقناطیس کی طرف اور پروانے شمع کی طرف آجاتے ہیں۔ یہ روحانی مرکز تلاوت اور نوافل و عبادات سے اسطرح معمور ہو جاتے کہ گویا دن میں اس کے سوا کوئی کام اور رمضان کے بعد پھر کوئی رمضان آنیوالا نہیں ہر شخص دوسرے شخص سے بڑھ جانے کی کوشش کرتا اور رمضان کے ہر دن کو صرف رمضان ہی کا نہیں اپنی زندگی کا آخری دن سمجھتا ہے اور خواجہ میر درد کے اس شعر کی سچی تصویر اور عملی تصویر بن جاتا۔

ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ! | جس قدر بس چل سکے ساغر چلے

جو خدا کا بندہ تھوڑی سی دیر کے لئے اس ماحول میں آجاتا وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتا۔ افسردہ طبیعتوں میں نئی گرمی، بلکہ سرگرمی، پست ہمتوں میں عالی ہمتی اور اولوالعزمی بلکہ مردہ دلوں میں زندہ دلی اور بلند پروازی پیدا ہو جاتی۔ بجلی کا ایک کرنٹ تھا، جو دلوں سے دلوں کی طرف پہنچ جاتا اور مُردہ جسموں میں ایک بجلی سی پیدا کر دیتا، جو شخص اس روحانی و ملکوتی فضا کو دیکھتا اس کا قلب شہادت دیتا، کہ جب تک خدا طلبی کا یہ ہنگامہ برپا ہے اور دین و روحانیت کی شمع کے پروانے کا ہجوم ہے اور ہر قسم کے دنیوی اغراض اور نفس پرستی و دنیا طلبی سے بالاتر ہو کر خدا کو راضی کرنے اور اپنی آخرت کو بنانے کے لئے اتنے آدمی کسی جگہ جمع ہیں۔ دنیا تباہ نہ ہوگی اور زندگی کی اس بساط کو تہ کرنے کا فیصلہ نہیں کیا جائیگا اس وقت وہ بے اختیار خواجہ حافظ کے الفاظ میں اس طرح گویا ہو جاتا تھا۔ ع

از صد سخن پیرم یک نکتہ مرا یاد است | عالم نشود ویران تا میکدہ آباد است

افسوس ہے کہ آٹھویں صدی میں سلطان المشائخ محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی خانقاہ غیاث پور (دہلی) اور تیرھویں صدی میں حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ کی خانقاہ مظہریہ واقع چتلی قبر (دہلی) کے رمضان المبارک کا آنکھوں دیکھا حال کسی مورخ نے نہیں لکھا۔ اور وہاں ذکر و تلاوت کی سرگرمی، شب بیداری اور وہاں کا نظام الاوقات کسی کتاب میں تفصیل سے

نہیں ملتا، لیکن فوائد الفواد، سیدالاولیاء اور دار المعارف میں اس کی کچھ جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ جو شخص ان خانقاہوں کے شب و روز اور ان مشائخ کے ذوق و شوق اور ساز و سوز سے واقف ہے، وہ ان نقطوں سے پوری تحریر اور ان نامکمل خطوط سے پوری تصویر تیار کر سکتا ہے کہ: ع

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

لیکن جن خانقاہوں اور روحانی مرکزوں کے حصے میں ان خانقاہوں کی وراثت اور جن علماء و مشائخ کے حصے میں ان بزرگان سلف اور مشائخ پیشیں کی نیابت و خلافت آئی۔ انھوں نے ان مناظر کو تازہ اور زندہ کر دیا۔ اور تاریخ نے ان کے عہد میں اپنے آپ کو دہرا دیا۔

وہ لوگ تو خال خال ہوں گے، جنہوں نے گنگوہ میں قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے زمانہ میں رمضان کی بہار دیکھی ہے، لیکن وہ لوگ بکثرت موجود ہیں۔ جنہوں نے گنگوہ کے دور کے بعد شیخ وقت حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری کے دور میں رائپور میں اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے دور میں تھانہ بھون میں رمضان کی بہار دیکھی اور جس وقت وہ اس زمانے کو یاد کرتے ہیں، ان کے دل پر ایک چوٹ لگتی ہے۔

ہمارے علم میں اس اخیر دور میں جس نے اسلاف کی اس سُنّت دیرینہ کو زندہ کیا اور اس کو نئی آب و تاب بخشی وہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کی ذات بابرکات تھی، انہوں نے اپنے مخصوص طالبین و مخلصین کی درخواست پر کسی ایک جگہ قیام کر کے رمضان المبارک کے گزارنے کا معمول بنالیا، اور اطراف و اکناف بلکہ ملک کے دور دراز گوشوں سے منتسبین اور ارادت مند پروانہ وار جمع ہونے لگے، حضرت نے ایک عرصہ تک سلہٹ میں رمضان المبارک گذارا۔ پھر کئی سال بانسکنڈی (بنگال) میں رمضان گزارا، ایک دو سال اپنے وطن مالوف الٰہ داد پورہ متصل ٹانڈہ ضلع فیض آباد خاص اپنے دولت خانے پر رمضان المبارک گذارا، ان سب مقامات پر سینکڑوں کی تعداد میں مُریدین و خدام اور اس ماہ مبارک کے قدر داں جمع ہوتے، جو آپ کے مہمان ہوتے، آپ ہی ان مقامات پر قرآن شریف سُناتے۔ لوگ ذکر و شغل، تلاوت و

عبادات میں پوری سرگرمی و عالی ہمتی سے مشغول رہتے، خدّام کو بڑی کیفیات و ترقیات محسوس ہوتیں، اور وہ عرصے تک مزے لے کر ان پُرکیف و پرسرور ساعتوں کا ذکر کرتے ہیںؔ اگر اللہ کو منظور ہوتا اور مولانا کی زندگی وفا کرتی تو غالباً الٰہ داد پورہ میں یہ مُبارک سلسلہ جاری رہتا، اور خدا جانے کتنے بندگان خدا اپنی مُراد کو پہنچتے، اور تربیت و تکمیل کے مدارج سے گزرتے، لیکن مولانا کی وفات (یوم جمعہ تاریخ ۱۲ر جمادی الاوّل ۱۳۷۶ھ) نے اس سلسلہ کو منقطع کر دیا اور لوگ کفِ افسوس ملتے رہ گئے۔

مرشدنا حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوریؒ کے یہاں بھی رمضان کا غیر معمولی اہتمام تھا، تقسیم سے پہلے پنجاب کے اہلِ تعلق جن میں ایک بڑی تعداد علماء اہل مدارس اور صاحب اجازت مشائخ کی ہوتی تھی، شعبان کی آخری تاریخوں میں رمضان گذارنے کے لئے رائپور آجاتے۔ اور پھر پوری یکسوئی و انہماک کے ساتھ دنیا و مافیہا سے بےخبر ہو کر دنیا سے الگ تھلگ اس گاؤں میں جس کو شہر سے ملانے والی کوئی پختہ سڑک بھی نہیں اور نہ کوئی ریلوے اسٹیشن قریب ہے، اس مبارک مہینہ کو وصول کرنے میں مشغول ہو جاتے اور عید کی نماز پڑھ کر ہی یہاں سے تشریف لے جاتے، اس زمانے میں رائپور کی خانقاہ کی کیا کیفیت ہوتی تھی، اور شیخ و طالبین کا کیا حال ہوتا تھا، اس کا کچھ اندازہ راقم کی کتاب "سوانح حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوری" سے ہو سکتا ہے۔

رائپور کے علاوہ بہٹ ہاؤس (سہارنپور) صوفی عبدالحمید صاحب کی کوٹھی واقع جیل روڈ، (لاہور) گھوڑا گلی (کوہ مری پاکستان) اور خالصہ جی کالج (لائلپور) میں بھی اس دھوم کے ساتھ رمضان گذرے کہ کئی کئی سو خدام اور اہل تعلق کا مجمع تھا، اور ذکر، تلاوت اور مجاہدہ کا زور و شور،

اس سنت کا تسلسل و استمرار بلکہ اس کی ترقی و توسیع اس شخصیت کے حصے میں آئی جس کے ہاتھوں سے اپنے اسلاف و شیوخ اور اساتذہ و مربیوں کے بہت سے کارناموں کی حفاظت، بہت سی تصنیفات کی اشاعت اور بہت سی ناتمام چیزوں کی تکمیل

لہ ملاحظہ ہو مولوی عبدالحمید اعظمی کا رسالہ قیام سلہٹ

مقدر ہو چکی تھی۔

ہمارے مخدوم حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم نے مخلصین طالبین کے ہجوم کی وجہ سے (جو خصوصیت کے ساتھ رائپور، تھانہ بھون کے خالی ہو جانے اور مولانا مدنیؒ کی وفات کی وجہ سے تربیت و سرپرستی کے محتاج، اور یکسوئی کے ساتھ کہیں رمضان گذارنے کے مشتاق تھے) ۱۳۸۵ھ سے سہارنپور میں دارالطلبہ جدید مدرسہ مظاہر علوم کی وسیع مسجد میں پورے مہینے کے اعتکاف کا معمول اختیار کیا، اور طالبین و اہل تعلق نے پروانہ وار اس جگہ کا رُخ کیا، مقیمین اور معتکفین کی تعداد بھی تدریجاً بڑھتی چلی گئی۔

راقم السطور کو ۱۳۸۸ھ اور ۱۳۹۰ھ[1] میں چند چند دنوں کے لئے سہارنپور حاضر ہونے اور چند دن ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا، آتے جاتے رہنے والوں کے علاوہ کئی سو کی تعداد میں صرف معتکفین تھے، تین سو، ساڑھے تین سو کا اوسط عموماً رہتا تھا، ہندوستان پاکستان کے علاوہ حرمین شریفین، ترکی و جنوبی افریقہ اور انگلستان سے بھی اہل تعلق رمضان گذارنے اور حضرت کی صحبت بابرکات سے استفادہ کرنے کے لئے سفر کر کے آتے ہیں اور یہ سب شیخ ہی کے مہمان ہوتے ہیں۔ ان مختلف الاوطان، مختلف المزاج اور مختلف حیثیتوں اور معیاروں کے مہمانوں کی میزبانی اور ان کی خدمت بڑا نازک و دشوار کام ہے۔ خاص طور پر سب جانتے ہیں کہ رمضان المبارک میں طبیعتوں کی نزاکت

---

[1] ۱۳۸۶ھ کا رمضان حضرت شیخ کا مکہ مکرمہ و مدینہ طیبہ میں گذرا، اس ناچیز کو بھی نصف رمضان انہیں دنوں مکہ مکرمہ گذارنے کی سعادت حاصل ہوئی، ان کے معمولات و نظام الاوقات کا تذکرہ آپ بیتی نمبر ۲ میں دیکھا جا سکتا ہے۔

۱۲ - از (حضرت مولانا)

اور بڑھ جاتی ہے لیکن حضرت کے مخصوص خدام جن میں مولانا نصیر الدین صاحب، مولانا منور حسین صاحب مولانا کفایت اللہ صاحب پالنپوری اور بعض دوسرے حضرات قابل داد و مستحقِ شکر و دعا ہیں، وہ پوری بیدار مغزی و مستعدی و جفاکشی کے ساتھ ان مہمانوں کی خدمت ناز برداری کی حد تک انجام دیتے ہیں، اس کے کسی قدر تفصیلی حالات "سوانح یوسفی" کے اس حصے میں دیکھے جا سکتے ہیں جو شیخ کے تذکرے پر مشتمل ہے یہ تعداد بھی روز افزوں ہے، اور اثرات و برکات بھی روز افزوں ہیں امسال جب کہ یہ سطور قلم بند کرائی جارہی ہیں معتکفین کی تعداد تقریباً تین سو تھی [1]

ان مبارک ایام میں افطار و طعام و نوافل سے فارغ ہونے کے بعد اس سال سے پہلے پہلے معمول تھا کہ سب مقیمین و معتکفین شیخ کے قریب آجاتے اور شیخ بلا کسی اہتمام و تصنع اور ترتیب کے حاضرین کی تربیت و اصلاح اور افادہ تعلیم کے لئے کچھ ارشاد فرماتے، اس میں بزرگوں کے حالات و واقعات بھی ہوتے جن سے سننے والوں کی

---

[1] یہ تعداد صرف معتکفین کی ہے ورنہ عام مہمانوں کی تعداد اخیر عشرہ میں تقریباً پانچ سو تھی۔
(۱۲ تقی الدین ندوی)

[2] رمضان المبارک کا نظام الاوقات: عام طور پر صبح صادق سے ڈیڑھ دو گھنٹے پہلے سب لوگ بیدار ہو جاتے ہیں، تہجد وغیرہ سے فارغ ہو کر سحری کھاتے ہیں اور اس کے بعد نوافل یا تلاوت وغیرہ میں سب لوگ صبح صادق تک مشغول رہتے ہیں۔ نماز اول وقت میں ہوتی ہے، نماز کے بعد ۹، ۱۰ بجے تک سب لوگ آرام کرتے ہیں، رات کا عالم معلوم ہوتا ہے۔ دس بجے سے ساڑھے دس بجے تک کسی کا بیان یا مواعظ سیدنا شیخ عبد القادر جیلانیؒ مسجد کے صحن میں سنائی جاتی ہے، اس کے بعد ظہر تک تلاوت وغیرہ کا معمول ہے۔ نماز ظہر کے بعد ختم خواجگان اور دعا ہوتی ہے ظہر سے عصر تک ذکر کی مجلس ہوتی ہے۔ نماز عصر کے بعد کوئی کتاب عام طور پر امداد السلوک و اکمال الشیم "سنائی جاتی ہے۔ جو غروب سے پندرہ بیس ۱۵ ۲۰ منٹ پہلے بند

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

ہمت بلند اور عزم پختہ ہو، کچھ تصوف و سلوک کے نکات بھی، بعض علمی تحقیقات بھی، اور اپنی زندگی کے سبق آموز اور عبرت انگیز واقعات بھی، اور کبھی کوتاہیوں اور بعض بے عنوانیوں پر محاسبہ بھی، غرض کہ متقضائے حال کے مطابق جو کچھ خدا دل میں ڈالتا ہے وہ بے تکلف فرما دیتے اور ہم لوگ ہمہ تن گوش ہو کر سنتے، اور بہت سے لوگ اس کو حرز جان بنا لیتے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے، ان کے قلمبند کرنے میں کوئی اہتمام نہ تھا۔ ممکن ہے بعض احباب اپنے اپنے طور پر، بعد میں خاص خاص چیزوں کو نوٹ فرما لیتے ہوں، یہ افادیت و ملفوظات جو کہ خدا کے ایک مخلص

کردی جاتی ہے اور حاضرین دعا میں مشغول ہوجاتے ہیں، افطاری اور مغرب کی نماز اور اس کے تھوڑی دیر کے بعد کھانا اور چائے ہوتی ہے، اس کے بعد سب لوگ حضرت اقدس مدفیوضہم کی معتکف کے قریب جمع ہوجاتے ہیں۔ یہ ملفوظات اکثر اسی مجلس میں بیان فرماتے ہیں۔ البتہ امسال اس مجلس میں حضرت شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی کتاب "نسبت صوفیہ" وغیرہ سنائی گئی، اور اذان کے قریب حضرت اقدس بیعت فرماتے ہیں، بیعت کے وقت کا عجیب منظر ہوتا ہے جس کی تفصیل آئندہ آرہی ہے اور عشاء کی نماز و تراویح و وتر میں قریباً ڈیڑھ گھنٹہ صرف ہوتا ہے۔ اور ہر عشرہ میں ایک ختم کا معمول ہے اور دو عشروں میں مولوی سلیمان صاحب سلمہٗ کا تراویح پڑھنا معمول رہا ہے۔ بہت صاف و رواں پڑھتے ہیں، البتہ ایک عشرہ میں ہر سال مختلف لوگوں نے قرآن سنایا۔ وتر کے بعد ختم سورۂ یٰسین و دعا کا معمول ہے اور ایک دو مرتبہ بعض لوگوں نے حفظ کی نیت سے حضرت اقدس کو قرآن سنایا۔ ایسے موقع پر یٰسین شریف کے بعد کی دعا اخیر میں ہوتی ہے، اس کے بعد ایک مختصر مجلس ہوتی ہے جس میں فضائل رمضان و فضائل درود سنائی جاتی ہے۔ کبھی صرف فضائل درود کے درود سنجیات پر اکتفا کیا گیا۔ اس کے بعد سب حضرات نوافل و تلاوت وغیرہ معمولات میں مشغول رہتے ہیں۔ بعض باہمت حضرات شب بیدار بھی رہتے ہیں۔ عام طور پر ۱۲ بجے شب کے بعد لوگ سونے کی تیاری کرتے ہیں۔

(ت)

بندے کی زبان سے نکلے ہیں اور ایک بابرکت زمانہ اور ایک پُر سکینت ماحول میں ادا ہوئے ہیں۔ اس لئے اس کی برکت المضاعف اور ان کی برکت دو چند بلکہ سہ چند ہو جاتی ہے۔

مجھے یہ معلوم ہو کر بڑی مسرت ہوئی کہ عزیز گرامی مولوی تقی الدین صاحب ندوی مظاہری سلمہ نے (۸۷-۸۸-۸۹ھ) ان کے قلم بند و محفوظ کرنے کا اہتمام کیا، وہ حضرت شیخ کے تلمیذ خاص بھی ہیں اور مُرید با اختصاص بھی، پھر صاحبِ تصنیف و صاحبِ درس ہیں۔ اس لئے اُنھوں نے جو کچھ لکھا وہ حفظ و احتیاط کے ساتھ، اور جو مضمون ادا کیا فہم و تفقہ کے ساتھ اور ملفوظات پر جا بجا نظر ڈال کر اس کی تصدیق و توثیق بھی ہوئی۔ اس لئے پوری اُمید ہے کہ مطالب صحیح طور پر ادا ہوئے ہیں، اور جو کچھ اس مجموعے میں آیا ہے وہ قابل اعتبار و لائق اشاعت ہے، اللہ تعالیٰ اس مبارک سلسلے کو ابھی تا دیر جاری رکھے، اور اہل ذوق کو جسمانی حاضری اور اپنے کانوں سے سُننے کی سعادت نصیب فرمائے، لیکن جن لوگوں کو اس کا موقع نہیں وہ اس مجموعے سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ لیکن اس ماحول و فضا کا اندازہ نہیں کر سکتے، جو بغیر دیکھے سمجھ میں نہیں آ سکتی کہ "شنیدہ کے بود مانند دیدہ" اللہ تعالیٰ مرتب کو جزائے خیر اور قارئین کو استفادہ اور انتفاع کی توفیق عطا فرمائے۔

فقط والسلام

ابو الحسن علی الحسنی الندوی

مہمان خانہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

۱۲ر شوال ۱۳۹۱ھ یوم چہار شنبہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ حال

ازمرتب

ناچیز مرتب ملفوظات حضرت اقدس مدفیوضہم کی تقریروں و ملفوظات کا ضخیم حصہ قلم بند کئے ہوئے تھا، اپنی طالب علمی کے زمانے میں بخاری شریف کے سبق میں اکثر موقع کی مناسبت سے حضرت اقدس قصے بھی سنایا کرتے تھے۔ اس زمانے میں ان کو بھی میں نے قلم بند کرلیا تھا، اس کے بعد سال میں کئی بار حاضری کی سعادت حاصل ہوتی رہی ہے، اس حاضری میں بھی سننے کا موقع ملتا رہا، نیز ۱۳۸۷ھ کے سفرِ حج میں ناکارہ حضرت اقدس مدفیوضہم کے ہمراہ تھا، مگر افسوس کے اس زمانے کی چیزیں قلم بند نہ کرسکا، جس کا اب بیحد قلق ہے، البتہ سنہ ۱۳۸۷ھ سنہ ۸۸ھ سنہ ۹۰-۱۳۹۱ھ کے رمضان المبارک میں پورے مہینے حاضری کی سعادت حاصل رہی۔ اور ملفوظات کے قلم بند کرنے کا اہتمام رہا، امسال ماہ مبارک میں حضرت اقدس کے کئی خاص خدام بالخصوص محترم مولانا منور حسین صاحب مدظلہٗ مولانا جمیل احمد صاحب حیدرآبادی، مولانا سجاد صاحب اور عزیز گرامی مولانا عبدالرحیم متالا سلمہٗ نے ان کو اہتمام سے قلمبند کرنے اور مرتب کرنے کی تاکید فرمائی، مگر اس اندیشہ کی بنا پر کہ حضرت اقدس سے اشاعت کی اجازت دشوار ہے۔ میں نے ان کی ترتیب و انتخاب کے کام کو موخر کردیا، اس کے بعد میں نے حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہٗ و حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

صاحب سے زبانی اور خط وکتابت میں اس کا ذکر کیا تو ان دونوں بزرگ نے بالخصوص محترم مولانا معین اللہ صاحب ندوی نے ان کو مرتب کرنے کی تاکید فرمائی، اس لئے ان ملفوظات کے گلدستہ کو مرتب کرکے ناظرین کے سامنے پیش کر رہا ہوں، میں نے ان کی ترتیب میں اپنی تحریر وحافظہ پر اعتماد کیا ہے اور اس کی کوشش کی ہے کہ حضرت اقدس کے الفاظ وجملے تک میں حتی الامکان تبدیلی نہ ہوسکے اگرچہ حضرت اقدس جس رقت انگیز انداز میں بیان فرماتے ہیں اسکی تصویر کشی سے یہ بے بضاعت قاصر ہے۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ "سوانح رائپوری" میں تحریر فرماتے ہیں۔

"کامل الاحوال بزرگوں کی باطنی کیفیت کا اندازہ عامی کیا لگا سکتے ہیں، ان حضرات کا اصول و مسلک یہ ہے کہ: ع

عشق عصیان است گر مستور نیست

لیکن کبھی کبھی پیمانہ جب لبریز ہوجاتا ہے تو دو چار قطرے ٹپک پڑتے ہیں۔ ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں ضبط گریہ اور اخفائے حال کی کوشش اس حقیقت کی غمازی کرتی ہے۔ جس سے سینہ معمور اور دل مخمور ہے، کسی حقیقت شناس نے عرصہ ہوا کہا تھا: ع

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں　　گفتہ آید در حدیث دیگراں

حضرت اقدس جس وقت اپنے اکابر و مشائخ کے حالات بیان فرماتے ہیں اور جس وقت بیعت کے الفاظ ادا فرماتے ہیں تو ساری مجلس پر ایک خاص کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ زبان حال گویا اس حقیقت کی ترجمانی کرتی ہے ؎ پھر پرسش جراحت دل کو چلا ہے عشق　　سامان صد ہزار نمکداں کئے ہوئے

حضرت کے درس حدیث میں جن لوگوں کو بیٹھنے کی سعادت حاصل ہوتی ہے وہ اس کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ بخاری شریف میں جہاں مرض الوفات کی حدیث آتی تھی، اس وقت مجلس کا جو حال ہوتا تھا وہ ناقابلِ بیان ہے، تھوڑی دیر کے لئے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آج ہی یہ سانحۂ ارتحال پیش آیا ہے، اسی طرح مسلسلات حدیث میں حضرت اس حدیث "انی احبک یا معاذ" کو پڑھتے ہیں تو سارے مجمع پر گریہ طاری ہوجاتا ہے

الٰہی درد وغم کی سرزمین کا حال کیا ہوتا　　محبت گر ہماری چشم تر سے مینھ نہ برساتی

اہل اللہ کے ملفوظات میں جو زندگی و بے ساختگی پائی جاتی ہے، وہ عام تحریرات و تصنیفات میں نہیں ملتی، ان میں مختلف ذوق مختلف المزاج لوگوں کے حالات کی رعایت ہوتی ہے، ہر شخص اپنے حسب حال اپنے درد کا درماں پا سکتا ہے، پھر حضرت اقدس حکایات و اکابر کے حالات مجمع کی مناسبت سے بیان فرما کر ان سے ایسے نتائج نکالتے ہیں کہ جن سے سامعین کے قلوب پر غیر معمولی اثر ہوتا ہے۔

ان ملفوظات کا بیشتر حصہ ماہ مبارک کی مجالس میں بیان فرمایا ہے۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ موجودہ دور میں حضرت اقدس کی خدمت میں ماہ مبارک گذارنیوالوں کا اتنا بڑا مجمع آتا ہے کہ حرمین شریفین کے سوا اور کہیں یہ منظر دیکھنے کے لئے نہیں ملے گا، ہند و پاک کے علاوہ حرمین شریفین، ترکی و افریقہ، امریکہ و سنگاپور کے لوگ اس ماہ مبارک میں موجود تھے، عام طور پر مدارس عربیہ کے اساتذہ و طلبار کی تعطیلات بھی انہیں ایام میں ہوتی ہیں اس لئے اکثر و غالب تعداد اس مجمع میں انھیں کی ہوتی ہے، ان ملفوظات کے مخاطب اولین علمار و طلبار کی جماعت ہے۔ عہد حاضر میں ہمارا دینی طبقہ بالخصوص مدارس عربیہ جس دینی و روحانی و علمی تنزل و انحطاط کا شکار ہے، اس کے اصلاح کی حضرت کو بہت ہی فکر ہے، ملفوظات کے قارئین پڑھنے کے بعد اس کا بخوبی اندازہ کر سکیں گے ۱۹۶۵ء کے بعد ماہ مبارک گذارنے کا سلسلہ مجمع کی کثرت کی بنار پر مدرسہ مظاہر علوم کے دار الطلبہ جدید کی مسجد میں شروع کیا گیا۔ ہر سال اس مجمع میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ۱۹۷۰ء کے رمضان میں مستقل مقیمین کی تعداد قریباً چھ سو تک پہنچ گئی تھی، یہ سب حضرات حضرت اقدس مد فیوضہم کے مہمان ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے مولانا نصیر الدین صاحب ناظم طعام اور ان کے رفقائے کار کو جو حضرت کی جانب سے ان سب مہمانوں کے کھانے اور سحری و افطار کا انتظام کرتے ہیں، اسی طرح مولانا کفایت اللہ صاحب پالنپوری اور ان کے رفقار نے دونوں وقت کی چائے کا انتظام اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔ حق تعالیٰ اس چشمۂ فیض کو تا دیر قائم و دائم رکھے، آمین

یہ ناچیز اپنے محسن و مربی حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ کا تہ دل سے ممنون ہے کہ انہوں نے ان ملفوظات کو اپنی مجالس میں سنا اور اس پر ایک قیمتی مقدمہ تحریر فرمایا۔

مزید اطمینان کے لئے اس ناچیز نے حضرت مولانا محمود الحسن صاحب گنگوہی مدظلہ (مفتی اعظم

دار العلوم دیوبند) سے اس مسودہ کے سماعت کی درخواست کی، انھوں نے ازارہ شفقت و عنایت اس کے اکثر حصّے کی سماعت کی اور بعض مقامات پر تصحیح فرمائی، جس پر یہ ناچیز بے حد ممنون ہے۔

اسی طرح اس کے نشر و اشاعت کے سلسلے میں میرے کرم فرما جناب مولانا محمد ابراہیم صاحب ڈیبائی نائب مہتمم دار العلوم فلاح دارین کی وساطت سے محترم حاجی محمد چوہان ساؤتھ افریقہ کے تعاون نے سہولت پیدا کردی، حق تعالیٰ ان تمام حضرات کو دنیا و آخرت میں بہترین جزائے خیر عطا فرمائے اور ناچیز مرتب اور قارئین کو ان ملفوظات اور صاحبِ ملفوظات کی برکات سے مالا مال فرمائے۔

اب یہ مفید و دلآویز مجموعہ ناظرین کی خدمت میں عرفی کے الفاظ میں اس معذرت کے ساتھ پیش ہے ؎

امید ہست کہ بیگانگیِ عرفی را
بدوستیِ سخنہائے آشنا بخشند

فقط والسلام

تقی الدین ندوی مظاہری

فلاح دارین ترکیسر سورت (گجرات)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

حضرت شیخ کے معمولات و نظامِ اوقات

(ماخوذ از سوانح یوسفیؒ)

از

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ

شیخ کی زندگی اپنے علمی انہماک، خدمت خلق، یکسوئی اور شدید مصروفیات کے اعتبار سے اس بیسویں صدی میں ان علمائے سلف کی زندہ یادگار ہے۔ جن کا ایک ایک لمحہ عبادت، خدمت اور علم کی نشر و اشاعت کے لئے وقف تھا اور جن کے کارنامے دیکھ کر ان کے اوقات کی برکت، ان کی جفاکشی، بلند ہمتی اور ان کی جامعیت کے سامنے آدمی تصویر حیرت بن کر رہ جاتا ہے، اور ان کی روحانیت تائید الٰہی کے سوا کوئی توجیہ نہیں ہو سکتی۔

فجر کی نماز کے کچھ دیر بعد کچے گھر میں تشریف لے آتے ہیں، اور ایک بڑی جماعت کے ساتھ چائے نوش فرماتے ہیں، جن کی تعداد پچاس ساٹھ سے شاید کبھی کم ہوتی ہو بعض دنوں میں اس سے بہت بڑھ جاتی ہے۔ کچھ لوگوں کے لئے ناشتہ کا بھی انتظام ہوتا ہے، لیکن اس وقت شیخ کا معمول صرف چائے پینے کا ہے۔ اگر کوئی ایسا عزیز اور اہم مہمان ہوتا ہے جو تھوڑے وقت کے لئے سہارنپور آیا ہوتا ہے یا اس سے کوئی ضروری باتیں کرنی ہوں گی تو تخلیہ کر لیا جاتا ہے اور کچھ دیر وہیں تشریف رکھتے ہیں، پھر بالاخانے پر اپنے علمی و تصنیفی معالات پورا کرنے کے لئے تشریف لے جاتے ہیں۔ جاڑے، گرمی، برسات حوادث تحریکات اور کسی بڑے سے بڑے معزز مہمان کی آمد کے موقع پر بھی اس میں کمتر فرق واقع ہوتا ہے۔ بعض

مرتبہ فرمایا کہ حضرت رائپوریؒ آیا ایسے اکابر و مشائخ کی تشریف آوری کے موقع پر میں نے اپنا یہ معمول ترک کر دینا چاہا تو سر میں درد ہوگیا۔ اجازت لے کر تھوڑی دیر کے لئے گیا، اور تھوڑا سا کام کرکے واپس آگیا۔ اکثر یہ حضرات خود ہی بااصرار شیخ کو رخصت فرمادیتے، اور حرج گوارا نہ فرماتے۔ اوپر کی نشست گاہ دیدنی ہے، نہ کہ شنیدنی ایک چھوٹا کمرہ جس میں کتابوں کا اس طرح ذخیرہ ہے گویا در و دیوار اسی کے ہیں ان کتابوں کے درمیان بمشکل ایک آدمی کے بیٹھنے کی جگہ ہے، جس میں شیخ تشریف رکھتے ہیں، وہ جب اپنی جگہ پہنچ جاتے ہیں اور ان کتابوں کے درمیان پناہ لیتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی پرندہ جو دن بھر غیر جنس میں رہا ہے اپنے آشیانے میں واپس آگیا ہے، اس وقت ان کا وہی حال ہوتا ہے جس کی تصویر خواجہ میر دردؔ نے اس شعر میں کھینچی ہے ؎

کچھ عجب مستی ہے اپنے دل کے پیمانہ کے بیچ
چاہیئے کس واسطے لے دردؔ میخانہ کے بیچ

اگر کسی کو اس وقت کوئی ضروری بات کہنے کے لئے یا کسی عزیز مہمان کو ملنے کے لئے جانا پڑتا ہے تو اس کو بمشکل بیٹھنے کی جگہ ملتی ہے۔ چاروں طرف کتابوں کا ڈھیر ایک آدھ چمڑہ یا چٹائی کا فرش کچھ پرانی شیشیاں، اور دواؤں کی بوتلیں گرد، جس میں معلوم نہیں کتنا علم کا جوہر اور اخلاص کی تب و تاب ہوتی ہے، ۱۱½ بجے تک شیخ پوری یکسوئی کے ساتھ وہاں کام کرتے رہتے ہیں اور ان کا جی چاہتا ہے کہ سوائے ضروری اور فوری کاموں کے خلل نہ واقع ہو۔ ان اوقات میں ان خاص مہمانوں اور ذکر و شغل کرنے والے عزیزوں کو اجازت ہوتی ہے کہ صحن میں بیٹھ کر ذکر جہر کرتے رہیں اور وہ کام میں مشغول رہتے ہیں، اور اس سے شیخ کی یکسوئی میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

۱۱½ بجے نیچے تشریف لے آتے ہیں، دسترخوان بچھتا ہے، مہمانوں کی جماعت کثیر شریک طعام ہوتی ہے، عام طور پر دو اور تین مرتبہ مجمع بیٹھتا ہے۔ شیخ کی اصطلاح میں اس کو پہلی پیڑھی اور دوسری پیڑھی کہتے ہیں، شیخ اول سے آخر تک کھانے میں شریک رہتے ہیں اپنے کھانے کی مقدار اور رفتار ایسی رکھتے ہیں کہ آخری کھانے والے تک کا ساتھ دے سکیں، کھانے میں بالعموم تنوع ہوتا ہے۔ متعدد قسم کے سالن وافر مقدار میں ہوتے ہیں اور بڑے اصرار سے مہمانوں کو کھلایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ نووارد و ناتجربہ کار

بعض اوقات اس اصرار سے اپنے معمول سے زیادہ کھا کر تکلیف بھی اٹھاتے ہیں۔ لیکن غور سے دیکھنے والا معلوم کر لیتا ہے کہ شیخ برائے نام شریک ہیں ان کی خوراک اتنی کم ہوتی ہے کہ اس مقدار کے ساتھ اتنی محنت پر تعجب ہوتا ہے لیکن دسترخوان پر وہ ایسا سماں باندھتے ہیں کہ کسی کو پتہ نہیں چلنے پاتا کہ کریم النفس اور فراخ دل میزبان خود کس قدر اس کھانے میں شریک ہے۔

کھانے سے پہلے ڈاک آجاتی ہے جس پر ایک سرسری نظر ڈال لیتے ہیں اس ڈاک کی مقدار روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ ان سطور کے تحریر کے زمانے میں تینس[۳] چالیس[۴] کے درمیان روزانہ خطوط کا اوسط ہے۔

کھانے کے بعد شیخ آرام کرنے کے لئے مضطر ہوتے ہیں ۱۲½، ایک اس میں ضرور بج جاتا ہے۔ یہی وقت ان کے آرام کا ہے۔ ظہر کے بعد ایک گھنٹہ وہ ڈاک اور اسی درمیان میں کسی عزیز مہمان سے گفتگو کی نذر کرتے ہیں۔ گھنٹہ ختم ہونے کے بعد حدیث کے درس کے لئے تشریف لے جاتے ہیں۔ پہلے یہ درس دار الطلبہ کے دار الحدیث میں ہوتا تھا جو بالائی منزل پر ہے۔ اب چڑھنے بلکہ چلنے تک کی معذوری کی بنا پر دار الطلبہ کی مسجد میں ہوتا ہے۔ مولانا حافظ عبد اللطیف صاحب کی وفات کے بعد سے بخاری شریف آپ ہی پڑھاتے ہیں اس درس کی کیفیت بھی دیدنی ہے نہ کہ شنیدنی، حدیث کے احترام و سنت کے شغف اور ذات نبوی سے عشق کی کیفیت کا اثر تمام حاضرین پر پڑتا ہے اور بعض مرتبہ تو ساری مجلس پر ایک بجلی سی کوند جاتی ہے خصوصاً ختم کتاب اور دعا کے موقع پر تو یہ پیمانہ ہزار وسعت و عالی ظرفی کے باوجود چھلک پڑتا ہے، اسی طرح وفات نبوی کی احادیث پر دامن ضبط ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے، آنکھیں بے اختیار اشک بار اور آواز گلوگیر ہو جاتی ہے (تین سال سے معذوریوں کی وجہ سے درس کا سلسلہ بند ہو گیا ہے۔ (ت)

عصر کی نماز کے بعد مکان[۱] پر عام مجلس ہوتی ہے، سارا صحن زائرین اور حاضرین سے بھرا ہوتا ہے ان میں مدرسہ کے طلباء اور بعض اساتذہ بھی ہوتے ہیں اور مدرسہ کے مہمان بھی۔ چائے کا اس وقت بھی دور چلتا ہے، تعویذ لکھنے کا اسی وقت معمول ہے۔ مغرب کی نماز کے بعد اب دیر تک مسجد ہی میں رہتے

---

[۱] آج کل یہ مجلس باہر مولوی نصیر الدین صاحب کی ٹال میں ہوتی ہے (ت)

ہیں، اگر کوئی خاص مہمان یا عزیز آئے ہوئے ہیں تو ان کو خصوصی طور پر وقت دیدیتے ہیں عشار کی نماز سے پہلے دسترخوان پھر بچھ جاتا ہے، لیکن شیخ کا عرصہ سے رات کو کھانے کا معمول نہیں، کوئی خاص عزیز مہمان ہوئے تو ان کی خاطر دو چار لقمے تناول فرمالیتے ہیں (مگر اب یہ بھی چھوٹ گیا ہے، ت) عشار کے بعد پھر کچھ دیر مخصوص و محدود مجلس رہتی ہے، جس میں زیادہ تر بے تکلف اور ہر وقت کے حاضر باش خدام یا عزیز مہمان ہوتے ہیں، پھر آرام فرماتے ہیں۔

جمعہ کے دن نماز سے پہلے مختلف دیہاتوں اور اطراف و مواضعات سے آنے والے اہل تعلق وارادت کو مجلس میں شرکت کی اجازت ہوتی ہے، اسی موقع پر نئے طالبین کو بعیت بھی فرماتے ہیں، اور ذکر واصلاح حال کی تلقین بھی، یہ تعداد بھی یوماً فیوماً بڑھ رہی ہے، سارا صحن اور اندر باہر سب بھر جاتا ہے، پھر جمعہ کی تیاری ہوتی ہے۔ جمعہ حکیم ایوب صاحب کی چھوٹی مسجد میں جو قریب ترین مسجد ہے، ادا فرماتے ہیں کھانا معمولاً والتزاماً جمعہ کے بعد ہوتا ہے، عصر کی مجلس عام جمعہ کے دن ملتوی رہتی ہے۔ شیخ کا برسوں سے جمعہ کے دن مابین عصر و مغرب دعا میں مشغول اور متوجہ الی اللہ رہنے کا معمول ہے، فرماتے ہیں کہ والد صاحب کا بھی یہی معمول تھا، چائے بھی اُس روز مغرب کے بعد ہوتی ہے (اب چائے کا معمول نہیں رہا۔ ت)

رمضان المبارک میں تو نظام الاوقات بہت بدل جاتا ہے، سرگرمی، جفاکشی، بلند ہمتی، ذوقِ عبادت و تلاوت اور یکسوئی وانقطاع اپنے نقطۂ عروج پر ہوتا ہے۔ شیخ کے یہاں رمضان کا معاملہ بالکل الگ ہے، اور وہ اولیائے متقدمین اور مشائخ سلف کی آخری یادگاروں میں سے ہے، راقم السطور کو ۱۹۴۶ء میں ایک مرتبہ پورا رمضان ساتھ گزارنے کی سعادت حاصل ہوئی، نظام الدین میں قیام تھا اور شیخ کی خصوصی شفقت و تعلق کی وجہ سے بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، پورے مہینے کا اعتکاف تھا، روزانہ ایک قرآن شریف ختم کرنے کا التزام تھا، قدرے اضافہ کے ساتھ (تاکہ اگر ۲۹ کا چاند ہو جائے تو تیس قرآن مجید ختم کرنے کے معمول میں فرق نہ آئے) نظام الاوقات یہ رہتا تھا کہ افطار صرف ایک مدنی کھجور سے پھر ایک پیالی چائے اور ایک بیڑہ پان، نماز مغرب کے بعد اوابین شروع

فرما دیتے جن میں کئی پارے پڑھتے، اوابین سے فراغت کے بعد اور عشار کی نماز سے بیشتر ایک خصوصی مجلس جس میں خاص عزیز و خدام شریک رہتے۔ عشار، اور تراویح کے بعد پھر مجلس ہوتی، جس میں ہلکی سی انطاری عموماً امرود یا کیلا کا کچالو یا کچھ پھلکیاں بڑے وغیرہ لیکن قلیل مقدار میں کھانے کا اس وقت بھی ذکر نہیں یہ گرمیوں کا زمانہ تھا، مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت ٹھہر ٹھہر کر قرآن مجید پڑھنے کے عادی تھے، اس لئے تراویح میں بہت دیر ہو جاتی، ڈیڑھ گھنٹہ مجلس میں بیٹھ کر حاضرین مجلس تو آرام کرنے چلے جاتے شیخ نوافل میں مشغول ہو جاتے، سونے کا ایک منٹ کے لئے بھی معمول نہ تھا۔ آخیر وقت میں سحر کھاتے اور چوبیس گھنٹے میں یہی کھانے کا وقت تھا، نماز فجر اوّل وقت ہو جاتی، نماز کے بعد آرام فرماتے اور دن نکلنے کے بعد بیدار ہوتے ۲۴ گھنٹے میں یہی سونے کا وقت تھا، پھر دن بھر قرآن مجید ہی کا دور رہتا، یہی رمضان کا سب سے بڑا معمول تھا۔ جو کچھ وقت ملتا قرآن مجید کی تلاوت اور دور میں گذرتا۔

رمضان کی اس مشغولیت اور علوئے ہمت میں صحت کے تنزل کے باوجود اور ترقی ہی ہوتی چلی گئی ان سطور کے تحریر کے وقت جو پچھلا رمضان ۶۶-۱۹۶۵ء کا گزرا ہے، اس کی تفصیل ایک خادم خاص اور ہر وقت کے حاضر باش[۱] اس طرح تحریر کرتے ہیں۔

" وسط شعبان سے ۲۸ رمضان تک جو مہمان باہر سے آئے اور پورا رمضان یا کچھ ایام گذار کر واپس گئے، ان کی ایک فہرست ایک خادم نے بطور خود مرتب کی تھی، اس فہرست میں ۳۱۳ مہمانوں کے نام ہیں"۔

حضرت شیخ کا نظام الاوقات رمضان شریف میں یہ رہا، سحری کے لئے جب لوگ بیدار ہوتے تو حضرت عموماً نوافل میں مشغول اور جب سحری کا وقت ختم ہونے لگتا تو ایک دو انڈے نوش فرماتے اور چائے کی ایک پیالی، پھر جماعت تک تکیہ لگائے لوگوں کی طرف متوجہ رہتے، مہمان حضرات آمنے سامنے ہوتے، بعد نماز فجر آرام فرماتے۔ تقریباً ۹ بجے دن تک پھر ضروریات سے فارغ ہو کر نوافل میں مشغول ہو جاتے، دوپہر زوال کے قریب تک، پھر ڈاک ملاحظہ فرماتے اور بعض ضروری خط لکھاتے

۱۔ مولانا منور حسین صاحب بہاری سابق مدرس مدرسہ مظاہر علوم

اذان ظہر تک، پھر نماز میں مشغول ہوتے، بعد ظہر فوراً تلاوت شروع فرماتے مسلسل عصر تک، مہمانوں کو ہدایت تھی کہ سب لوگ ہمہ تن ذکر میں مشغول ہو جائیں قبیل عصر تک، چنانچہ ذاکرین ذکر میں مشغول ہوتے اور دوسرے حضرات تلاوت میں مشغول رہتے عصر تک، بعد عصر حضرت قرآن شریف سناتے، اکثر مہمان یا تو قرآن شریف سنتے یا خود تلاوت کرتے قبیل افطار تک صرف چند منٹ پہلے تلاوت موقوف کر کے مراقب ہو جاتے، مہمانوں کو ہدایت تھی کہ صحن مسجد میں افطاری کے دستر خوان پر چلے جائیں اور حضرت اکیلے پردہ میں ہو جاتے، اذان پر مدنی کھجور سے افطار اور اس پر زمزم ایک پیالی نوش فرماتے، پھر مراقب ہو جاتے یا ٹیک لگا کر بیٹھتے، نماز مغرب سے فراغت کے بعد مہمانوں کو کھانا کھلایا جاتا اور حضرت دیر تک نوافل میں مشغول رہتے، اذان کے آدھ گھنٹہ پہلے تک، اس وقت ایک دو انڈے نوش فرماتے اور ایک پیالی چائے یہ چائے بھی ہفتہ عشرہ کے بعد بہت اصرار پر شروع ہوئی، اسی طرح انڈا بھی سخت اصرار پر منظور فرمایا تھا، روٹی چاول وغیرہ کی قسم سے کوئی چیز بھی رمضان بھر بلکہ ایکدن پہلے بھی نوش نہیں فرمایا، اذان عشاء سے آدھ گھنٹہ پہلے پردہ ہٹا دیا جاتا۔ حضرت ٹیک لگا کر مہمانوں کی طرف متوجہ رہتے، عجب منظر ہوتا، نئے آنے والے ملتے، پھر اذان ہو جانے پر ضروریات سے فارغ ہو کر نوافل پھر فرض وتراویح میں مشغول ہو جاتے، اس رمضان میں تین قسم کی سماعت فرمائی، پہلے مفتی یحییٰ صاحب نے سنائی۔ پھر حافظ فرقان صاحب نے پھر میاں سلمان سلمہٗ پسر مفتی صاحب نے۔ پورا ماہ اعتکاف میں گزارا اور اکثر و بیشتر مہمان بھی معتکف رہے، حتیٰ کہ بسا اوقات ڈاکخانے بھیجنے کے لئے کسی آدمی کا ملنا مشکل ہو گیا تھا۔ بس حضرت کے تین چار خادموں کو خاص کر کے ضروریات کے لئے غیر معتکف دیکھا گیا۔

آخر عشرہ میں یا اس سے کچھ پہلے بعض بعض دوستوں کے بار بار مٹھائی یا کباب لانے کی بناء پر تراویح کے بعد ایک دو لقمہ مٹھائی یا شامی کباب بھی نوش فرما لیتے، مگر اکثر تو تقسیم ہی کرا دیتے اوائل رمضان میں اعلان کرا دیا گیا تھا، یعنی حضرت نے خود فرمایا تھا کہ تراویح کے بعد کتاب ہوا کرے گی چنانچہ کتاب سنانے کا معمول رہا، اور اس وقت چنا یا پھلکی وغیرہ کا جو معمول پہلے سے چلا آ رہا تھا۔

اس رمضان میں بند کروادیا گیا تھا، کہ وقت ضائع ہوگا، کتاب وغیرہ سے فراغت کے بعد فرماتے، حضرات جاؤ وقت کی قدر کرو، چنانچہ اکثر تلاوت یا نماز میں لگ جاتے اور حضرت بھی مشغول ہوجاتے کچھ دیر کے بعد کچھ دیر کے لئے آرام فرماتے مگر "تنام عینای ولاینام قلبی" کی طرح کیفیت رہتی کہ ابوالحسن سلمہ، سے جو پاس ہی کو ہوتے کبھی کوئی بات فرما بھی دیتے اور یہ فرماتے کہ تم لوگوں کے تلاوت ذکر سے میرے آرام میں فرق نہیں آتا۔

اگلے رمضان (۱۳۸۶ھ) کا نظام تقریباً وہی رہا، کچھ چیزوں میں تبدیلی تھی، مولوی منوّر حسین صاحب بہاری نے اپنے مکتوب میں جو حالات لکھے ہیں، اُس کی چند اہم باتیں یہ ہیں:۔

"۲۹ رشعبان کو فجر کی نماز سے پہلے ہی مہمانوں اور معتکفوں نے اپنی اپنی جگہوں پر قبضہ کرنا، اور بستر پھیلانے شروع کردیئے، چنانچہ بعد فجر جو لوگ گئے تو اکثروں کو تیسری صف میں جگہ ملی، حضرت پہلے ہی اعلان فرماچکے تھے کہ ۲۹ رشعبان کو بعد عصر مسجد ہی سے اعتکاف گاہ منتقل ہوجائیں گے، چنانچہ تشریف لے گئے، اور نوّے سے اوپر سؤ سے تین چار کم مہمان بھی مسجد دارالطلبہ جدید میں اقامت واعتکاف کی نیت سے پہنچ گئے، حالانکہ مسجد بہت وسیع اور اندر چھ صفوں کی جگہ ہے، مگر مہمانوں اور سامان سے مسجد بھر گئی۔ چنانچہ جو مہمان رات کو یا صبح سے پہلے یا بعد میں پہنچے ان کو مسجد کے برآمدے میں جگہ دلوائی گئی، شام کے دسترخوان میں سؤ سے کم اور سحری کے وقت سو سے زائد مہمان ہوگئے تھے، پھر مہمان آتے گئے اور برآمدہ مسجد کے پُر ہوجانے پر اندرون مسجد جا بجا جگہ دلوائی گئی، اور ہر مہمان کو تقریباً ڈیڑھ فٹ کی جگہ اخیر کے دو عشروں میں میسّر رہی مہمانوں کی کثرت کی وجہ سے دوسرے عشرہ کے وسط میں ایک عظیم الشان خیمہ نصب کرالیا گیا۔

مہمانوں اور معتکفین کے قیام کا نظم و انتظام

یہ ناچیز اپنے وطن اعظم گڈھ سے ۲۷ ر شعبان المعظم ۱۳۹۰ھ کو روانہ ہوکر ۲۸ ر شعبان بروز جمعہ سہارنپور حضرت اقدس مدفیوضہم العالیہ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا نمازِ جمعہ کے بعد ملاقات و زیارت کا شرف حاصل ہوا، اس وقت ماہ مبارک گزارنے والوں کا اچھا خاصہ مجمع آگیا تھا، شنبہ کو حسبِ سابق دار الطلبہ جدید کی مسجد میں معتکفین اور حجروں میں بقیہ مہمانوں کے قیام کا نظم کیا گیا، ناظم الامور محترم مولانا منور حسین صاحب مدظلہ کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ مدرسہ قدیم سے دار الطلبہ جدید سب لوگ اپنی اپنی جگہوں پر منتقل ہو جائیں چنانچہ عصر تک سب لوگ منتقل ہو گئے۔

نمازِ عصر کے بعد حضرت اقدس مدفیوضہم بھی مسجد میں تشریف لائے، رویت ہلال کا انتظار رہا۔ مگر ۲۹ ر کا چاند نظر نہ آیا، ۳۰ ر کو سب لوگ اپنے اپنے معمولات و تلاوت وغیرہ میں مشغول رہے، نیز ۳۰ ر کو صبح کی نماز کے بعد "فضائل قرآن" سے صلوٰۃ التسبیح کا باب پڑھا گیا۔ اس کے بعد محترم مولانا منور حسین صاحب مدظلہٗ نے اعلان فرمایا" کہ اس نماز کو آج ایک مرتبہ سب لوگ حصول فضیلت کی نیت سے ضرور پڑھ لیں اور ماہ مبارک میں بھی کم از کم ایک دو مرتبہ اس پر عمل کر لیا جائے۔ ہر دور کے علماء و صلحاء و اہل اللہ کا یہ طریقہ رہا ہے"۔

یکم رمضان المبارک کو واردین کی تعداد تقریباً ۳۱۳ تک پہونچ گئی تھی، جو اصحاب بدر کی تعداد ہے جب حضرت اقدس سے اس کا تذکرہ کیا گیا تو اس پر انتہائی مسرت کا اظہار فرمایا، اور ارشاد فرمایا کہ

"حق تعالیٰ جیسی ہماری صورت ہے، ویسی ہی حقیقت بھی بنا دے"۔

★

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

پہلی مجلس

یکم رمضان المبارک

یہ مجالس مغرب کے بعد کھانے وغیرہ سے فراغت کے بعد ہوتی تھیں اور عشاء تک یہ قائم رہتی تھیں، اخیر مجلس میں بیعت ہونے والوں کو حضرت اقدس مدفیوضہم بیعت فرماتے تھے۔ اخیر رمضان تک یہی معمول رہتا ہے۔

ماہ مبارک کے مشاغل میں انہماک و استغراق

ارشاد فرمایا، آپ لوگ جس مقصد کے حصول کیلئے یہاں آتے ہیں، اس کے لئے انتہائی کوشش کیجئے۔ رمضان المبارک کی راتیں تو جاگنے کے لئے ہوا کرتی ہیں۔

میں نے ۱۳۳۸ھ میں پہلا سفر حج کیا۔ اس وقت سے رمضان المبارک کی راتوں کو جاگنے کا معمول بنالیا تھا۔ مگر اب ۵، ۶ سال سے بیماریوں نے چھڑادیا ہے۔ یہ درحقیقت میں نے عرب سے سیکھا تھا۔ وہاں لوگ رمضان کی راتوں میں بیدار رہتے ہیں۔ یہ لوگ وہاں کے قیام کے زمانے میں تراویح وغیرہ سے فراغت کے بعد سحری تک عمرہ کیا کرتے تھے۔ ہم دوبارہ جب ۱۳۴۴ھ میں وہاں حاضری ہوئی تو بھی یہی دیکھا کہ رمضان المبارک میں بازار رات بھر

کھلے رہتے ہیں، اور دن میں سناٹا رہتا ہے، البتہ گزشتہ سال جب وہاں حاضری ہوئی، تو معلوم ہوا کہ بہت سے گھروں میں وہاں رات میں ٹیلی ویژن لگائے جاتے ہیں، اور اس کی آوازیں آتی رہتی ہیں، اس کے بعد حضرت نے ارشاد فرمایا: کام کرنے والوں کے لئے یہ چیزیں ان کے کاموں سے مانع نہیں، بچپن میں ایک قصہ سنا تھا، ایک مولوی صاحب غریب آدمی تھے، بھوک کی شدت کے عالم میں کسی حلوائی کی دوکان کے قریب جاکر کھڑے ہو جاتے اور مٹھائیوں کی خوشبو سے اپنا پیٹ بھر لیتے، سڑک پر یا اور کہیں روشنی نظر آتی تو وہاں جاکر کتابیں دیکھتے، ایک مرتبہ شہرہ ہوا کہ بادشاہ کے صاحبزادے کی شادی ہے، رات میں قمقمے وغیرہ روشن کئے گئے، یہ صاحب رات بھر ان قمقموں کی روشنی میں صبح تک کتابیں دیکھتے رہے، جب صبح ہوئی تو فرمایا" وہ شادی کے قمقمے کہاں گئے سنا تھا کہ بادشاہ کے یہاں شادی ہے"۔ اس قصہ کو سنانے کے بعد حضرت اقدس نے ارشاد فرمایا، جس کو کسی کام کا چسکا پڑ جائے، اس کو ٹیلی ویژن وغیرہ کی آوازیں یا اور کوئی چیز مقصد سے مانع نہیں بن سکتی۔

ع مکتبِ عشق کے انداز نرالے دیکھے
اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے صاحبزادگان میں سے ایک صاحب مطالعہ کر رہے تھے دوران مطالعہ میں انہوں نے پانی مانگا، حضرت شاہ صاحبؒ نے جب اس کو سنا تو فرمایا: "خاندان سے علم رخصت ہوا"۔ مگر اہلیہ محترمہ نے کہا، کہ ابھی جلدی نہ کریں، ذرا مزید دیکھ لیں۔ چنانچہ پانی کے گلاس میں سرکہ ڈال کر خادم سے بھجوادیا، وہ اس کو پی گئے اور گلاس واپس کر دیا، اس پر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: "الحمد للہ ابھی خاندان میں علم باقی رہے گا"۔

امام مسلمؒ کا مشہور قصہ ہے، بیان کیا گیا ہے، کہ ان کی مجلس درس میں امام موصوف سے ایک حدیث کے متعلق دریافت کیا گیا۔ جو امام موصوف کو سوء اتفاق سے یاد نہ آئی۔ واپس گھر آئے تو انہیں خرمے کی ایک تھیلی پیش کی گئی۔ حدیث کی تلاش و جستجو میں اس قدر محو ہوئے کہ چھوارے آہستہ آہستہ سب کھا گئے اور حدیث بھی مل گئی، یہی امام صاحبؒ کی موت کا سبب ہوا۔

فرمایا:- میں نے حضرت اقدس مدنی نور اللہ مرقدہٗ کو دیکھا کہ کبھی حضرت ایسے مشغول ہوتے کہ

کوئی کچھ عرض کرتا تو فرماتے" ایں" یعنی حضرت کو اس وقت دوسری طرف بالکل التفات نہ ہوتا، یہی حال میں نے حضرت اقدس رائپوری نوراللہ مرقدہٗ کا دیکھا، کہ حضرت کی مجلس میں کتاب پڑھی جاتی، حضرت سنتے، فرماتے پھر پڑھو دہیں سے میں نے بھی سیکھا ہے۔

بڑے حضرت رائپوری کے یہاں تو رمضان کا مہینہ دن رات تلاوت کا ہوتا، اس میں ڈاک بھی بند، اور ملاقات بھی بند، بعض مخصوص خدام کو اتنی اجازت تھی کہ تراویح کے بعد جتنی دیر حضرت سادی چائے کا ایک فنجان نوش فرمائیں اتنی دیر حاضر ہو جایا کریں۔

پنجاب کے ایک پیر صاحب کا قصہ

ارشاد فرمایا:۔ بڑے حضرت رائے پوری پنجاب کے ایک پیر صاحب کا قصہ سنایا کرتے تھے، مجھے اس وقت ان کا نام یاد نہیں، وہ بزرگ اپنے سب مریدوں کو عشاء کے بعد سلا دیتے اور ۲ بجے لات مار کر اٹھا دیتے ان کی خانقاہ میں عشاء کے بعد سے چائے پکنی شروع ہوتی اور ۲ بجے تک پکتی رہتی، اور ظاہر بات ہے کہ اتنی دیر پکنے کے بعد وہ کڑوی ہو جایا کرتی تھی، وہی لوگوں کو پلائی جاتی، تاکہ نیند نہ آئے، یہ قصہ میں نے اس لئے نہیں سنایا ہے، کہ تم لوگ اس پر عمل کرو، وہ پنجاب کے لوگ تھے جو قوی و مضبوط ہوتے تھے، اور ہم کمزور ہیں۔ البتہ حسب مقدور کوشش کرنی چاہیئے۔

حضرت اقدس کا ماہ مبارک میں تلاوت کا معمول:

ارشاد فرمایا:۔ ۳۸ھ سے ماہ مبارک میں ایک قرآن روزانہ پڑھنے کا معمول شروع ہوا تھا جو تقریباً ۸۰ھ تک رہا ہوگا بلکہ اس کے بعد تک، ابتدائی معمول یہ تھا کہ سوا پارہ جس کو عموماً حکیم اسحاق صاحب کی مسجد میں سنانے کی نوبت آتی تھی، یا میرے حضرت نوراللہ مرقدہٗ کے گھر میں اس کو تراویح کے بعد شب میں قرآن پاک دیکھ کر اور اکثر ترجمہ کے ساتھ سحر تک چار یا پانچ دفعہ پڑھتا تھا، گرمیوں کی شب میں کچھ کم، سردیوں میں کچھ زائد، اس کے بعد تہجد میں اس کو دو مرتبہ، اس کے بعد سحر کھانے کے بعد سے لیکر صبح کی نماز تک اور نماز کے بعد سونے تک ایک دفعہ پڑھتا تھا، اور پھر صبح کو سونے کے بعد اٹھ کر جو عموماً دس بجے ہوا کرتا تھا، چاشت کی نماز میں سردیوں میں ایک مرتبہ

گرمیوں میں دو دفعہ، اس کے بعد ظہر کی اذان سے ۱۵ منٹ پہلے تک ایک یا دو مرتبہ دیکھ کر، پھر ظہر کی سنتوں میں ابتداءً دو مرتبہ، اول کی سنتوں میں ایک دفعہ اور آخر کی دو سنتوں میں دوسری دفعہ اور بعد میں ہر دو سنتوں میں ایک ہی مرتبہ رہ گیا۔ ظہر کے بعد دو سنتوں میں سے کسی کو ایک مرتبہ سنانا اور پھر عصر تک موسم کے اختلافات کی وجہ سے ایک یا دو دفعہ پڑھنا۔ عصر کے بعد کسی دوسرے آدمی کو سنانا ابتداءً حضرت کی حیات تک حافظ محمد حسین صاحب اجراڑوی کو، اس کے بعد دو تین سال مولوی اکبر علی صاحب مدرس مظاہر علوم کو، اس کے بعد بہت عرصہ تک مفتی محمد یحییٰ صاحب کو، اور ان ہی کے ساتھ ان کے دونوں بھائی حکیم الیاس، مولوی عاقل بھی شریک ہونے لگے، مغرب کے بعد نفلوں میں ایک دفعہ پڑھنا اور نفلوں کے بعد تراویح تک ایک دفعہ پڑھنا۔ ۲۴ گھنٹے میں اس کی تشکیل ضروری تھی کہ ۳۰ پارے پورے ہوجائیں۔ اللہ کے انعام و فضل سے سالہا سال یہی معمول رہا، اخیر زمانے میں بیماریوں نے چھڑا دیا۔

حکیم طیب کا مقولہ کیا رمضان بخار کی طرح آتا ہے؟

ارشاد فرمایا، مجھے اپنی یکسوئی و تنہائی کا رمضان بہت آتا ہے، اس زمانے کا ایک لطیفہ یاد آگیا، میرے عزیز مخلص دوست حکیم طیب رامپوری، میرے دوسرے مخلص مولوی عامر سلمہٗ کے والد اس زمانے میں ان کی آمد و رفت بہت کثرت سے تھی، اور چونکہ بہت مختصر وقت کے لئے آتے تھے اور سیاسیات کی خبریں بہت مختصر الفاظ میں جلدی جلدی سنا جاتے تھے اس لئے ان کی آمد میں میرے یہاں کوئی پابندی نہیں تھی، ایک مرتبہ رمضان میں ۸، ۹ بجے صبح کو آئے، مولوی نصیر سے کہا، کیواڑ کھلوا دو، اس نے کہا رمضان ہے، خود زنجیر کھڑکھڑانے کا ارادہ کیا، اس نے منع کیا اور یہ بھی کہا کہ یا تو وہ سو رہا ہوگا تو نیند خراب ہوگی اور اگر اٹھ گیا ہوگا تو نفلوں کی نیت باندھ لی ہوگی، کھڑکھڑاتے رہو، اس پر وہ خفا ہوکر مدرسہ چلے گئے، راستہ میں مولانا منظور احمد صاحب ملے، انہوں نے کہا "حکیم جی تم کہاں آگئے، شیخ کے یہاں تو رمضان ہے۔" اس پر کچھ سوچ پیدا ہوا، اور نصیر پر غصہ کم ہوا، اس کے بعد حضرت ناظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہونچے، وہ ڈاک

لکھوا رہے تھے، فرمایا حکیم جی کہاں آگئے، شیخ کے یہاں تو رمضان ہے، وہاں سے اٹھ کر مفتی محمود کے حجرے میں گئے، مفتی صاحب کا قیام اس زمانے میں مدرسہ قدیم کے حجرے میں تھا۔ مفتی جی نے بھی یہی فقرہ دہرادیا۔ حکیم جی نے پوچھا، آخر رمضان میں کوئی وقت بات ملاقات کا ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ مفتی جی نے کہا، "تراویح کے بعد آدھ گھنٹہ"۔ حکیم صاحب نے کہا کہ مجھے تو رامپور واپس جانا ہے۔ تب مفتی جی نے کہا، "ظہر کی نماز سے ۱۵ منٹ پہلے تشریف لائیں گے، اس وقت مل لینا۔ یا ظہر کی نماز کے بعد گھر جاتے ہوئے راستے میں مل لینا"۔ وہ ظہر کی نماز سے پہلے مسجد میں آئے، تو میں نیت باندھ چکا تھا۔ ظہر کی نماز کے بعد میں نے پھر سنتوں کی نیت باندھ لی، بڑی دیر تک انہوں نے انتظار کیا مگر جب دیکھا کہ رکوع کا ذکر ہی نہیں ہے، اس لئے کہ اس زمانے میں سنتوں میں دو دفعہ پارہ پڑھنے کا معمول تھا، یہ دیکھ کر وہ مڑ گشت میں چلے گئے، وہ واپس آئے تو میں اپنے کمرہ میں پہونچ کر قرآن پاک سنانے میں مشغول ہوگیا تھا، وہ بہت کھٹ کھٹ کرکے اوپر چڑھے اور جاتے ہی بہت زور سے کہا "بھائی جی سلام علیکم" بات نہیں کرتا، صرف ایک فقرہ کہوں گا۔ "رمضان اللہ کے فضل سے ہمارے یہاں بھی آتا ہے۔ مگر یوں بخار کی طرح کہیں نہیں آتا"۔ سلام علیکم، جا رہا ہوں، عید کے بعد ملوں گا۔ میں نے کہا وعلیکم السلام، اور پھر قرآن سنانے میں مشغول ہوگیا۔

دوسری مجلس

۲ رمضان المبارک

حضرتِ اقدس کا پہلا سفرِ حج ارشاد فرمایا:۔ جب میں پہلی مرتبہ ۲۸ھ میں حج کے لئے روانہ ہوا، چونکہ یہ سفر حضرت اقدس سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ کی معیت میں تھا، اس لئے بمبئی تک ہر اسٹیشن پر ناشتہ والوں اور کھانوں کی کثرت تھی۔ بمبئی میں تقریباً تین سو کا مجمع تھا، راستہ میں۔ سب لوگوں کا کھانا مشترک تھا، مگر بمبئی پہنچ کر حضرت نے اعلان فرمایا، کہ اب گویا سفر حج شروع ہو رہا ہے، مشترکہ کھانے کے نظم کرنے میں دشواری ہوگی، اور فقہا نے لکھا ہے کہ حج کے سفر میں کھانے کی شرکت نہ ہونی چاہیئے۔ سب لوگ اپنی اپنی مناسبت کے ساتھی تلاش کرلیں، اور اسی لحاظ سے کھانے کا نظم کریں، میرے ایک عزیز رئیس متولی طفیل صاحب تھے، ان کے ساتھ ایک خادم ملّا عبد العزیز تھا، انہوں نے اپنے ساتھ ماموں لطیف مرحوم کو شریک کرلیا، اور یہ تینوں مجھے اپنے ساتھ شریک کرنے پر اصرار کرنے لگے، حاجی مقبول حضرت کے یہاں وہی مقام رکھتے ہیں جو میرے یہاں مولوی نصیر الدین کا ہے، حاجی مقبول کہا کرتے تھے کہ حضرت اگر میں نہ ہوں تو یہ خدام ادب آپ کے کپڑے بھی نہ چھوڑیں، حاجی مقبول جب خفا ہوتے تو حضرت تک پر اپنی خفگی کا اظہار کردیتے، میرے ساتھ بھی ان کا معاملہ یہی تھا، مگر جب مجھ سے خوش ہوتے، تو کہتے کہ میری تم سے لڑائی نہیں۔ میری تم سے صرف اس لئے لڑائی ہے کہ مولانا عبد اللطیف صاحب سے تم نے الجمۃ کلمی دد مہ کدحی کر رکھا ہے، بہر حال میں نے رئیس کاندھلہ کے ساتھ شرکت سے انکار کردیا۔ اس زمانے میں سفر حج کا

خرچ چھ سو۶۰۰ روپے ہوتا تھا، جو اس زمانے کے شاید ڈھائی ہزار کے برابر ہو، میں ٹکٹ وغیرہ لے چکا تھا، میں نے چھ سو۶۰۰ روپے اپنی جیب سے نکال کر حاجی مقبول کے حوالہ کیا، اور یہ کہہ دیا کہ اگر اس میں کمی ہوگی تو انشاء اللہ واپسی میں ادا کردوں گا. میرے پاس سامان بہت مختصر تھا. ایک تکیئے میں کپڑے وغیرہ سب رکھ لئے تھے. بمبئی سے ایک کالا کرتا جہاز میں پہننے کے لئے خرید لیا تھا، حاجی مقبول صاحب نے کہا کہ جب تم مجھ سے حساب وغیرہ نہیں لوگے تو بڑی خوشی سے ہمارے ساتھ رہ سکتے ہو۔ بلکہ اگر تمہاری رقم حضرت کے سامان وغیرہ کے قلی میں خرچ ہوگی، تو بھی تمہیں خوشی ہوگی، میں نے کہا بالکل، مجھے حساب وغیرہ نہیں چاہیئے، اگلے دن حضرت نے فرمایا، کہ بھائی سب لوگوں کا انتظام ہوگیا، تو ماموں لطیف نے کہا کہ حضرت سب کا ہوگیا ہے، سوائے مولوی زکریا کے وہ آپ ہی کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں میں نے عرض کیا، حضرت میں نے حاجی مقبول کے ساتھ جانا طے کیا ہے حضرت نے فرمایا، اچھا وہ کیسے راضی ہوگئے. حضرت نے اس پر بہت مسرت کا اظہار فرمایا۔

حضرت اقدس مع اپنے خدام کے جہاز سے روانہ ہوئے اور ۱۰ ار رمضان المبارک کو مکہ مکرمہ پہنچے وہاں پر حضرت کی اکثر دعوت ہوا کرتی تھی. البتہ وہاں کا ہدیہ جب حضرت کے پاس کوئی لاتا. اگر معمولی چیز ہوتی تو ہم لوگوں کو عنایت کردیتے اور اگر وہ مجیدی تک کا ہوتا تو اس کے پھل وغیرہ منگواکر تقسیم کرادیتے. اور اگر بڑا ہدیہ ہوتا تو وہاں کے کسی آدمی کو ہدیہ کردیتے، ایک روز وہاں دعوت ہوئی، حاجی جی نے سب کو اطلاع کردی، مگر گھر میں اطلاع کرنا بھول گئے، گھر میں بھی کھانا پک گیا، جب دعوت کا کھانا آیا تو حاجی مقبول ہم لوگوں پر بہت بگڑے کہ تم لوگوں نے کھانا پکانے سے کیوں نہیں منع کیا، اماں جی بھی خفا ہوئیں، حضرت نے کچھ نہیں فرمایا. ہم لوگوں نے مغرب کے بعد کچھ گھر کا کھانا کھایا اور کچھ دعوت کا. حضرت نے دوسرے لوگوں کو دے دیا. مگر پھر بھی تھا. سحری جب ہم لوگ کھانے کے لئے دسترخوان پر بیٹھے تو پہلے دعوت کا کھانا کھایا، اس کے بعد ہم نے بار بار گھر کا کھانا منگوایا. اندر سے کھانا آتا رہا. بالآخر سب ختم ہوگیا. اماں جی کو تعجب ہوا کہ کھانا کون کھا رہا ہے، کوئی باہر سے مہمان تو نہیں آگیا۔

جب حضرت کو اس قصے کا علم ہوا تو فرمایا، معلوم ہوتا ہے کہ روزانہ ہمارے بچے بھوکے رہتے

ہیں. میں نے عرض کیا، حضرت ہم روزانہ خوب کھاتے ہیں کبھی زیادتی ہوجاتی ہے، وہ میرا جوانی کا زمانہ تھا، اب ہم کھانے پینے کے نہیں رہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "آپ بیتی" ۲۲۰

حضرت سہارنپوریؒ کے بارے میں مولانا محب الدین صاحبؒ کا ارشاد

ارشاد فرمایا:۔ مولانا محب الدین ولایتی اعلیٰ حضرت حاجی صاحب کے خاص خلفاء میں تھے، اور صاحب کشف تھے۔) مولانا ظفر احمد تھانوی فرماتے ہیں کہ میں ان کے پاس حرم میں بیٹھا ہوا تھا مولانا اس وقت درود شریف کی کتاب کھولے ہوئے اپنا درد پڑھ رہے تھے، کہ دفعۃً میری طرف مخاطب ہوکر فرمایا، اس وقت حرم میں کون آگیا، کہ دفعۃً سارا حرم انوار سے بھر گیا، میں خاموش رہا کہ اتنے میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ طواف سے فارغ ہوکر باب الصفا کی طرف سعی کے لئے چلے تو مولانا محب الدین کے پاس آئے کہ وہی جگہ مولانا کی نشست کی تھی مولانا کھڑے ہوگئے اور ہنس کر فرمایا، میں بھی تو کہوں کہ آج حرم میں کون آگیا، یہ کہہ کر مصافحہ کیا، اور معانقہ ہوا، اور سعی کے لئے آگے بڑھ گئے، مولانا محب الدین اپنی جگہ پر بیٹھ گئے اور مجھ سے فرمایا، کہ میاں ظفر مولانا خلیل احمد صاحب تو نور ہی نور ہیں ان میں نور کے سوا کچھ نہیں ۔

مولانا محب الدین صاحب کا ایک کشف

ارشاد فرمایا:۔ ۱۳۳۸ھ میں جب میرا پہلا سفر حج حضرت سہارنپوری کے ساتھ ہوا، تو اس سفر میں مولانا محب الدین صاحب باحیات تھے۔ حضرت سہارنپوری سے معانقہ کرتے ہوئے فرمایا۔ مولانا آپ یہاں کہاں آگئے ہیں یہاں تو قیامت کبریٰ قائم ہونے والی ہے۔ فوراً رمضان کے بعد ہندوستان واپس لوٹ جاؤ کیونکہ شریف حسین کے بعد ابن سعود کا وفد آنے والا تھا، حضرت اقدس نے ہم خدام سے فرمایا کہ میں تو مدینہ پاک میں قیام کے ارادے سے آیا تھا مگر مولانا محب الدین صاحب اس کو سختی سے منع کرتے ہیں. میری تو مدینہ پاک حاضری کئی مرتبہ ہو چکی ہے، تم لوگوں کا پہلا حج ہے، نہ معلوم پھر حاضری ہو نہ ہو، اس لئے تم لوگ ہو آؤ۔

فرمایا:۔ وہ زمانہ اس قدر بدامنی کا تھا کہ حج سے پہلے کچھ لوگ حاضر ہوئے اور حج کے بعد

تو بہت ہی قلیل، نہ جانیں محفوظ تھیں نہ مال، شریف حسین کی حکومت کا اثر مکہ کی چہار دیواری سے باہر نہ تھا، قتل وغارتگری عام تھی، مدینہ پاک میں صرف تین دن قیام کی اجازت تھی اس سے زائد اگر کوئی ٹھیرے تو فی یوم ایک گنی (اشرفی) اپنے بدو کو دے، بشرطیکہ وہ بھی اس پر راضی ہو۔

مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ کا پُر خطر سفر

ارشاد فرمایا: ہم چند خدام حضرت اقدس کی برکت اور اللہ تعالیٰ کے فضل وانعام سے انہیں خطرات میں اولاً سمندر کے کنارے کنارے اور اس کے بعد جبل غائر کی گھاٹیوں میں چھپتے ہوئے روانہ ہوئے۔ اس سفر کی داستان بہت طویل ہے اور اللہ کے احسانات قدیمہ جو ہمیشہ اس ناکارہ پر رہے ہیں اس کا ایک کرشمہ وہ سفر بھی تھا، راستے میں حضرت نے ہمارے قافلے کا "الائمۃ من قریش" کے پیش نظر مجھے امیر بنایا تھا اور ہم لوگوں کو آمد ورفت اور تین دن قیام کا حساب لگا کر معمولی پیسے دیدیئے اور بقیہ رقوم سب رفقاء کی مکہ مکرمہ میں حاجی علی جان کی دکان پر جمع کرادی تھی، اس سفر میں ہمارے قافلے میں بعض لوگ شکاری بھی تھے، جو شکار کرتے تھے، اور اس کو پکاتے تھے کبھی دنبہ بھی خرید لیتے تھے، البتہ ہمارے ساتھی کھچڑی پکاتے تھے۔ میرا دستور یہ تھا، کہ ہر منزل پر اتر کر میں پورے قافلے کا گشت کرتا، اور خبر گیری کرتا، یہ لوگ کھانا پکاتے، تین چار دن کے بعد ماموں لطیف کو دلچسپی سوجھی، انہوں نے کہا کہ یہ امیر صاحب اِدھر اُدھر گھومتے ہیں۔ اب انہیں کھچڑی پکانی ہے۔ مولانا منظور احمد خاں صاحب نے کہا، کہ یہ امیر قافلہ ہیں مگر ماموں لطیف کا اصرار تھا۔ میں نے دیگچی میں پانی بھر دیا۔ اور دو ڈوئی میں نمک ڈالنے کے لئے اٹھایا، اس پر ماموں لطیف بہت خفا ہوئے، اور چلا کر کہا کہ "ارے یہ کیا کر رہے ہو"؟ ہمارے قافلے میں ایک سہارنپور کی بڑھیا عورت اور اس کا شوہر تھا۔ وہ عورت یہ سب سن رہی تھی، اس نے کہا، کہ تم لوگوں کو پکانا آتا ہے، انہیں نہیں آتا، اس پر ماموں لطیف اور خفا ہوئے، بڑھیا نے کہا ان کی طرف سے میں کھانا پکا دوں گی۔ اس پر اور زیادہ برہم ہوئے، کہ ہماری باری کیوں نہیں کہا؟ قافلے میں کچھ پٹھان بھی تھے، وہ آئے اور انہوں نے کہا کہ "شیخ کھچڑی پکائیں گے، ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، یہ ہمارے ساتھ کھانا کھائیں گے"۔ اسی طرح مراد آباد، کانپور وغیرہ کے حضرات

نے بھی دعوتیں دیں اور کہا کہ حضرت نے ان کو امیر بنایا ہے، یہ کھانا نہیں پکائیں گے۔ بفضلِ تعالےٰ راستہ بھر گوشت ہی کھایا، کھچڑی کھانے کی نوبت نہیں آئی۔

ارشاد فرمایا:۔ چونکہ میں عربی جانتا تھا، تمام قافلے والوں کی طرف سے بدؤں کی میں ترجمانی کرتا تھا، میرا بدو (حمال) تو گویا مجھ پر عاشق ہو گیا تھا، ایک مرتبہ مجھے کانٹا چبھ گیا۔ تو وہ بہت پریشان ہوا، اور کہا "یہ کانٹا تمھارے پیر میں نہیں میرے دل میں چبھا ہے"! اور وہ اپنے پیسے راستے میں میرے پاس جمع کرتا تھا۔ مگر جب یہ بدو حرم مکہ میں پہونچے، تو چونکہ قافلے والے ان سے تنگ تھے اس لئے موقع پاکر ان کو ایسا بھگایا، کہ میرے بدو کے کچھ پیسے بھی میرے پاس رہ گئے، جس کو میں نے مدرسہ صولتیہ میں داخل کر دیا۔

مدینہ منورہ میں تین دن کے بجائے ایک چلہ قیام کی غیبی صورت

ارشاد فرمایا:۔ اللہ تعالےٰ کے احساناتِ تذکیہ "وَاِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا" کی ایک مثال یہ ہے، کہ تین دن کے بجائے مدینہ پاک میں ایک چلہ قیام کی حق تعالیٰ نے صورت پیدا فرما دی، مدینہ منورہ پہونچ کر تعب و تکان کی وجہ سے ہمارے حمال کا ایک اونٹ مر گیا، نہ تو حمال کے پاس اتنے دام تھے کہ وہ اونٹ لے سکے اور نہ ہم لوگوں کے پاس اتنا تھا، کہ وہ ہم سے قرض لے سکے، اس لئے وہ حمال جب کہتا کہ مجھے قرض دے دو، کہ میں اونٹ خریدوں تو ہم لوگ کہتے تو اگر قرض دے تو ہم لوگ اپنے کھانے کا انتظام کریں۔ جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے۔ کہ ہم لوگ تین روز کا خرچ لائے تھے۔ غرض وہ بیچارہ اللہ اس کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ وہ غریب ہمیشہ اپنی تاخیر و تقصیر پر معذرتیں کرتا رہا۔ رفقا میں سے کبھی کبھی کوئی شخص امیر مدینہ سے جاکر شکایت کر دیتا، امیر مدینہ بھی معذرت کے ساتھ صبر کی تلقین فرماتے اور بدو کو ڈانٹ پلاتے۔

روضۂ پاک پر درخواست اور واپسی کی غیبی صورت

ارشاد فرمایا:۔ اس طرح جب چالیس روز ہو گئے، تو میں نے جاکر روضۂ پاک پر عرض کیا

کہ حضرتؒ ہم میں کئی حضرات بحج بدل پر آئے ہیں۔ انہیں دشواری ہورہی ہے، چنانچہ شام کو ہمارے بدو کو ایک اونٹ مل گیا، اور ایک صاحب میرے پاس آئے، اور کہا کہ کل سے مولانا شیر محمد صاحب تم کو تلاش کررہے ہیں، ان سے صرف یہ پہچان تھی کہ وہ حضرت اقدس تھانوی نوراللہ مرقدہٗ کے خلفار میں سے تھے، اور میں مولانا یحییٰ صاحب کا صاحبزادہ، چنانچہ حرم میں ملاقات ہوئی، انہوں نے فرمایا، کہ تمھارے قافلے کے بارے میں یہاں شہرت ہے کہ ہندوستان کے فقیروں کا ایک قافلہ یہاں پڑا ہوا ہے، ہمارا قافلہ امیروں کا شمار ہوتا ہے، اس لئے مجھے تمھاری تلاش تھی، کیونکہ ہمارے ساتھیوں کے پاس پانچ سو گنیاں ہیں۔ ساتھ لے جانے میں خطرہ ہے، اس لئے آپ اپنے ساتھ لے جائیں۔ آپ کے قافلے سے کوئی تعرض نہیں کرے گا۔ کیونکہ وہ فقرار کے قافلے سے مشہور ہوچکا ہے، میں نے ان سے عرض کیا کہ تکیہ میں چاقو مار کر دیکھتے ہیں، اس لئے ساتھ لے جانا دشوار ہے۔ جب انہوں نے بہت اصرار فرمایا تو میں نے کہا۔ میں ان کو لے جاؤں گا، مگر شرط یہ ہے کہ آپ ان کے روپے بنا کر مجھے دیدیں۔ اور ساتھ ہی ہم کو اجازت دیں کہ ہم ان کو خرچ کرسکتے ہیں۔ ہندوستان پہونچ کر چار مہینے میں یہ رقم انشاراللہ آپ کو ادا کردیں گے، دوسری شرط یہ ہے کہ حضرت اقدس کو اس کی خبر نہ ہو، چنانچہ وہ ان گنیوں کے سات ہزار بنا کر لائے، میں اس رقم کو لے کر اپنے قافلے میں آیا۔ اور اعلان کیا کہ اگر کسی کو ضرورت ہو تو مجھ سے قرض لے لے، لوگوں کو تعجب ہوا کہ مدینہ پاک میں مذاق؟ جب میں نے روپے دکھائے، تو یقین آیا، میں نے اپنے ساتھیوں کو دو شرط کے ساتھ قرض دیا، ایک یہ کہ حضرت کو خبر نہ ہو، دوسرے یہ کہ ہندوستان پہونچ کر دو مہینے کے اندر یہ رقم مجھے ادا کردی جائے "تاکہ میں حسب وعدہ وہ رقم مولانا شیر محمد صاحب کو واپس کردوں، الحمدللہ ہندوستان آکر وہ رقم ادا کردی۔ مدینہ پاک میں اس زمانے میں کسی سے جان پہچان نہیں تھی، حضرت مولانا سید احمد مدنی صاحبؒ سے جان پہچان تھی، مگر ان کے خاندان کا مدینہ پاک سے اخراج ہوا تھا، اور حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ مالٹا میں قید تھے۔

ارشاد فرمایا:۔ میرے دوستو! اللہ سے مانگو، خوب مانگو، دینے والا وہی ہے۔

ایک استفتاء فرمایا، علماء کرام! تم لوگوں سے میں خفا ہوں، جب میں کوئی بات کرتا ہوں، تو تم ٹوکتے کیوں نہیں؟ جب حضرت شاہ اسمٰعیل شہید صاحبؒ حضرت سید احمد شہیدؒ کو ٹوک سکتے ہیں، تو تم مجھے کیوں نہیں ٹوکتے؟۔ یہ سفر مدینہ کا ذکر آیا، اس میں تفاخر نہیں؟ حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب مدظلہ نے عرض کیا، نیت پر موقوف ہے، تحدیث النعمت کے طور پر جائز ہے،

جمل حسیر کا مطلب ارشاد فرمایا:۔ اس سفر میں میں نے دیکھا کہ بدو اونٹ کے چلتے چلتے اس کے خصیتین پر ہاتھ لگاتا ہے، میں نے اس سے اس کی مصلحت دریافت کی، تو اس نے کہا کہ اونٹ چلتے چلتے حسیر ہوجاتا ہے، وہ کسی کام کا نہیں رہتا، چنانچہ سنن ابی داؤد میں "باب من احیٰ حسیراً" جلد ۴ صفحہ ۲۹۴ ہے، راستے میں ایک اونٹ کو میں نے دیکھا کہ ویسے ہی کھڑا ہے، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ حسیر ہوگیا ہے، گویا تپ دق کا آخری درجہ ہے۔ کھڑے کھڑے مر جائے گا۔ اس کی علامت خصیتین پر ظاہر ہوتی ہے، ان پر ورم آجاتا ہے، اسی کو معلوم کرنے کے لئے بدو ہاتھ لگاتا تھا۔

حضرت سہارنپوریؒ کی نماز ارشاد فرمایا:۔ اس سفر حج میں ہمارا رمضان جہاز سے شروع ہوگیا تھا۔ اس لئے قرار یہ پایا، کہ آدھا پارہ حضرت تراویح میں پڑھا کریں گے، اور پون پارہ میں پڑھوں گا۔ مجھے کبھی جہاز میں چکر آتا تھا، اور مجھ سے زیادہ حضرت کو آتا تھا، ۷، ۸، دن لگے تھے، مگر حضرت کو کہاں سے قوت آجاتی تھی کہ پوری نماز نہایت سکون سے کھڑے ہو کر ادا فرماتے، اور فراغت کے بعد بیٹھنا مشکل تھا۔

حضرت رائپوری کے ۴۵ھ کے سفر حج کا ایک قصہ ارشاد فرمایا:۔ ہمارے حضرت اقدس رائپوریؒ نے ۴۵ھ میں سفر حج کیا، میں اس زمانے میں حضرت سہارنپوری کے ساتھ حجاز مقدس حاضر ہوا تھا، تو حضرت اقدس رائپوریؒ نے فرمایا کہ آٹھ مہینے سے تم سے ملاقات نہیں ہوئی، اس لئے یہ سفر میں نے تم سے ملاقات کے لئے کیا ہے،

چنانچہ ۱۶؍ ذلیقعدہ ۱۳۴۵ھ کو مدینہ منورہ سے حضرت رائپوری کی میرے ہی ساتھ مکہ معظمہ کو واپسی ہوئی، اس سفر میں بھی "الائمۃ من قریش" کہہ کر مجھے امیر قافلہ بنایا گیا، حضرت کے خدام آپ کا شغدف اچھی طرح باندھتے تاکہ سفر میں راحت رہے، ایک شریک قافلہ رئیس کو اس بات کی شکایت رہتی کہ ان کا شغدف اچھی طرح نہیں باندھا جاتا، ان کے بار بار شکایت کرنے پر میں نے بحیثیت امیر کے حکم دیا، کہ وہ حضرت کے شغدف میں سوار ہوں، اور حضرت ان کے شغدف میں، حضرت تو اپنے شغدف سے فوراً اتر گئے۔ ان رئیس صاحب نے اترنے سے انکار کر دیا، اس پر میں نے کہا کہ پھر حضرت پیدل چلیں گے، حضرت نے بخوشی منظور کر لیا، اور پیدل روانہ ہو گئے، رئیس نے بڑی معذرت کی، اور بڑے اصرار سے آپ کو سوار کیا، پھر شکایت نہیں کی۔

حجاج کے مادی سوغات لانے پر اظہارِ ناپسندیدگی: ارشاد فرمایا: کہ حجاج میرے لئے جو مادی چیزیں مصلیٰ وغیرہ لاتے ہیں، وہ مجھے پسند نہیں، یہ چیزیں کارخانوں سے بن کر آتی ہیں اور صندوق میں بند رہتی ہیں، شاید ہی مکہ و مدینہ کی ہوا لگی ہو، حج کو جانے والوں سے میں یہ کہا کرتا ہوں کہ میرے لئے کوئی چیز نہ لاؤ، اگر تمھیں محبت ہے، تو حج وعمرہ لاؤ، حق تعالیٰ قبول فرمائے، عمرے کی تعداد قریباً ایک لاکھ اور حج کی تعداد ایک ہزار تک پہونچ چکی ہوگی جو میرے دوستوں نے میری طرف سے کئے ہیں۔ اسی رمضان المبارک میں بیس پچیس عمرے کی اطلاع آئی ہے۔ یہی حال قربانیوں کا ہے۔ ارشاد فرمایا، اپنے محسنوں کے احسانات پر ان کے لئے دعائیں کرو، حدیث میں آیا ہے کہ محسن کے لئے "جزاک اللہ خیراً" کہا کرو، اللہ کے برابر کون بدلہ دے سکتا ہے، یہ میری وصیت بھی ہے اور نصیحت بھی، کہ اپنے محسنوں کے لئے دعا کیا کرو، ہم بغیر سوال کے صورتِ سوال بنے ہوئے ہیں۔

ارشاد فرمایا۔ کھجور، زمزم کے سوا اور کوئی چیز مجھے پسند نہیں، میں جب بھی حجاز مقدس حاضر ہوا، تو اپنے گھر والوں کے لئے وہاں سے کپڑے وغیرہ کے قسم کی کوئی چیز نہیں لایا، مولانا یوسف صاحبؒ کے ساتھ جب وہاں حاضری ہوئی تو مسجد نبوی میں ان کی تین چار گھنٹے تقریریں روزانہ

ہوتی تھیں، میں بھی اس میں بیٹھتا تھا، محبت وخوشی سے نہیں بلکہ استفادہ کی نیت سے، اس سفر میں مرحوم نے یکدم بہت ترقی کی، اور بہت اونچی اڑان اڑا، وہاں کی نشست میں مسجد نبوی کے کبوتروں کے پروں کو جمع کیا کرتا تھا، اور انھیں کو یہاں بطور تحفے کے لایا تھا، اور اس کے بعد کے سفر میں حدیبیہ وجبل احد کے آس پاس سے کچھ پتھر لایا تھا، خدام سے کہہ دیا تھا کہ ان کو اپنے بکسوں میں ڈال لو، مواجہ شریف کے سامنے نالی بن رہی تھی، وہاں کی مٹی اٹھا کر لایا تھا، حاجی یعقوب (بمبئی) کو بھی ایک تھیلی بھیجی تھی یہاں آکر اپنے دوستوں کو بھی دی تھی،

ارشاد فرمایا:- حضرت اقدس رائپوری جب پہلی مرتبہ کراچی سے دلی ہوائی جہاز پر تشریف لائے، تو ملاقات کے وقت فرمایا، جب میرا ہوائی جہاز پر بیٹھنا ہوا تو جی چاہا کہ آپ بھی ایک مرتبہ ہوائی جہاز پر سفر کریں، پاکستان کے لئے آپ منظور نہیں کریں گے۔ اس لئے اب سوچا ہے کہ آپ کے ساتھ حجاز مقدس کا سفر کریں گے، چنانچہ سفر کا انتظام کیا گیا، لیکن اس سال ہندوستان میں کالرا پھیلنے کی شہرت کی وجہ سے دوسرے ملکوں سے قرنطینہ کے سخت احکام نافذ کر دیئے گئے تھے، اس کی وجہ سے ہوائی جہاز سے سفرِ حجاز بند ہوگیا، اس لئے میں نے تو ملتوی کر دیا، البتہ حضرتِ اقدس مع اپنے خدام کے تشریف لے گئے، جب واپس تشریف لائے، تو حضرت فرمانے لگے، جانے سے واپسی تک یہ سوچتا رہا کہ تمھارے لئے کوئی ایسی چیز لے جاؤں جس سے تم کو خوشی ہو بہت سوچ کر مسجد نبوی سے تمھاری نیت سے عمرہ کا احرام باندھا، میں نے عرض کیا کہ حضرت اس پر میرے ہزاروں عمرے قربان اس کے بعد میری نیت سے حج وعمرے کی کثرت ہوگئی، (مولانا) علی میاں کا مستقل دستور رہے، جیسا کہ انھوں نے لکھا کہ "جب طواف شروع کرتا ہوں، تو پہلا آپ کی طرف سے کرتا ہوں"، ایک صاحب آئے وہ سنا گئے، کہ انھوں نے میری نیت سے اسی عمرے کئے۔

قدوائی صاحب سابق سفیرِ ہند برائے حجاز کا مکتوب

قدوائی صاحب کی ملازمت حج سے چار ماہ پیشتر ختم ہو رہی تھی، حضرت کو دعاؤں کے لئے خط لکھا تھا۔ بفضلِ تعالےٰ حضرت کی دعا کی برکت سے ایک سال کی توسیع ہوگئی، انھوں نے اپنے خط میں

لکھا تھا کہ "میری تمنا ہے کہ ایک سال میں اور یہاں رہ جاؤں، تاکہ حج کے موقع پر آپ کی خدمت کر سکوں"
ارشاد فرمایا:۔ اس سے پہلے سفر حج ۱۳۸۶ھ میں عزیز سعدی وغیرہ نے کوشش کر کے رات کو ۲ بجے گاڑی سے طواف کی اجازت دلائی تھی، جب میں مطاف میں ہوتا تو لوگوں نے بتایا کہ قدوائی صاحب بھی روزانہ یہاں رہتے ہیں، وہاں تو وہ ملے نہیں، البتہ یہاں آنے کے بعد ان کا خط آیا، تو میں نے جواب میں لکھا یا، مجھے آپ کا رات کا طواف یاد ہے۔

تیسری مجلس

۳ رمضان المبارک

حضرت رائپوریؒ کا ایک مجاہدہ

ارشاد فرمایا:۔ ابتداء میں تھوڑے مجاہدے ضرور برداشت کرنا پڑیں گے۔ سوانح حضرت اقدس رائپوریؒ میں یہ واقعہ لکھا گیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا کہ سردی کا موسم تھا، میرے پاس کوئی کپڑا اوڑھنے بچھانے کے لیے نہیں تھا، شام کو مغرب سے لے کر عشاء تک وضو کے لئے جہاں پانی گرم ہوتا تھا وہیں بیٹھا رہتا تھا۔ اور اپنا وظیفہ پڑھتا رہتا تھا، پھر نماز عشاء کے بعد مسجد کے دروازے بند کر کے مسجد کی چٹائی لپیٹ لیتا تھا، مگر اس میں بھی پاؤں اور سر کی طرف سے ہوا آتی تھی۔ پھر تھوڑی دیر اس چٹائی میں رہ کر اس سے باہر نکل آتا تھا، اور ذکر شروع کر دیتا، اور ساری رات ذکر کی گرمی سے گزارتا، اسی طرح سارا موسم سردی گزر گیا، مگر اس کے بعد کوئی سردی ایسی نہیں آئی جس میں کم از کم ایک رضائی نئی نہ آتی ہو چنانچہ ہر سال حضرت نہایت عمدہ عمدہ لحاف مجھے ضرور عنایت فرماتے، میں اپنی لڑکیوں میں سے کسی کو دے دیتا تھا۔

ارشاد فرمایا:۔ ہمارے حضرت اقدس رائپوری نور اللہ مرقدہٗ نے ایک مرتبہ پیران کلیر چلہ کھینچنے کا ارادہ کیا اور چپکے سے وہاں سے تشریف لے گئے، وہاں مراقبہ میں بیٹھے تو معلوم ہوا، اپنا اپنا کرنا اور اپنا اپنا بھرنا، فرمایا جب ایسا ہی ہے، تو گھر ہی پر کیوں نہ کروں، چنانچہ واپس تشریف لائے فرمایا بھائی گھر کے مشاغل فرصت نہیں دیتے۔

چچاجان کا مجاہدہ

ارشاد فرمایا :۔ میرے بچپن کا واقعہ ہے کہ جب میرے چچا جان (بانی تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہٗ) کی نوجوانی کا عالم تھا۔ ان پر مجاہدات سلوک کا بہت زور تھا، گنگوہ میں خانقاہ قدوسیہ کے پیچھے ایک مختصر آب حجکی تھی اس میں ایک بوریئے پر آنکھ بند کئے ہوئے دوزانوں بیٹھے رہا کرتے تھے۔ میری فارسی اس زمانے میں شروع کرائی تھی، میں کتاب پڑھتا، جہاں انہیں کچھ کہنا ہوتا، انگلی کے اشارے سے فرماتے۔ اگر عبارت سمجھ میں نہ آتی تو کتاب بند ہو جاتی، میں نے اپنے والد صاحب کا اصول تعلیم بیان کیا تھا، کہ شاگرد کا کام حل کرنا، اور استاد کا سننا ہے اس زمانے میں چچا جان فرماتے کہ اگر تم چھ مہینے خاموش رہو، تو میں تم کو ولی بنا دوں۔

لب ببند و چشم بند و گوش بند
گر نہ بینی سرِ حق بر ما بخند
(رومیؔ)

یہ تین کام کرلو حقیقت نظر آئے گی۔

اس زمانے میں چچا جان کو جو کی روٹی کا اتباع سنت میں کھانے کا شوق ہوا، اور ان کے ساتھ ہم نے بھی زور دکھلائے۔ تقریباً چھ مہینے تک چچا جان کا دستور رہا۔ اس کے بعد کسی بیماری کی وجہ سے حکیم نے منع کر دیا۔

ارشاد فرمایا :۔ میرے چچا جان نے ایک مرتبہ مجھے خط لکھا، اس میں تحریر فرمایا کہ کئی دن سے ایک ضروری خط لکھنا چاہتا تھا، مگر لفافے کے لئے پیسے نہیں۔

ارشاد فرمایا :۔ چچا جان کا نظام الدین میں جب پیری کا دور شروع ہوا تو ماموں لطیف مرحوم ایک رمضان میں نظام الدین حاضر ہوئے، خیال ہوا کہ خوب کھانے کو ملے گا جب افطار کا وقت آیا تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا، افطار کے وقت چچا جان نے گولر منگوا کر دیئے اور مغرب کی نماز کے بعد عشاء تک نوافل میں مشغول ہو گئے اور عشاء کے بعد تراویح پڑھ کر سو گئے۔ ماموں لطیف بے چارے افسوس میں رہے کہ بھائی جی کے یہاں کھانے پینے کا کوئی ذکر ہی نہیں، سحری کے وقت بھی وہی دو چار گولر آئے صبح ہوئی ماموں لطیف نے کہا میں دلی جانا چاہتا ہوں۔ چچا جان نے اصرار سے روک لیا۔ چنانچہ شام کو کہیں سے ایک دیگ پلاؤ کی آگئی، بلا کر ماموں لطیف کو کھلایا، مجاہدے دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک اضطراری اور

دوسرا اختیاری، دوسرا زیادہ اہم ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کا مجاہدہ ارشاد فرمایا: میرے چچاجان کے زمانے میں مولوی یوسفؒ نے بھی بڑے مجاہدے کیے اور مشغول رہا اور محنت کی، ان مجاہدوں کا ثمرہ اس کی زندگی میں خوب ظاہر ہوا، چچا جان کے زمانے میں دہلی کے احباب کا بہت اصرار تھا کہ صاحبزادے سلمہ کو شادی میں ضرور لائیں، مگر مرحوم اپنے طلب علم میں اس قدر منہمک تھا کہ اس کو یہ حرج ناگوار معلوم ہوتا تھا، بسا اوقات اس کی نوبت آئی کہ ان اوقات میں میرا دہلی جانا ہوا تو عزیز مرحوم مجھ سے جاتے ہی وعدہ لے لیتا، بھائی جی فلاں جگہ جانے کو نہ کہیں، چچاجان مجھ سے ارشاد فرماتے، یوسف کو بھی ساتھ لے لیجیو! تو میں یہ معذرت کرتا کہ اس نے آتے ہی مجھ سے یہ وعدہ لے لیا ہے کہ میں نہ کہوں۔

تقویٰ کسے کہتے ہیں ایک صاحب نے تقویٰ کے بارے میں دریافت کیا اس پر حضرت اقدس مدفیوضہم نے اپنے اکابر کے چند واقعات سنائے۔

ارشاد فرمایا:۔ مرحیم بخش صاحب دارالعلوم دیوبند کے ممبر تھے اور مظاہر علوم کے بھی سرپرستوں میں تھے، دونوں جگہوں پر موثر۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ تمہارے ان مدرسوں میں کھانے پینے کی جو احتیاطیں تھیں وہ تو جاتی رہیں، جو چاہو کھلادو۔

حضرت مولانا مظفر حسین صاحبؒ کاندھلوی کے تقویٰ کا اثر ہمارے خاندان میں بہت رہا ہے۔ تورع وتقویٰ ان کا خاص جوہر تھا، مشہور ومسلّم بات تھی کہ ان کے معدے نے کبھی کوئی مشتبہ چیز قبول نہیں کی، یہ حضرت شاہ اسحٰق صاحبؒ کے شاگرد تھے، زمانہ طالب علمی میں یہ صرف بازار کے ہوٹلوں سے روٹی خریدتے اور سالن نہیں لیتے، اس کی وجہ یہ تھی کہ دہلی کے اکثر سالنوں میں کھٹائی پڑتی تھی، دریافت کرنے پر فرمایا، آموں کی بیع دتی میں قبل از وقت ناجائز طریقے پر ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ مولانا نواب قطب الدین صاحب مظاہر حق نے اکابر مولانا شاہ اسحٰق صاحب، مولانا یعقوب صاحب اور مولانا مظفر حسین صاحب وغیرہ کی دعوت کی، ان سب حضرات نے منظور

فرمائی، لیکن مولانا مظفر حسین صاحب نے جانے سے انکار کر دیا، اس سے نواب قطب الدین خاں کو ملال ہوا، انہوں نے شاہ اسحٰق صاحب سے شکایت کی کہ میں نے مولوی مظفر حسین صاحب کو بھی دعوت دی تھی مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ شاہ صاحب نے مولوی مظفر حسین صاحب پر عتاب فرمایا، ارے مظفر حسین! تجھے تقویٰ کی بدہضمی ہوگئی ہے، کیا نواب قطب الدین صاحب کا کھانا حرام ہے؟ انہوں نے فرمایا، حاشا وکلاّ، مجھے نواب صاحب پر اس قسم کی بدگمانی نہیں ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا، پھر تو کیوں انکار کرتا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یہ مقروض ہیں اور جتنا یہ خرچ کریں گے وہ ان کی حاجت سے زائد بھی ہے تو یہ روپیہ وہ اپنے قرض میں کیوں نہیں دیتے ایسی حالت میں ان کا کھانا کراہت سے خالی نہیں۔

ارشاد فرمایا:۔ مولوی زبیر کا کراچی سے خط آیا کہ میں نے مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا تھا کہ جب کھانا مشکوک ہو تو دعا کہاں سے قبول ہوگی، ہم لوگ مدرسہ کے ملازم ہیں چندہ کا روپیہ آتا ہے جو مشکوک ہوتا ہے، اس لئے میں نے ملازمت کے ترک کرنے کا ارادہ کر لیا ہے، میں نے جواب لکھا یا کہ ایسا ہرگز ہرگز نہ کرنا، اب تجارت کہاں پاک رہی، مولانا مظفر حسین صاحب ایک مرتبہ مولوی نور الحسن صاحب کے پاس تشریف لے گئے، انہوں نے کچھ دام اپنے صاحبزادے مولوی محمد ابراہیم کو دیئے کہ خود جا کر ان کا سامان کھانے کے لیے لا دیں، تاکہ گڑبڑ نہ ہو، کھانا تیار ہوا، اس میں شیرینی بھی تھی، جس کے کھاتے ہی قے ہوگئی، مولوی نور الحسن صاحب بہت پریشان ہوئے، تحقیق کیا تو معلوم ہوا جو دودھ مولوی محمد ابراہیم صاحب لائے تھے وہ گر گیا تھا، پھر دودھ باورچی حلوائی کے یہاں سے وا رمیں لے آیا تھا۔

ارشاد فرمایا:۔ "بی امۃ الرحمٰن" جو مولانا مظفر حسین صاحب کی صاحبزادی تھیں جن کو عام طور سے خاندان میں "اَنی بی" کے نام سے یاد کرتے تھے، ایک رابعہ سیرت بی بی تھیں، دن بھر مصلے پر رہا کرتی تھیں، ان کے دو صاحبزادے تھے، مولوی شمس الحسن صاحب، رؤف الحسن صاحب جو مولوی احتشام کے والد ہیں، ماموں رؤف الحسن حضرت اقدس رائپوریؒ سے اور ماموں شمس الحسن صاحب میرے

حضرت سے بیعت تھے۔ ماموں شمس الحسن آبکاری کے داروغہ تھے، ان کی باتیں بھی عجیب تھیں، اپنے افسروں سے لڑا کرتے تھے مگر رشوت کا کوئی پیسہ نہیں لیتے تھے ایک مرتبہ ایک بڑے افسر نے ان سے کہا کہ میں تمہاری تنخواہ میں اضافہ کرنا چاہتا ہوں، غالباً دو ستو کے چارستو کرنا چاہتا تھا، انہوں نے فرمایا کہ میری تنخواہ بہت زائد ہے۔ کیونکہ میرے سوا اس تنخواہ کا ایک پیسہ بھی میرے خاندان کا کوئی فرد استعمال نہیں کرتا، حتیٰ کہ میری بیوی بھی میرے پیسے کو استعمال نہیں کرتی چنانچہ ان کے چچا مظفر نگر سے بہلی کر کے ان سے ملاقات کے لئے جاتے اور شام تک واپس چلے آتے اور یہ فرماتے کہ تمہارے سوا اور کسی کے یہاں ٹھیرنا مناسب نہیں اور تمہارے یہاں کھانا کھا نہیں سکتا۔

مولوی رؤف الحسن صاحب وکیل تھے مگر ان کی آمدنی کو خاندان کا کوئی فرد استعمال نہیں کرتا تھا، اب تو ہم مولویوں نے سب جائز بنا رکھا ہے، مولوی رؤف الحسن صاحب اچھے حافظ قرآن بھی تھے، ایک مرتبہ کاندھلہ گئے "بی اماں" نے ان سے کہا ۲۹ کا چاند نظر نہ آیا تمہارے رہنے سے کیا فائدہ؟ قرآن سنادو، چنانچہ انہوں نے تراویح کے بعد نفل نماز کی پہلی رکعت میں پورا قرآن پڑھ ڈالا، اور دوسری رکعت میں قل اعوذ برب الناس پڑھ کر نماز پوری کی اور اپنے جوتے اٹھا کر چل دیئے، اور یوں فرمایا "کہ میرے بس کا تو تھا نہیں، مگر آپ کی خاطر میں میں نے اس طرح پڑھ ڈالا"

ارشاد فرمایا:۔ میرے دوستو! ناجائز آمدنیوں سے بچتے رہو۔

ع من نہ کردم شما حذر بکنید

ہم نے سنا ہے کہ جس کا رمضان اچھی طرح گزر جائے، اس کا سارا سال اچھا گزرے گا۔

ایک دیہاتی مبلغ کا قصہ ارشاد فرمایا:۔ میرا ایک مخلص نوجوان غلام نبی گاؤں کا رہنے والا تھا، حق تعالیٰ شانہٗ اس کو بلند درجات عطا فرمائے، پہلے اس کا جوڑ تھانویؒ سے تھا، اخلاص کے ساتھ تعلقات میں سارے قانون ختم ہو جاتے ہیں۔ حضرت تھانویؒ کے انتقال کے بعد اس کا تعلق مجھ سے قائم ہو گیا، اس میں دو باتیں عجیب تھیں، ایک یہ کہ وہ مسئلے بہت پوچھا کرتا تھا، قاری سعید مرحوم (مفتیٔ اعظم مظاہر علوم) اس کا بہت خیال کرتے تھے۔ جب وہ آجاتا تو اس

کے مسائل کے جوابات دیتے تھے، وہ مبلغ تھا، ہفتہ بھر گھومتا تھا، بہت سے لوگوں کو مسلمان بنایا مساجد بنوائیں، اس سے اگر کوئی مسئلہ پوچھتا تو لکھ لیتا اور ہفتہ بھر کے بعد جواب دیتا، وہ کہا کرتا تھا، جتنی بیماریاں ہوتی ہیں۔ وہ سب سالن سے ہوتی ہیں" وہ اپنے سفر میں تین چار رٹیاں اپنے کپڑے میں باندھ لیتا تھا، اور انہیں کو کھاتا تھا، اور میرے دسترخوان پر بھی وہ صرف روٹی کھاتا۔

دوسری بات یہ تھی کہ وہ بعض دفعہ مجھ پر بھی اعتراض کرتا تھا، مخلص آدمی جب اعتراض کرتا ہے تو تکلیف نہیں ہوتی وہ کہا کرتا تھا، کہ جتنے بزرگ پان کھایا کرتے ہیں وہ پیسے بچا بچا کر دین میں لگاتے تو کتنا فائدہ ہوتا، حضرت تھانویؒ حضرت سہارنپوریؒ تو پان نہیں کھاتے تھے"

پہلے مجمع کم ہوتا تھا، جمعہ کی مجلس کچے گھر میں ہوتی تھی پہلے میں نو بجے آیا کرتا تھا اور اب مجبوریوں کی وجہ سے مجلس گیارہ بجے ہوگئی ہے، ایک مرتبہ وہ جمعہ کی مجلس میں آیا، اور کہنے لگا حضرت جی! جتنے لوگ گاؤں سے آتے ہیں، وہ سلام کرتے ہیں اور مولوی جتنے آتے ہیں، وہ چپکے سے بیٹھ جاتے ہیں" اس کے کہنے کے بعد میں نے خیال کیا تو ایسا ہی پایا۔

اس کا انتقال عجیب و غریب شان سے ہوا، وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا۔ میرا حج کا ارادہ ہے، میرے پاس پیسے روپے کچھ زیادہ تو نہیں ہیں، مگر میں دلی تبلیغ کے لیے جا رہا ہوں، اگر وہاں سے جوڑ بیٹھ گیا، تو حج کو چلا جاؤں گا۔ ورنہ تبلیغ کرتا رہوں گا۔ مگر کسی سے آپ ذکر نہ فرمائیں" لوگ اس کے بارے میں مجھ سے پوچھتے رہتے، میں ان سے کہتا کہ وہ تبلیغ میں گیا ہے، پھر اس کا بمبئی سے خط آیا، کہ وہ سفر حج کے لئے روانہ ہوا، حج سے فراغت کے بعد اس کی واپسی ہوئی، واپسی میں سخت بیمار ہوا، بمبئی میں احباب نے اس کا سامان وغیرہ دیکھ کر پتہ چلا یا کہ اس کا مجھ سے بھی تعلق ہے، چنانچہ لوگوں نے ٹکٹ وغیرہ خرید کر اس کو ٹرین پر سوار کر دیا، وہ سہارنپور آیا، اور یہاں سے وہ اپنے گاؤں چلا گیا، بخار کی حالت میں اس کا ہر چیز کھانے کو جی چاہتا، لوگ کہتے کہ پہلے تو کھاتا نہیں تھا، اب کیا ہوگیا میں نے کہا کہ جو اس کے مقدر میں ہے وہ تو کھا کر جائے گا۔

ایک بزرگ کا مجاہدہ ارشاد فرمایا:۔ ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا، آپ

روزانہ کیا خرچ کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ سال بھر میں تین درہم، انہوں نے بتایا کہ ایک درہم کا شیرہ لیتا ہوں، اور ایک درہم کا چوڑا اور ایک درہم کا گھی اور اس کے ۳۶۰ لڈو بنالیتا ہوں، روزانہ افطار میں ایک لڈو کھالیتا ہوں، ظاہر بات ہے کہ جن ایام میں روزہ نہ رکھتے ہونگے ان میں بھی روزانہ ایک لڈو پر قناعت کرتے ہوں گے۔

صوفی عبد الرب کا قصہ ارشاد فرمایا:- ایک صوفی عبد الرب صاحب (مجاز حضرت اقدس تھانوی) ہیں۔ میرا روزانہ کا صرف پان کا خرچ تیس چالیس روپے تک کا ہوتا ہے عرصہ ہوا لکھنؤ سے ایک جماعت آئی، اس میں (مولانا) علی میاں اور مولوی منظور نعمانی صاحب اور صوفی صاحب بھی تھے۔ چنانچہ علی میاں اور مولوی منظور صاحب نے جماعت والوں کو اصول بتائے اور سکھائے اور کہا کہ تم لوگوں کا قیام تبلیغی مرکز کی مسجد میں رہے گا، دیکھو شیخ کی دعوت قبول نہ کرنا، زیادہ اصرار ہو تو ایک وقت ان کے یہاں کھانا کھالینا، مگر ہم دونوں کے ان سے ایسے تعلقات ہیں کہ کھانا تو وہیں کھائیں، چونکہ صبح لکھنؤ والی ٹرین لکسر سے اکثر کافی لیٹ آتی ہے اور پریشان کرتی ہے، چنانچہ وہ لیٹ آئی، غالباً ڈیڑھ بجے گاڑی آئی، صوفی صاحب کہیں پیچھے رہ گئے تھے وہ بھی ان دونوں حضرات کے ساتھ میرے یہاں آئے، بڑے حضرت رائپوریؒ کے خلفاء میں حضرت منشی رحمت علی صاحب تھے، وہ فرماتے ہیں "مولوی کا دماغ جب چلے ہے جب دستر خوان تو ہو دوسرے کا اور انتظام ہو اس کا، میرا بھی یہی حال ہے میرا دماغ دوپہر کے کھانے میں خوب کھلتا ہے، ان حضرات نے دوپہر کا کھانا کھایا، صوفی صاحب نے کھانے کے بعد ان دونوں سے کہا کہ آپ لوگ جو کچھ کہیں، میں کھانا تو یہیں کھاؤں گا، پندرہ دن تک قیام رہا، جب وہ جانے لگے تو بہت دعائیں دیں، شاعر بھی تھے، میرے ساتھ کبھی شاعری برتی، انہوں نے مجھ سے تین باتیں دریافت کیں، ایک تو میں بھول گیا البتہ دو یاد ہیں ان میں کی ایک بات یہ تھی کہ تبلیغ والے کہتے ہیں کہ سب چھوڑ کر تبلیغ میں نکل جاؤ اور علماء کرام کہتے ہیں کہ حقوق بھی ہیں، میں نے آپ کو بہت معتدل پایا، اس لئے جواب کی درخواست ہے، میں نے کہا کہ اگر گھر میں بیوی بچوں کے

کھانے کا انتظام ہو تو ضرور تبلیغ میں جانا چاہیئے، اور اس کے خلاف مولویوں کی ایک نہ سننا، البتہ اگر باہر جماعت میں جاؤ تو سب انتظام مکمل کرلو اور عین چلتے وقت بیوی سے تنہائی میں کہو، کہ سفر کا بہت سہم چڑھ رہا ہے، دل نہیں چاہ رہا ہے، تیری یاد بہت پریشان کرے گی، کسی کام میں دل نہیں لگے گا۔ مگر مجبوری ایسی پیش آگئی کہ جائے بغیر چارہ کار نہیں، جلدی سے جلدی واپسی کی کوشش کروں گا یہ کہہ کر خوب اس سے مل کر چل دو، اور اس سفر سے تھوڑے تھوڑے وقفے میں ان کی محبت دیاد کے خطوط لکھتے رہو اور پھر واپسی پر سب سے پہلے اسی سے ملو، اور کہو کہ سارے سفر میں تمھاری بہت یاد آئی کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ سب کاموں سے جان چھڑا کر خدا خدا کرکے آگیا ہوں اور اگر بیوی بچوں کا انتظام نہ ہو تو تبلیغ والوں کی باتوں پر عمل نہ کرنا، وہ جب یہاں سے واپس اپنے وطن (اناؤ) پہونچے تو ان کا اور ان کی بیوی دونوں کے خطوط آئے، انہوں نے لکھا کہ میں نے گھر پہ آ کر سب اگل دیا، چونکہ ہمارے یہاں بیوی کو خطاب کرنے کا "تو" کے ساتھ معمول نہیں ہے، بلکہ آپ" کے ساتھ ہے لیکن میں نے اس نیت سے کہ حضرت کے فرمائے ہوئے الفاظ میں برکت ہے وہ دوسرے لفظوں میں نہیں بلکہ بیوی سے وہی الفاظ کہے جو حضرت نے فرمائے تھے، اس کو یہ طرزِ خطاب بہت اجنبی معلوم ہوا، اس لئے پوچھا کہ "یہ سبق کس نے پڑھایا ہے ـــــــ؟ جب میں نے جناب کا ذکر کیا تو اس نے بھی شکریہ کا خط لکھا ہے۔

دوسری بات انہوں نے یہ دریافت فرمائی کہ مجھے یقین ہے کہ آپ کو دستِ غیب حاصل ہے، میں نے آپکی دکان کی آمد اور منی آرڈر کی خوب تحقیقات کیں، مگر دونوں کی آمدنی روزانہ کے دسترخوان کے خرچ سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔ میں نے کہا کہ دستِ غیب ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی کبھی نقد نہ منگوائے، ادھار منگوائے اور بھاؤ نہ پوچھے بلکہ جس چیز کی ضرورت ہو منگوالے، اور جب روپے کا مطالبہ کرے فوراً ادا کردے، میرا یہی معمول ہے، قرض خوب ملتا ہے، اگر چہ ادائیگی کا اطمینان ہو۔

مہمانوں کی برکت سے حق تعالیٰ کھلاتا ہے

اس موقع پر ناچیز مرتب کو ایک واقعہ یاد آگیا، جس کو تحریر کر رہا ہوں۔ ایک مرتبہ لکھنؤ کے ایک رئیس صاحب سہارنپور حاضر ہوئے، ان کی آمد سے پیشتر مخدومی حضرت مولانا علی میاں مدظلہ نے حضرت اقدس سے ان کی آمد کا تذکرہ کر دیا تھا۔ حضرت مولانا بھی سہارنپور تشریف رکھتے تھے۔ اور بھی کچھ اہم خصوصی مہمان آگئے تھے دوپہر کو دستر خوان پر انواع و اقسام کے کھانے دیکھ کر ان رئیس صاحب نے کھانے کے دوران میں حضرت اقدس سے ایک بے تکا سوال کیا، کہ مولویوں کے یہاں تو یہ تکلفات نہیں ہوتے، کیا روزانہ کا یہی معمول ہے، یا آج ہی کا؟ جناب کا ذریعہ معاش کیا ہے؟ اس پر حضرت نے آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ حق تعالیٰ مہمانوں کی برکت سے مجھے کھلاتا ہے"، حضرت اقدس مدفیوضہم کے یہاں دیکھا گیا ہے کہ جس درجے کے مہمان ہوتے ہیں، ویسا ہی حق تعالیٰ شانہٗ انتظام بھی فرما دیتا ہے، ان رئیس صاحب نے کہا کہ حضرت! اگر جناب لکھنؤ تشریف لائیں گے۔ تو ہم سے تو یہ اہتمام نہ ہو سکے گا"۔ حضرت اقدس نے فرمایا "آپ اطمینان رکھیں، لکھنؤ آنے ہی کا نہیں"۔

چوتھی مجلس

۴ رمضان المبارک

جو بزرگوں کی ابتدا کو دیکھے وہ کامیاب
اور جو انتہا کو دیکھے وہ ناکام،

آج چار افراد کی ایک جماعت ترکی سے آئی تھی، اور امریکہ کی جماعت بھی تھی ایک صاحب ترکی میں اور دوسرے صاحب انگریزی میں ترجمانی کر رہے تھے۔

ارشاد فرمایا:۔ ہمارے حضرت اقدس رائپوریؒ فرماتے تھے کہ جب دانت تھے تو چنے نہیں ملے اور جب چنے ملے تو دانت ہی نہ رہے۔ یعنی جب کھانے کا زمانہ تھا تو عسرت و تنگی تھی، اور جب فتوحات کے دروازے کھلے، تو صحت و معدے نے جواب دے دیا۔

حضرت نے ارشاد فرمایا:۔ ہمارے بزرگوں کا مقولہ ہے "جو ہماری انتہا کو دیکھے وہ ناکام اور جو ابتدا کو دیکھے وہ کامیاب، اس لئے کہ ابتدائی زندگی مجاہدوں میں گزرتی ہے اور اخیر میں فتوحات کے دروازے کھلتے ہیں، اگر کوئی ان فتوحات کو دیکھ کر آخری زندگی کو معیار بنائے تو وہ ناکام ہو جائے گا۔

اوپر والے جملے کو حضرت نے بار بار دہرایا، اور ارشاد فرمایا۔ میرے پیارو! اس پر غور کر لو، اور تمام بزرگوں کی زندگی میں اس کا مطالعہ کر لو، اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ پر اخیر زندگی میں بہت فتوحات ہوئیں اور ابتدار زندگی میں فاقے کرنے پڑے، یہاں تک کہ ایک دن ایک مخلص دوست سے دو پیسے قرض مانگے، مگر اس نے عذر کر دیا، اس پر حضرت کو بہت رنج و قلق

ہوا کہ اس سے کیوں مانگے تھے، جس نے اس کو دیا ہے اس سے کیوں نہ مانگے رات میں زیارت ہوئی کہ ابتلاء کا دور ختم ہوا، اس کے بعد فتوحات کے دروازے کھل گئے، حضرت اقدس رائپوریؒ کے ایک مجاہدہ کا قصہ بیان کر چکا ہوں۔ نیز حضرت رائپوریؒ فرماتے ہیں کہ میرے حضرت اقدس (بڑے حضرت رائپوریؒ) جب مہمانوں سے فارغ ہو جاتے تھے اور حضرت آرام فرماتے تو اخیر میں فارغ ہو کر معز الدین ناظمِ طعام کے پاس جاتا، اور جو کچھ ہوتا کھا لیتا، اب ہمارے خدام سے مشکل ہے

ارشاد فرمایا: ۔ رنگ لاتی ہے حنا پتھر پہ رگڑ جانے کے بعد[1]

دیکھو حنا (مہندی) کی پتی جب رگڑ دی جائے، تو وہ رنگین بنا دیتی ہے اور اگر بغیر رگڑے ہوئے اس کے پتے رکھ دیئے جائیں تو کچھ نہ ہوگا۔ حضرت مدنیؒ فرماتے تھے کہ مسجدِ اجابت میں ذکر کرتا تھا۔ جی چاہتا تھا کہ اس کی دیواروں سے سر پھوڑ لوں۔

میرے پیارو! آدمی مجاہدوں سے بنتا ہے

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں ۔ ایں خیال است و محال است و جنوں

ہر کام کا ایک ضابطہ و اصول ہوتا ہے، ڈاکٹر کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیابی کے لئے ڈاکٹری کے اصول و ضابطے سیکھے اس پر عمل کرنے سے کامیابی ہوگی اسی طرح سلوک کے راستے میں کم کھانا، کم بولنا، کم سونا جس کو تم لوگ "امداد السلوک" میں سنتے ہو، ان پر عمل ضروری ہے۔

شاہ عبد الرحیم صاحبؒ سہارنپوری معروف بہ میاں صاحب کا قصہ: ارشاد فرمایا: ہمارے بڑے حضرت اقدس رائپوریؒ کے پہلے پیر حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب سہارنپوریؒ نور اللہ مرقدہٗ تھے، جن کا مزار سہارنپور میں ہے ان کے ایک خادم مولوی روشن علی صاحب تھے۔ اور مولوی روشن علی صاحب کے صاحبزادے مولوی فراغت علی صاحب تھے ان کو میں نے بھی

---

[1] ترمیم فرمائی گھس جانے کے بجائے رگڑ جانے سے۔

دیکھا ہے حضرت شاہ صاحب کو ان سے خاص تعلق تھا، میرا چاند کہہ کر پکارتے تھے، ایک رات فضا میں ایک روشن دان جارہا تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ میرے چاند! اگر تم چاہو تو میں اسکو اتار دوں چنانچہ حکم دیا، وہ نیچے اتر آیا، اس میں ایک پتلا تھا جس میں بہت سی سوئیاں تھیں، حضرت نے فرمایا کہ تم کون؟ اس نے کہا کہ جادو، حضرت نے فرمایا کہ میری مانوگے یا جادوگر کی؟ اس نے کہا کہ آپ کی مانوں گا، حضرت نے فرمایا کہ میری رائے ہے کہ جہاں سے تم آئے ہو، وہیں واپس جاؤ چنانچہ وہ واپس گیا، سنا ہے کہ وہ جادوگر مر گیا، حضرت نے فرمایا، اس طرح اس کمبخت نے کتنے لوگوں کو ہلاک کیا ہوگا۔

اللہ سے تقرب حاصل کرنے کا راستہ آسان ہے

ارشاد فرمایا:۔ حدیث میں آیا ہے "بہت سے پراگندہ سر، غبار آلود جن کو دروازوں سے دھکا دیا جاتا ہے، اگر وہ اللہ پر قسم کھالیں، تو اللہ ان کے قسم کی لاج رکھ لیتا ہے۔" آدمی ریاضت و مجاہدے سے یہ مقام حاصل کرسکتا۔ دوسری حدیث میں آیا ہے "لا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل الخ" آدمی نوافل کے ذریعہ برابر حق تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اس کو محبوب بنالیتا ہوں، آگے مضمون کا یہ خلاصہ ہے کہ اس کے بعد اس کے ہاتھ پیر سے جو کچھ صادر ہوتا ہے وہ حق تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہوتا ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا:۔ اللہ جل شانہٗ کا راستہ بہت آسان ہے، تجربہ بھی ہے، اور لوگوں کو دیکھا بھی ہے۔

بعلم اللہ راہِ خدا بیش از دو قدم نیست　　یک قدم بر نفس خود نہ دیگرے بر کوئے دوست

ارشاد فرمایا:۔ بھائی دیکھو، جو کچھ کرو، اللہ کی مرضی کے موافق کرو اپنے جی و مرضی کے موافق نہ کرو، کچھ کرلو، رمضان المبارک میں اس کی مشق کرلو، ہمارے بزرگوں میں سے کوئی یہ نہیں کہتا کہ ملازمت نہ کرو، دکان نہ کرو۔

حق تعالیٰ کی رضا جوئی واخلاص کی برکت

ارشاد فرمایا:۔ ایک قصہ میں نے اپنے بچپن میں اپنے والد صاحب سے سنا اور کئی مرتبہ سنا اور میں نے بھی حدیث کے اسباق اور دوستوں کی مجالس میں ہزاروں مرتبہ اس کو سنایا ہوگا، وہ یہ کہ قصبہ پانی پت کا ضلع کرنال ہے ان دونوں کے درمیان جمنا چلتی تھی۔ معلوم نہیں اب ایسا ہی ہے یا نہیں، جمنا کا دستور یہ ہے کہ خشکی کے زمانے میں لوگ جوتے ہاتھ میں لے کر پار ہو جاتے ہیں، جہاں پانی زیادہ ہو، وہاں کشتیاں کھڑی رہتی ہیں، ملاح دو چار پیسے لے کر ادھر سے ادھر پہونچا دیتے ہیں لیکن جمنا جب طغیانی پر ہو تو پھر عبور ناممکن ہوتا ہے، ایک شخص پانی پت کا رہنے والا جس پر خون کا مقدمہ کرنال میں تھا اور جمنا میں طغیانی کا نہایت زور، وہ ایک ایک ملاح کی خوشامد درامد کرتا رہا مگر ہر شخص کا ایک جواب کہ اس میں تیرے ساتھ اپنے آپ کو ڈبوئیں گے۔" وہ بیچارہ غریب پریشان روتا پھر رہا تھا۔ ایک شخص نے اس کی بدحالی دیکھ کر کہا کہ اگر میرا نام نہ لے تو ترکیب میں بتلاؤں، جمنا کے قریب فلاں جگہ ایک جھونپڑی پڑی ہوئی ہے اس میں ایک صاحب مجذوب قسم کے پڑے رہتے ہیں، ان کے جا کر سر ہو جا، خوشامد، منت سماجت جو کچھ تجھ سے ہو سکے کسر نہ چھوڑنا، اور وہ جتنا بھی برا بھلا کہیں حتیٰ کہ اگر تجھے ماریں تو بھی منہ نہ موڑنا چنانچہ یہ شخص ان کے پاس گیا اور ان سے خوشامد درآمد کی۔ انہوں نے اپنی عادت کے موافق خوب ملامت کی کہ میں کوئی خدا ہوں۔ میں کیا کر سکتا ہوں، مگر جب یہ روتا ہی رہا (اور رونا تو بڑے کام کی چیز ہے اللہ مجھے بھی نصیب فرمائے) تو ان بزرگ نے کہا کہ جمنا سے کہدے کہ اس شخص نے جس نے عمر بھر نہ کچھ کھایا نہ بیوی کے پاس گیا، اس نے بھیجا ہے کہ مجھے راستہ دیدے۔" چنانچہ یہ گیا اور جمنا نے راستہ دیدیا۔ اس کا تو کام ہو گیا، اس میں کوئی استبعاد نہیں، پہلے انبیاءؑ کے معجزات اس امت کی کرامات ہیں اور پانی پر چلنے کے قصے تو صحابہ کرامؓ کے بھی تواریخ میں منقول ہیں۔ اور کرامات صحابہؓ تو مستقل ایک رسالہ حضرت تھانویؒ کے حکم سے لکھا گیا تھا۔ جیسے علاء بن حضرمیؓ صحابی کی ماتحتی میں ایک جہاد کسریٰ سے ہوا تھا سمندر میں گھوڑے ڈال دینا اور سمندر پار کر لینا جس میں زینیں بھی نہ بھیگیں نقل کیا گیا ہے۔ عامل کسریٰ یہ دیکھ کر ایک کشتی میں بیٹھ کر یہ کہہ کر بھاگ گیا کہ ان سے ہم نہیں لڑ سکتے۔" اس واقعہ کو ابن

عبدالبر مالکی اور تاج الدین سبکی نے بھی مختصراً ذکر کیا ہے، اس جھونپڑی میں ان بزرگ کے بیوی بچے بھی تھے، دینداروں کی بیویاں ڈیڑھ خصم ہوتی ہیں، یہ بے چارے اس فکر میں رہتے ہیں کہیں زیادتی نہ ہو جائے وہ اس سے غلط فائدہ اٹھاکر سر چڑھ جاتی ہیں، ان بزرگ کی بیوی نے رونا شروع کیا کہ تو نے عمر بھر جو یہ کہا کہ میں بیوی کے پاس کبھی نہیں گیا، یہ ستہ کی دھاڑ میں کہاں سے لائی؟ انہوں نے ہر چند سمجھایا کہ یہ میری اولاد ہے، میں نے ان کی اولاد ہونے سے انکار نہیں کیا مگر اس نے اتنا رونا چلانا شروع کیا کہ تو نے میرا منہ کالا کر دیا، وہ ساری دنیا میں جاکر کہے گا کہ پیر صاحب تو بیوی کے پاس گئے نہیں یہ اولاد کہاں سے آگئی۔ ہر چند پیر صاحب نے سمجھانا چاہا، مگر اس کی عقل میں نہیں آیا اور جتنا جتنا وہ کہتے وہ روتی جب بہت دیر ہو گئی، تو ان پیر صاحب نے یوں کہا کہ میں نے ساری عمر خوب کھایا، اللہ کا شکر ہے اور تیرے سے صحبت بھی ہمیشہ خوب کی، تجھے معلوم بھی ہے، لیکن بات یہ ہے کہ میں نے بچپن میں ایک مولانا صاحب سے وعظ میں ایک بات سنی تھی وہ یہ کہ جو کام اللہ کے واسطے کیا جائے وہ دنیا نہیں دین بن جاتا ہے، اور عبادت بن جاتا ہے اور ثواب بن جاتا ہے، اس وقت سے جب کوئی چیز میں نے کھائی یا تو اس نیت سے کھائی کہ اس سے اللہ کی عبادت پر قوت حاصل ہو، یا اس نیت سے کھائی کہ لانے والے اور کھلانے والے کا دل خوش ہو، اسی طرح میں شادی کے بعد سے تیرے پاس خوب گیا، لیکن یہ قصہ پہلے سے سنا ہوا تھا، اس لئے جب کبھی میں تیرے پاس گیا، تیرا حق ادا کرنے کی نیت میں نے پہلے سے کر لی کہ اللہ نے بیوی کا حق رکھا ہے، میں نے تو یہ قصہ اپنے والد صاحبؒ سے سنا، بار بار سنا، ایسے ہی سنا، مگر مولانا الحاج ابوالحسن علی میاں صاحب دام مجدہم نے حضرت الحاج شاہ محمد یعقوب مجددی نقشبندی بھوپالی کے جو ملفوظات جمع کئے ہیں اس کے صفحہ ۳۵۶ پر یہ قصہ دوسری نوع سے نقل کیا ہے، جو حسب ذیل ہے۔

حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ نے فرمایا کہ ایک بزرگ دریا کے کنارے پر رہتے تھے، دوسرے بزرگ دوسرے کنارے پر ایک بزرگ نے جو متاہل اور صاحب اولاد تھے، اپنی بیوی سے کہا کہ کھانے کا ایک خوان لگاکر دریا کے دوسرے کنارے جو دوسرے بزرگ رہتے ہیں،

ان کے پاس لے جاؤ اور ان کو کھانا کھلاؤ، بیوی نے کہا کہ دریا گہرا ہے، میں اس کو کس طرح پار کر کے دوسرے کنارے پر جاؤں گی، فرمایا کہ جب دریا میں قدم رکھنا تو میرا نام لے کر کہنا کہ اگر میرے اور میرے شوہر میں وہ تعلق ہو، جو زن وشو میں ہوا کرتا ہے تو مجھے ڈبو دے، ورنہ میں پار ہو جاؤں، اس نے یہی کہا، یہ کہنا تھا کہ دریا پایاب ہو گیا اور گھٹنوں گھٹنوں پانی میں وہ دریا کے پار ہو گئیں، انہوں نے کھانے کا خوان ان دوسرے بزرگ کو پیش کیا، انہوں نے اس کو اکیلے تناول فرما لیا، (یعنی ختم کر لیا) جب واپس ہونے کا وقت ہوا، تو ان کو فکر ہوئی کہ آنے کا وظیفہ تو مجھے معلوم ہو گیا اب جاتے وقت کیا کہوں؟ ان بزرگ نے ان کی پریشانی دیکھی تو اس سے دریافت کیا، انہوں نے کہا کہ میں دریا سے کس طرح پار ہوں، انہوں نے فرمایا کہ پہلی مرتبہ دریا کو کس طرح پار کیا تھا؟ انہوں نے کہا میرے شوہر نے مجھے یہ ہدایت کی تھی کہ میں اس طرح کہوں، انہوں نے فرمایا کہ اب جاتے وقت تو میرا نام لے کر کہنا کہ اس نے ایک لقمہ بھی کھایا ہو، تو ڈوب جاؤں، ورنہ پار ہو جاؤں، چنانچہ وہ پار ہو گئیں، اب انہوں نے اپنے شوہر سے پوچھا کہ آپ نے صاحب اولاد ہو کر خلافِ واقعہ بات کیوں کہی؟ اور ان بزرگ نے آنکھوں کے سامنے پورا کھانا تناول کرنے کے باوجود ایک لقمہ بھی کھانے سے انکار کیوں کیا، تو ان بزرگ نے جواب دیا کہ میں نے جو کچھ کیا امر الٰہی سے کیا، اپنے نفس کی خواہش سے نہیں کیا اور انہوں نے جو کچھ کیا وہ بھی امر الٰہی سے کیا، اپنے نفس کا اس میں کچھ حصہ نہ تھا، اور دنیا جو کچھ کرتی ہے، اور جس کا رواج ہے وہ نفس کے تقاضے کو پورا کرنا ہے، امر الٰہی پیش نظر نہیں ہوتا، اس لئے دنیا جس کو ازدواجی تعلق اور شکم پروری اور ناؤ نوش سمجھتی ہے ہم دونوں میں کوئی اس کا مرتکب نہیں ہوا، لیکن یہ ضروری نہیں کہ یہ واقعہ وہ پہلا ہو اس قسم کے واقعات متعدد ہو سکتے ہیں۔

صحابۂ کرامؓ کے اس قسم کے واقعات، پانی پر چلنا، دریا میں گھوڑوں کو اتار دینا مشہور ہیں۔

ہر نیکی صدقہ ہے ارشاد فرمایا:- حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ آدمی کے بدن میں ۳۶۰ جوڑ ہیں، جب آدمی صبح کو صحیح وسالم تندرست اٹھتا ہے۔ تو ہر جوڑ کی صحت وسلامتی کے بدلے اس کے ذمہ ایک صدقہ (شکرانہ) واجب ہوتا ہے، اس حدیث میں

آگے یہ مضمون ہے آدمی اپنی بیوی سے صحبت کرے، یہ بھی صدقہ ہے،" اس روایت میں ہے کہ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا، یارسول اللہؐ آدمی اپنی بیوی سے شہوت پوری کرتا ہے، اس میں صدقہ ہے؟ صحابہ کرامؓ کو اللہ جل شانہٗ بہت ہی درجاتِ عالیہ اپنی اور ان کی شایانِ شان عطا فرمائے، حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم سے ذرا ذرا سی بات دریافت کرکے امت کے لئے بہت کچھ ذخیرہ چھوڑ گئے حضورؐ نے صحابہ کرامؓ کے اشکال پر یوں فرمایا کہ اگر اس پانی کو بے محل گرادے یعنی حرام کاری کرے تو کیا گناہ نہ ہوگا؟ صحابہؓ نے عرض کیا، ضرور ہوگا، تو حضورؐ نے فرمایا پھر یعنی اگر حرام سے بچنے کی نیت سے اپنی بیوی سے صحبت کرے تو پھر کیوں ثواب نہ ہوگا؟[له]

تصوف کیا ہے؟ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کا ایک قصہ

ارشاد فرمایا:۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رئیس الاحرار کے دیکھنے والے تو ابھی بہت ہوں گے اور سننے والے تو بہت زیادہ، منتہا میں تو مرحوم کو مجھ سے بہت زیادہ محبت ہوگئی تھی، اور تعلق اس درجہ بڑھ گیا تھا کہ وہ بجائے دہلی کے سہارنپور میرے پاس رہنے کی تمنائیں بڑی کثرت سے کیا کرتے تھے، بلکہ اصرار بھی اور میں اپنے بیکار اور ان کے باکار ہونے کی وجہ سے اس کو کبھی قبول نہیں کرتا تھا، لیکن ابتدا میں میرے اور مرحوم کے تعلقات بہت ہی خراب تھے، ان کی تو مظاہر میں کبھی اس زمانے میں آمد نہیں ہوتی تھی، لیکن مجھے دیوبند کبھی کبھی حضرت قدس سرہٗ کا فرستادہ بن کر کتب خانہ سے کسی کتاب کی تلاش میں یا محترمین مہتممین رحمہم اللہ تعالیٰ سے کسی بات میں مشورہ کے لئے جانا ہوتا تھا، رئیس الاحرار صاحب مجھ سے بہت واقف تھے کہ میں فلاں کا بیٹا ہوں، مدرسہ کا مدرس ہوں، میں ان سے صرف اتنا واقف تھا کہ لدھیانہ کا کوئی طالب علم ہے جس کو پڑھنے پڑھانے سے کوئی تعلق نہیں، لیڈری کرتا ہے، وہ چونکہ گھومتے رہتے تھے، اس واسطے میری دیوبند کی ہر مرتبہ کی آمد پر دو تین مرتبہ ان کا سامنا ہوتا تھا اور وہ بہت چلا کر مجھے سنا کر بہت ناراضگی کا اظہار کیا

له مشکوٰۃ شریف باب صلوٰۃ الضحیٰ۔

کرتے تھے، اس لئے کہ انہیں معلوم تھا کہ میں سیاست سے بالکل بے تعلق، اخبار بینی کا دشمن ہوں اور اس زمانے میں دیوبند و سہارنپور میں اخبار بینی آئی بھی نہیں تھی، سہارنپور کا کوئی طالب علم یا مدرس تو اخبار بینی جانتا ہی نہ تھا کہ کیا بلا ہے؟ حضرت قدس سرہ کی چارپائی پر عصر کے بعد دو چار اخبار پڑے رہتے تھے، جن کو کوئی باہر کا مہمان اٹھا کر دیکھ لیتا تھا، دیوبند میں مولانا اعزاز علی صاحب اور ان کے ہمنوا تو نہایت مخالف اور اخبار کے دشمن، لیکن مولانا شبیر احمد عثمانیؒ وغیرہ مدرسین کوئی ایک آدھ دیکھ لیتا تھا۔

رئیس الاحرار مرحوم جب مجھے دیکھتے دور سے چلا کر کہتے "ایسے شخص کا وجود زمین پر بوجھ ہے یہ مر کیوں نہیں جاتے، ان کے لئے زمین کا اندرون زمین کے بیرون سے بہتر ہے" وغیرہ وغیرہ اور اس ناکارہ کی اتنی جرأت تو نہیں ہوتی تھی کہ پکار کے کچھ کہتا، مگر ایک دو طالب علم جو مجھے دیکھ کر میرے ساتھ ہو لیتے تھے، ان سے بیانا کہلوا دیتا کہ اس شخص کو مدرسہ کی روٹی کھانا حرام ہے مدرسہ کا چندہ لیڈری کے واسطے نہیں آتا، جس شخص کو پڑھنے پڑھانے سے کوئی واسطہ نہ ہو مطالعہ سبق سے کوئی کام نہ ہو، اس کو مدرسہ کی روٹی کھانا حرام ہے۔ مدرسہ کے اندر قیام ناجائز ہے، مدرسہ کی ہر قسم کی اعانت حاصل کرنا گناہ ہے، وغیرہ وغیرہ، اس پیام پر مرحوم اور بھی زیادہ برافروختہ ہوا کرتے کئی سال یہی قصہ رہا، مگر اللہ جل شانہ نے ان کی دستگیری فرمائی، کہ اعلیٰ حضرت قدوۃ الاتقیاء مخبر الاولیاء حضرت الحاج شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری نور اللہ مرقدہٗ کے اخیر زمانۂ حیات میں حضرت قدس سرہ سے الحاج شاہ عبدالقادر صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے ہاتھ پہ بیعت ہو گئے، اس زمانہ کا دستور یہی تھا کہ اعلیٰ حضرت سے جو شخص بیعت ہونا چاہتا، ضعف و نقاہت کی وجہ سے حضرت خود تو نہ فرماتے تھے، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب نور اللہ مرقدہٗ بیعت کے الفاظ کہلا دیتے تھے۔ بڑوں کے ہاتھ میں ہاتھ دینا اثر سے خالی نہیں ہوتا چنانچہ یہ تعلق رنگ لائے بغیر نہیں رہا، اور اخیر میں تو رئیس الاحرار کو حضرت مولانا عبدالقادر صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے عشق کا تعلق ہو گیا تھا اور حضرتؒ کی وجہ سے اس سیہ کار سے بھی، لیکن شروع کے چند سال ایسے گزرے کہ مرحوم اپنی سیاست میں رہتے،

کلکتہ، بمبئی اور پشاور وغیرہ ان کی گزرگاہ تھی اور سہارنپور ہر جگہ کا جنکشن اس لئے جب سہارنپور سے گزر ہوتا تو ہم روز والیسی یا ایک شب قیام کے لئے رائپور بھی جاتے اس کے دیکھنے والے تو آج بھی سینکڑوں ہیں کہ حضرت اقدس شاہ عبدالقادر صاحب رائپوریؒ کو اس سیہ کار کے ساتھ عشق کا سا تعلق تھا، جملہ معترضہ کے طور پر ایک واقعہ سناتا ہوں کہ میرے مخلص دوست صوفی اقبال پاکستانی ثم المدنی جو پاکستان میں ملازم تھے، جب حضرت رائپوریؒ پاکستان جاتے اور صوفی اقبال مجھے خط لکھتے تو بہت اصرار سے مجھے لکھا کرتے کہ خط کے جواب میں حضرت رائے پوریؒ کو سلام ضرور لکھدیجو، اس لئے کہ جب میں عصر کے بعد مجلس میں یوں کہہ دیتا ہوں کہ "شیخ کا خط آیا ہے، حضرت کو سلام لکھا ہے" تو فوراً چارپائی کے قریب بلایا جاتا ہوں اور فوراً خیریت وحالات وغیرہ دریافت کرنے لگتے ہیں، جس کی وجہ سے مغرب تک چارپائی کے قریب بیٹھنا نصیب ہوجاتا ہے، اس تعلق کی بنا پر جب کوئی شخص رائے پور حاضر ہوتا تو حضرت کا پہلا سوال یہ ہوتا "کہ شیخ سے مل کر آئے یا نہیں" اگر وہ یہ کہتا کہ مل کر آیا ہوں۔ تو بڑی بشاشت سے بات پوچھتے، خیریت پوچھتے، کیا کر رہے تھے، کوئی پیام دیا ہے وغیرہ وغیرہ اور اگر وہ کہتا کہ نہیں مل کر آیا ہوں تو زیادہ التفات نہ فرماتے، بلکہ جیسا تعلق ہوتا، ویسا برتاؤ کرتے اس مجبوری کو بہت سے ایسے لوگ جن میں رئیس الاحرار بھی تھے باوجود دل نہ چاہنے کے نہایت گرانی کے ساتھ کھڑے کھڑے مصافحہ کرنا ضروری سمجھتے، تاکہ وہ یہ کہہ سکیں کہ ہوکر آیا ہوں اور سلام عرض کیا ہے اور میں بھی اس قسم کے لوگوں سے باوجود دل نہ چاہنے کے چاہے کتنی ہی مشغولی کا وقت ہو اور کتنا ہی ضروری کام کر رہا ہوتا، ضرور بلاکر حضرت کی خدمت میں سلام عرض کر دیتا، مبادا وہ جاکر کہہ دیں کہ میں حاضر ہوا تھا، مگر باریابی نہ ہوئی۔

رئیس الاحرار مرحوم سے کئی سال صرف اسی نوع کی ملاقات رہی، ایک مرتبہ دس بجے صبح کو میں اوپر اپنے کمرے میں نہایت مشغول تھا، مولوی نصیر نے اوپر جاکر کہا کہ رئیس الاحرار آئے ہیں، رائے پور جا رہے ہیں، صرف مصافحہ کرنا ہے، میں نے کہا جلدی بلادے، مرحوم اوپر چڑھے اور زینے پر چڑھتے ہی سلام کے بعد مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا کر کہا رائے پور جا رہا ہوں، اور ایک سوال آپ

سے کر کے جا رہا ہوں، اور پرسوں صبح واپسی ہے، اس کا جواب آپ سوچ رکھیں، واپسی میں جواب لوں گا۔ یہ تصوف کیا بلا ہے؟ اس کی کیا حقیقت ہے؟ میں نے مصافحہ کرتے کرتے جواب دیا صرف "تصحیح نیت"۔ اس کے سوا کچھ نہیں، جس کی ابتدا، "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّات" سے ہوتی ہے، اور انتہا "اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ" ہے، میرے اس جواب پر سکتہ میں کھڑے ہو گئے، اور کہنے لگے دلی سے یہ سوچتا آرہا ہوں، کہ تو یہ جواب دے گا، تو یہ اعتراض کروں گا اور یہ اعتراض کرے گا تو یہ جواب دوں گا، اس کو تو میں نے سوچا ہی نہیں، میں نے کہا جاؤ، تانگے والے کو بھی تقاضہ ہو گا، میرا بھی حرج ہو رہا ہے، پرسوں تک اس پر اعتراض سوچتے رہیو، اس کا خیال رہے کہ دن میں مجھے لمبی بات کا وقت نہیں ملنے کا دو چار منٹ کو تو دن میں بھی کر لوں گا، لمبی بات چاہو گے تو مغرب کے بعد ہو سکے گی۔ مرحوم دوسرے ہی دن شام کو مغرب کے قریب آگئے اور کہا کہ کل رات تو ٹھیرنا مشکل تھا، اس لئے کہ مجھے فلاں جلسے میں جانا ہے اور رات کو تمھارے پاس ٹھیرنا ضروری ہو گیا اس لئے کہ ایک دن پہلے میں چلا آیا اور یہ بھی کہا کہ تمھیں معلوم ہے۔ مجھے نہ تم سے کبھی عقیدت ہوئی، نہ محبت" میں نے کہا علیٰ ہذا القیاس، مرحوم نے کہا "مگر تمھارے کل کے جواب نے مجھ پر بہت اثر کیا، اور میں کل سے اب تک سوچتا رہا، تمھارے جواب پر کوئی اعتراض سمجھ میں نہیں آیا" میں نے کہا انشاء اللہ مولانا اعتراض ملنے کا بھی نہیں، "انما الاعمال بالنیات" سارے تصوف کی ابتدا ہے، اور ان تعبد اللہ کانک تراہ" سارے تصوف کا منتہا ہے، اسی کو نسبت کہتے ہیں، اس کو یاد داشت کہتے ہیں، اسی کو حضوری کہتے ہیں۔

حضوری گر ہمی خواہی از و غافل مشو حافظ   متی ما تلق من تہوی دع الدنیا و اہملہا

میں نے کہا مولوی صاحب سارے پاپڑ اسی کے لئے پیلے جاتے ہیں، ذکر بالجہر بھی اسی کے واسطے ہے، مجاہدہ و مراقبہ بھی اسی کے واسطے ہے، اور جس کو اللہ جل شانہ اپنے لطف و کرم سے کسی بھی طرح سے یہ دولت عطا کر دے، اس کو کہیں کی بھی ضرورت نہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کیمیا اثر سے ایک ہی

نظر میں سب کچھ ہو جاتے تھے اور ان کو کسی چیز کی بھی ضرورت نہ تھی اس کے بعد اکابر اور حکمار، امّت نے قلبی امراض کی کثرت کی بنا پر مختلف علاج جیسا کہ اطبار بدنی امراض کے لئے تجویز کرتے ہیں، روحانی اطبّار روحانی امراض کے لئے ہر زمانے کے مناسب اپنے تجربات جو اسلاف کے تجربات سے مستنبط ہیں، نسخے تجویز فرماتے ہیں۔ جو بعضوں کو بہت جلد نفع پہونچاتے ہیں، بعضوں کو بہت دیر لگتی ہے، پھر میں نے مرحوم کو متعدد قصے سنائے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو" آپ بیتی ۲"۔

پانچویں مجلس

۵ ر رمضان المبارک

ایک ضروری تنبیہ حضرت نے ارشاد فرمایا:- میرے پیارو! بڑے سکون سے ماہِ مبارک گزارو، جو دن گزر جائے گا، وہ پلٹ کر آنے والا نہیں، اگلے سال کی خبر نہیں کہ آوے گا یا نہیں تم لوگوں نے اپنے گھر کی راحتیں چھوڑی ہیں، اس کے بعد بھی اگر کچھ وصول نہ کرو تو تکلیف ہی تکلیف ہے اگرچہ میں مولوی نصیر الدین اور اس کے رفیقِ کار شیخ انعام اللہ کو بار بار تنبیہ کرتا رہتا ہوں کہ کھانے وغیرہ کا خاص اہتمام کیا جائے۔

مدارس کی سرپرستی سے ڈرتے رہنا چاہیئے: ارشاد فرمایا:- ہمارے بڑے حضرت رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ (سرپرست دار العلوم دیوبند و مظاہر علوم) کا یہ مقولہ بہت مشہور تھا اور خود بھی سنا ہے، کہ مجھے مدارس کی سرپرستی سے جتنا ڈر لگتا ہے، اتنا کسی چیز سے نہیں، یہ سنا کر حضرت نے فرمایا۔ میں بھی اس سے ڈرتا ہوں، مظاہر علوم کی سرپرستی مجھ پر زبردستی تھوپ دی گئی تھی، میرے پاس دو ڈھائی ہزار مختلف مدارس و مکاتب کے خطوط سرپرستی کے لئے آئے ہوں گے، میں نے اپنی معذوریوں کی بنا پر ہمیشہ انکار کیا، بڑے حضرت رائے پوریؒ فرماتے تھے اگر کوئی شخص کسی کے یہاں ملازم ہو، وہ مالک کے کام میں کچھ کوتاہی کرے، خیانت کرے، کسی قسم کا نقصان پہنچائے تو ملازمت سے علیحدہ ہوتے ہوئے یا مرتے وقت مالک سے معاف کرالے، تو معاف ہو سکتا ہے لیکن مدرسوں کا پیسہ جو بیچارے عوام کے چندہ سے آتا ہے۔ ہم سرپرستانِ مدرسہ اس کے مالک تو ہیں نہیں، امین ہیں، اگر اس کے صرف و استعمال میں افراط و تفریط ہو تو ہم لوگوں کے معاف کرنے سے تو معاف ہو نہیں

سکتا، اس لئے کہ دوسرے کے مال میں ہم کو معافی کا کیا حق ہے، اتنا ضرور ہے کہ اگر بمصالح مدرسہ چشم پوشی کریں، تو اللہ کی ذات سے قوی امید ہے کہ وہ ہم سے درگزر فرمائے گا لیکن اگر اپنے ذاتی تعلقات سے ہم لوگ تسامح کریں تو ہم بھی جرم کے اندر شریک ہیں، لیکن جرم کرنے والے سے کسی حال میں بھی معاف نہیں ہو سکتا کہ حقوق العباد ہے اور جن کا مال ہے وہ اتنے کثیر ہیں کہ ان سے معاف نہیں کرایا جا سکتا۔

مدارس کے معاملات میں ہمارے اکابر کی احتیاط و تورع حضرت اقدس مدفیوضہم العالیہ نے اب سے کچھ عرصہ پہلے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے حضرات اساتذہ و منتظمین و ملازمین کے لئے ایک مضمون لکھایا تھا، جس میں اپنے قریبی اکابر و اسلاف کے کچھ واقعات ذکر کرکے دکھلایا تھا کہ مدارس کے معاملات میں ان حضرات کا رویہ کس قدر احتیاط و تورع کا تھا اور وہ خاص اس باب میں آخرت کے محاسبہ سے کس قدر لرزاں و ترساں رہتے تھے، یہ مضمون "آپ بیتی" ۷ کے اخیر میں طبع ہو چکا ہے، موقع کی مناسبت سے اس سے اخذ کرکے چند واقعات نقل کر رہا ہوں، حضرت اقدس نے بھی وقتاً فوقتاً ان واقعات کو اپنی مجالس میں سنائے ہیں۔

(۱) حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری (بخاری و ترمذی کے محشی) جب مظاہر علوم کی قدیم تعمیر کے چندہ کے سلسلے میں کلکتہ تشریف لے گئے، (کہ وہاں کے قیام کی وجہ سے لوگوں سے حضرت مولانا کے خصوصی تعلقات تھے) تو مولانا مرحوم نے سفر سے واپسی پر اپنے سفر کی آمد و خرچ کا مفصل حساب مدرسہ میں داخل کیا، وہ رجسٹر میں نے خود پڑھا۔ اس میں ایک جگہ لکھا تھا کہ کلکتہ میں فلاں جگہ میں اپنے دوست سے ملنے گیا تھا، اگرچہ وہاں چندہ خوب ہوا، لیکن میری نیت دوست سے ملنے کی تھی اس لئے وہاں کی آمد و رفت کا اتنا کرایہ حساب سے وضع کر لیا جائے"۔

(۲) حضرت اقدس سیدی مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ جب یکسالہ قیام حجاز

کے بعد ۱۳۳۴ھ کے آخر میں مظاہر علوم میں واپس تشریف لائے، تو میرے والد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا شروع ذیقعدہ میں انتقال ہو چکا تھا، حضرت نے مدرسہ سے تنخواہ لینے سے یہ تحریر فرما کر انکار کر دیا، کہ میں اپنے ضعف دیری کی وجہ سے کئی سال سے مدرسہ کا کام پورا نہیں کر سکتا، لیکن اب تک مولانا محمد یحییٰ صاحب میری نیابت میں دورہ کے اسباق پڑھاتے تھے، اب چونکہ ان کا انتقال ہو چکا ہے، اور مدرسہ کی تعلیم کا پورا کام نہیں کر سکتا اس لئے قبول تنخواہ سے معذور ہوں ۔ ۔ ۔ ۔

(۳) مظاہر علوم کا سالانہ جلسہ ہوتا تھا، میں نے اکابر مدرسین و ملازمین میں سے کبھی کسی کو جلسہ کے کھاتے یا چائے پان کو کھاتے نہیں دیکھا، جملہ مدرسین و ملازمین اپنا اپنا کھانا کھاتے تھے البتہ حضرت قدس سرہ مدرسہ کے خصوصی مہمانوں کے ساتھ کھاتے تھے، لیکن حضرت کے مکان سے دس بارہ آدمیوں کا کھانا آتا تھا، جو متفرق مہمانوں کے سامنے رکھدیا جاتا تھا، اسی میں سے حضرت نوش فرماتے تھے، مدرسہ کی کوئی چیز کھاتے نہیں دیکھا، مولانا عنایت علی صاحب مہتمم مدرسہ دو شب و روز مدرسہ کے اندر رہتے، اور دن کو ظہر کے وقت اور رات کو ۱۲ بجے اپنے دفتر کے کونے میں بیٹھ کر اپنا ٹھنڈا اور معمولی کھانا تنہا کھا لیتے تھے۔

(۴) میرے والد صاحب (حضرت مولانا محمد یحییٰ) قدس سرہٗ کے زمانے میں مدرسہ کا مطبخ، جاری نہیں ہوا تھا نہ مدرسے قریب کسی طباخ کی دوکان تھی، جامع مسجد کے قریب ایک طباخ کی دوکان سے کھانا آیا کرتا تھا، سردی کے زمانے میں وہاں سے آتے آتے خصوصاً شام کو ٹھنڈا ہو جاتا تھا تو سالن کے برتن کو مدرسہ کے حمام کے سامنے اندر نہیں بلکہ باہر رکھوا دیتے تھے، اس کی تپش سے وہ تھوڑی دیر میں گرم ہو جاتا تھا، تو ہر ماہ دو تین روپے یہ فرما کر چندہ میں داخل کرتے تھے کہ مدرسہ کی آگ سے انتفاع ہوا ہے، تنخواہ تو میرے والد صاحب نے اپنے سات سالہ قیام مدرسہ میں کبھی لی ہی نہیں۔

(۵) حضرت مولانا عنایت الٰہی صاحب مدرسہ (مظاہر علوم) کے مہتمم بھی تھے، مفتی بھی تھے

اور عدالتی تمام کاروبار ان ہی کے ذمہ تھا، لیکن دفتر میں ان کے پاس دو قلمدان رہتے تھے، ایک ذاتی ایک مدرسہ کا، ذاتی قلمدان میں کچھ ذاتی کاغذ بھی رکھے رہتے تھے، اپنے گھر کوئی ضروری پرچہ بھیجنا ہوتا، تو اپنے قلمدان سے لکھتے تھے، مدرسہ کے قلمدان سے کبھی نہیں لکھتے تھے۔

اُولٰئک آبائی فجئنی بمثلھم
اذا جمعتنا یا جریر المجامع

خدا یاد آئے جن کو دیکھ کر وہ نور کے پتلے
نبوت کے یہ وارث ہیں، یہی ہیں ظلِّ رحمانی

یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
انھیں کے اتقاء پر ناز کرتی ہے مسلمانی

انہیں کی شان کو زیبا نبوت کی وراثت ہے
انہیں کا کام ہے، دینی مراسم کی نگہبانی

رہیں دنیا میں اور دنیا سے بالکل بے تعلق ہوں
پھریں دریا میں اور ہرگز نہ کپڑوں میں لگے پانی

اگر خلوت میں بیٹھے ہوں تو جلوت کا مزہ آئے
اور آئیں اپنی جلوت میں تو ساکت ہو سخندانی

مدارس میں اسبابِ تعیش کا میں مخالف ہوں۔

ارشاد فرمایا:- ہمارے یہاں اسٹرائک میں ایک مطالبہ تھا، کہ دارالطلبہ کے صحن میں ایک بلب سو واٹ کا ہونا چاہیئے، میں نے کہا کہ لگانے میں ہمیں کوئی حرج نہیں، مگر ذرا ان درخواست کنندگان سے پوچھ لو، ان کے گھر میں کیا جلتا ہے، چراغ ہی جلتا ہوگا۔

میں اپنے مدرسے میں بجلی کے پنکھوں کے لگانے کا مخالف رہا ہوں، حضرت ناظم صاحب (مولانا عبداللطیف رحمۃ اللہ علیہ) رنگون سے مظاہر علوم میں بجلی کے پنکھوں کے لئے رقم لائے، میں نے عرض کیا کہ میری زندگی میں تو لگیں گے نہیں، بعد میں رنگون والوں نے مطالبہ کیا، میں نے کہا کہ اگر پیسوں کا مطالبہ ہے تو واپس کردو، مگر بعد میں مولانا اسعد اللہ صاحب نے اپنے دورِ نظامت میں لگوا دیئے، مدرسہ والوں کا عام دستور ہے کہ جب کہیں سے کچھ مل جاتا ہے، تو واپس نہیں کرتے،

میری مخالفت کی وجہ یہ ہے کہ اگر ابتدا ہی سے طالب علم متنعم و معشوق رہے گا، تو کسی مسجد یا مدرسہ میں معمولی تنخواہ میں کیا کام کرے گا بلکہ اس کو لمبی تنخواہ چاہیئے اگر یہ نہ ملے گی تو دکان وغیرہ کرے گا۔

اپنے مکان میں بجلی لگوانے کی مخالفت فرمایا:۔ ایک صاحب جو حضرت اقدس مدنی نور اللہ مرقدہ کے متعلقین میں تھے اور مجھ سے بھی عقیدت رکھتے تھے، انہوں نے دیوبند جاکر حضرت کے مکان میں بجلی لگوائی، اس کے بعد میرے پاس آئے اور کہا کہ میں آپ کے مکان میں بجلی لگوانا چاہتا ہوں، میں نے عذر کیا کہ اس کے اخراجات مجھ سے ادا نہ ہوں گے، انہوں نے کہا کہ یہ میرے سر رہیں گے پھر بھی میں نے عذر کیا انہوں نے کہا کہ حضرت مدنیؒ کے یہاں میں لگوا آیا ہوں، میں نے کہا کہ حضرت تو سال میں کئی مرتبہ جیل جاتے ہیں، میں بھلا ان کی ریس کیا کر سکتا ہوں، مگر ادھر اگر میری معذوریوں کے بعد میری عدم موجودگی میں مولوی نصیر اور ابوالحسن نے لگوا ہی دی۔

سادگی ارشاد فرمایا:۔ حدیث میں آیا ہے "وایاک والتنعم فان عباد اللہ لیسوا بالمتنعمین"۔ عیش پرستی سے بچو، کیونکہ اللہ کے مخصوص بندے عیش پرست نہیں ہوتے۔

حضرت اقدس گنگوہیؒ حج کے لئے تشریف لے گئے، بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے مطاف کے کنارے ایک نابینا بزرگ تشریف فرما تھے، جب طواف میں حضرت اس طرف گزرے تو وہ (البس لباس الصالحین) ہلکی آواز سے کہتے اور جب حضرت طواف سے فراغت پر اس طرف تشریف لے گئے تو انہوں نے اپنا کرتا سامنے کر کے خشن خشن (موٹا موٹا) فرمایا، جس سے تنبیہ مقصود تھی کہ صلحاء کا لباس موٹا کپڑا ہے[1]۔

مقوی کھانا کھانے سے میں منع نہیں کرتا کیونکہ اس سے دماغ میں قوت آئے گی، البتہ گلاب جامن وغیرہ کھانے سے تقویت نہیں آئے گی، لیکن اچھا وعمدہ کپڑا پہننا بالکل بے کار ہے، نفس موٹا ہوتا ہے، موت کو یاد رکھو، زیادہ پرہیز کے پیچھے نہ پڑو۔

---

[1] مقصد یہ ہے کہ جب حق تعالیٰ نے باطن کو صالح بنایا ہے، تو لباس بھی صالحین کا اختیار کرو دوسری قسم کے لباس سے کب تک صلاح باطن چھپاؤ گے، (افادہ حضرت مفتی محمود الحسن صاحب مد ظلہ)

چھٹی مجلس

۶ر رمضان المبارک

ہر چیز میں میری تقلید نہ کرو فرمایا:۔ الحمدللہ مجھے بیماری میں پرہیز وغیرہ کی ضرورت ہی نہیں تھی، ایک مرتبہ مجھے پھنسیاں نکل آئی تھیں اور ان سے رال بہہ رہی تھی، گنگوہ سے ایک حکیم صاحب آئے انہوں نے مجھ کو کاڑھا پلایا جو تین دن پکایا گیا تھا، انتہائی کڑوا ہوگیا تھا، میں نے اس کو پیا، مگر کسی طرح آرام نہیں ہوتا تھا، نمک مرچ وغیرہ میرے لئے حکیموں نے بند کردیا اس زمانے میں حکیم ایوب اور مولوی نصیرالدین مجھ سے مقامات حریری پڑھتے تھے میں باہر کے کمرے میں ان کو پڑھاتا، میری والدہ نے فقیروں کے لئے میری جیب میں کچھ پیسے ڈال رکھے تھے، مجھ سے زیادہ فقیر کون ہوگا، میں نے مولوی نصیر کو پیسے، دیئے کہ بازار سے کباب لاؤ، اس میں خوب مرچیں تھیں، وہ کباب لایا اور میں نے خوب کھایا، دو ڈھائی گھنٹے تک تکلیف کی شدت سے موت یاد آنے لگی اس کے بعد قضاء حاجت کی ضرورت ہوئی اسی وقت ساری، پھنسیاں خشک ہوگئیں میں جب باہر آیا تو لوگوں نے پوچھنا شروع کیا، میں نے کہا دو دن کے بعد تبلاؤں گا، بھائی تم لوگوں کو ہر چیز میں میری حرص نہ کرنی چاہیئے۔

راقم نے یہ واقعہ بھی سنا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہ بیمار تھے، حضرت اقدس مدفیوضہم ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے معلوم ہوا کہ ان کو ۱۰۲ ڈگری بخار ہے، حضرت نے فرمایا ذرا مجھے تھرمامیٹر لگا کر دیکھو، چنانچہ لگایا گیا، تو حضرت اقدس کو آخری ڈگری تک بخار تھا، اس پر حضرت ناظم صاحب اور دیگر خدام حیرت زدہ رہ گئے، اس لئے کہ اسباق اور معمولات میں کوئی فرق نہیں تھا۔

کتابوں کی رائلٹی ارشاد فرمایا:- میری کتابوں پر کوئی رائلٹی نہیں ہے. طبع کرانے کی عام اجازت ہے، مگر صحت کا خاص اہتمام رکھا جائے کلکتہ کے ایک صاحب نے فضائل کی کتابوں کو طبع کرایا ایک جگہ اس میں ایک سطر درمیان سے چھوٹ گئی تھی اور وہاں کسی مسجد میں پڑھی جارہی تھی ایک مولوی صاحب نے اعتراض کر دیا کہ یہ غلط ہے ان کا اعتراض صحیح تھا، مگر عقیدت مندوں نے ایک ہنگامہ کر دیا کہ "حضرت شیخ پر اعتراض" ہ چنانچہ مجھے اطلاع کی گئی، میں نے اس عبارت کی تحقیق و تصحیح کر کے وہاں مطلع کیا، تب جا کر جھگڑا ختم ہوا. بھائی میری کسی بات کی جب تک کسی مفتی سے تحقیق نہ کرلو، میرا اتباع نہ کرو.

بغیر واقفیت کے مسائل میں رائے زنی گمراہ کن ہے ارشاد فرمایا:- میرے والد صاحب نوراللہ مرقدہٗ گرمی کے موسم میں موچیوں کی مسجد میں رہتے تھے، اس زمانے کے طالب علم بڑے نیاز مند ہوتے تھے، آج کل کی طرح نہیں کہ وہ اپنے کو علام سمجھتے ہیں اور اپنا کرم سمجھتے ہیں کہ استاد سے پڑھ رہے ہیں اس زمانے میں مظاہر علوم میں ولایتی طالب علم کثرت سے آتے تھے، وہ خدمت کرتے تھے، پیر دباتے تھے ایک مرتبہ گرمی کے موسم میں والد صاحب بیٹھ کر غسل فرما رہے تھے اور وہ لوگ پانی کے ڈول نکال نکال کر ڈالتے جارہے تھے محلہ کے ایک وکیل صاحب نے اعتراض کیا، کہ یہ اسراف ہے، اس طرح غسل کرنا کہاں جائز ہے"؟ والد صاحب نے فرمایا میرے لئے جائز ہے، ان کو حیرت ہوئی انہوں نے کہا کہ مولویوں کے لئے ہر چیز جائز کیوں؟ والد صاحب نے فرمایا کہ مولوی مسائل جانتا ہے اور تم ناواقف ہو، اس وقت میرا یہ غسل تبرید (ٹھنڈک حاصل کرنے) کے لئے ہے. اس میں تین مرتبہ پانی ڈالنے کی قید نہیں ہے.

فرمایا:- الاعتدال میں شامی کے حوالہ سے لکھا ہوا ہے کہ "اگر کوئی شخص قربانی کے لئے جانور خریدے اور وہ گم ہو جائے، اس کے بعد وہ دوسرا جانور قربانی کی نیت سے خریدے اور پھر پہلا جانور بھی مل جائے، اگر یہ شخص غریب ہے جس پر قربانی واجب نہیں ہے تو اس کے ذمہ دونوں کی قربانی ضروری ہے اور اگر امیر ہے تو صرف ایک جانور کی قربانی کافی ہے، جس جانور کی دل چاہے

قربانی کردے اور دوسرے کو بیچ دے یا جو چاہے کرے۔

مسئلہ بالکل صاف ہے، لیکن اصول سے واقفیت پر مبنی ہے، محض ذہانت اس میں کیا تیر چلائے، دوسرا مسئلہ علامہ شامی نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص نماز میں رکوع کرنا بھول جائے، نماز کے بعد یاد آئے، اگر اس نے سنت کے موافق متقی اور نیک لوگوں کی سی نماز پڑھی ہے تو فاسد ہو گئی اس کا اعادہ ضروری ہے اور اگر خلاف سنت نماز پڑھی ہے، ناواقف لوگوں کی سی نماز پڑھی ہے۔ جیسا کہ بہت سے لوگ آج کل پڑھتے ہیں، تو نماز ہو گئی۔

کیا روشن دماغ یا شستہ تقاریر و تحریرات سے بلا واقفیت اصول و حقائق شرعیہ اس نوع کے مسائل میں رائے زنی ہو سکتی ہے؟

فرمایا:۔ میری ایک بچی نے قاعدہ بغدادی شروع کیا، اس میں "آن، بان" کی تختی آئی، اس میں جب ہمزہ پر پہونچی، تو "ہمزان" پڑھا، اس کی ماں نے کہا کہ "یہ آن" ہے، مگر وہ اصرار کرتی رہی کہ اماں یہ "ہمزان" ہونا چاہیئے۔ ماں پریشان ہوئی، اور اس نے کہا جب تیرے ابا آئیں گے، تو ان سے پوچھ لینا، جب میں گیا تو اس نے وہی اعتراض کیا، میں نے کہا بیٹی ابھی تیری سمجھ تھوڑی ہے، ابھی تو تم آن پڑھو بڑی ہونے کے بعد سمجھ میں آجائے گی۔ بہر حال مسائل شرعیہ کے قواعد سے واقفیت کے بغیر رائے زنی گمراہ کن ہے

حوادث پر صبر جمیل

ارشاد فرمایا: میرے والد صاحب کا ۲۵ رمضان المبارک شب قدر کو انتقال ہوا، اور میری والدہ صاحبہ کا بھی اگلے سال ۲۵ رہی رمضان ۱۳۴۷ھ کو وصال ہوا، میں حکیم ایوب صاحب کی مسجد میں تراویح پڑھاتا تھا، میرے حضرت کا تقاضا تھا کہ میں حضرت کے ساتھ پڑھا کروں اور حکیم اسحٰق صاحب کا اصرار تھا کہ میں ان کی مسجد میں پڑھایا کروں، چنانچہ میں آدھ گھنٹہ میں سب نمازیں پڑھ کر حضرت کی تراویح کی پہلی رکعت میں آکر شامل ہو جایا کرتا تھا، تراویح کے بعد کھانا کھانے کا معمول تھا، مگر والدہ صاحبہ نے اپنے انتقال کی شب میں مجھے اصرار سے تراویح کے پہلے کھانا کھلا دیا تھا، نماز سے فراغت کے بعد حکیم صاحب نے مجھ سے کہا کہ گھر پر والدہ صاحبہ

کو دیکھ کر حضرت کے یہاں جاؤ، مجھے اندازہ تو ہو گیا تھا، چنانچہ جب میں گھر پر حاضر ہوا تو ان کا انتقال ہو چکا تھا، میرے حضرت پر میرے حوادث کا بہت اثر ہوتا تھا، میری پہلی بیوی کی کئی اولاد کا انتقال ہوا نظام الدین میں ایک بچہ پیدا ہونے اور اس کے انتقال کی خبر سہارنپور پہنچی، میں اس وقت "بذل المجہود" لکھنے کے لئے قلم لے کر بیٹھ گیا، حضرت نے فرمایا، مجھ سے تو لکھا یا نہیں جاتا، حضرت امام بخاریؒ نے کتاب الجنائز میں دو باب قائم کئے ہیں، ایک باب ہے "من جلس عند المصيبة يعرف فيه الحزن" ج ۱ صفحہ ۱۷۳، اور دوسرا باب ہے "من لم يظهر حزنه عند المصيبة" ج ۱ صفحہ ۱۷۳، پہلے باب میں اصحابؓ موتہ کی شہادت کا واقعہ ذکر کیا ہے کہ جب اس کی اطلاع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور دوسرے باب میں ایک صحابیہؓ کا واقعہ ذکر کیا ہے، جب ان کے ایک صاحبزادے کا انتقال ہوا تو انہوں نے انتہائی صبر کا مظاہرہ کیا۔ یہاں تک کہ بچے کا انتقال رات میں ہوا، اور صبح کو اپنے شوہر کو اطلاع دی۔

اس حادثہ پر مولوی یوسف مرحوم نے مجھے ایک نہایت رنج و غم کا خط لکھا، میں نے اس کو ڈانٹ کر جواب تحریر کیا کہ اس قدر غم نہیں کرنا چاہیئے، جب اس کا علم میرے چچا جان کو ہوا تو، انہوں نے مجھے ایک ڈانٹ کا خط لکھا، میں نے جواب میں لکھا کہ بخاری کے پہلے باب پر میرے حضرت کا عمل ہے اور دوسرے پر میرا، اس پر انہوں نے مجھے تنبیہ کا خط لکھا۔

جب حضرت اقدس کو والدہ مرحومہ کے انتقال کا علم ہوا تو حضرت اعتکاف میں تھے، فرمایا، استنجاء تو اپنے بس کا ہے، چنانچہ پیشاب کے تقاضے سے باہر تشریف لائے اور وضو کر کے نماز جنازہ پڑھائی

نماز میں لقمہ کا لطیفہ فرمایا: حضرت کے پیچھے دس بارہ حفاظ قرآن سنتے تھے ایک مرتبہ میں اپنی مسجد میں تراویح ختم کر کے آیا، تو معلوم ہوا کہ حضرت کی مسجد میں تراویح ہو رہی ہے۔ میں نماز میں شریک ہو گیا، چنانچہ حضرت نے نماز میں سورہ طلاق کی آیت "یا ایها النبی" الخ شروع فرمائی میں نے لقمہ دیا۔ یا ایها الذین آمنوا" تو حفاظ نے تصحیح کی، نماز ختم کرنے کے بعد حضرت نے دریافت فرمایا کہ تم نے اس طرح لقمہ کیوں دیا، میں نے عرض کیا کہ اس وقت میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ آگے

کے سارے صیغے جمع کے ہیں، حضرت نے فرمایا کہ کہیں اس میں بھی اجتہاد کیا جاتا ہے۔

بمۓ سجّادہ رنگیں کُن ... الخ کا مطلب ارشاد فرمایا:۔ کہ بڑوں کی چیزوں پر بغیر تحقیق نہ اعتراض کرنا مناسب ہے اور نہ عمل کرنا مناسب ہے۔

بمۓ سجادہ رنگیں کن گرت پیرِ مغاں گوید   کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

یہ شعر اپنی جگہ حقیقت ہے، پھر اس شعر کی تشریح فرمائی، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے کسی مولوی صاحب نے اس کا مطلب پوچھا اور بہت اصرار کیا، حضرت نے ان کو دس روپے دیئے اور کہا کہ فلاں گلی میں جاؤ، وہاں جو حسین و جمیل عورت ملے اس سے تعلق جوڑ لینا، چنانچہ وہ گئے، اور اس طرح کی ایک عورت کا پتہ معلوم کیا اس کے پاس پہنچے، اور اس کو وہ روپے دیئے مگر وہ عورت رونے لگی، انہیں حیرت ہوئی، انہوں نے اس سے رونے کی وجہ دریافت کی، اس نے کہا کہ یہ شنیع کام میں نے کبھی نہیں کیا ہے، انہوں نے اس سے کہا کہ تم پھر یہاں کیسے آگئی ہو؟ اس نے کہا کہ نکاح کے بعد رخصت ہوکر میں برات کے ساتھ جارہی تھی، راستے میں ڈاکو آپہنچے برات کو لوٹا اور مجھے یہاں لاکر فروخت کردیا، مولوی صاحب نے اس کے والد کا نام پوچھا تو معلوم ہوا کہ یہ ان ہی کی بیوی ہے اور یہ مولوی صاحب ہی اس کے شوہر ہیں۔

عملیات وتعویذات فرمایا:۔ میرے نانا مولوی یوسف صاحبؒ تھے، ان کے پاس بہت سے تعویذات تھے، انھیں عملیات میں بہت مہارت تھی ان کی بیاض میں نے دیکھی ہے، ان کے پاس ایک عمل تھا، جب کوئی بیمار ہوتا تھا، جس کے علاج سے سارے اطبّاء عاجز ہوجاتے تو ان سے اصرار کیا جاتا، چنانچہ وہ عمل کرتے تھے، دو ڈھائی گھنٹے کے بعد یا تو مریض اچھا ہوجاتا یا مرجاتا، اگر اچھا ہوتا تو کہتا کہ مجھے بھوک لگی ہے، میں نے بھی یہ کئی مرتبہ دیکھا ہے۔

ان کا ایک عمل چور کے لئے تھا، جب اس کے بارے میں ان سے کہا جاتا، تو انکار کرتے اور فرماتے سب تم ہی کھاؤ گے، چور نہیں کھائے گا، مگر جب کبھی عمل شروع کرتے، تو چور

کو دست آنے لگتے وہ اس کی تحقیق کراتے، جب پتہ معلوم ہو جاتا، تو چور تک پیغام کہلواتے، کہ وہ چیز واپس کر دو، ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے، البتہ چور کا نام نہیں بتاتے تھے۔

انہوں نے مجھ سے اصرار سے فرمایا کہ یہ تعویذات و عملیات میری عمر بھر کی کمائی ہیں تم مجھ کو ایک مرتبہ سنا دو تو میں اجازت دے دوں میں طالب علم تھا، مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، بعد میں اپنے حضرت کے حکم و اجازت سے تعویذات لکھنا شروع کیا۔

ساتویں مجلس

۷ رمضان المبارک

حضرت سہارنپوریؒ سے بیعت اور ذکر میں انہماک

ارشاد فرمایا :- شوال ۳۳ھ میں میرے حضرت سہارنپوری (حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ) اپنے طویل قیام کے ارادے سے حجاز مقدس کا قصد فرما رہے تھے لوگ کثرت سے بیعت ہو رہے تھے، مجھے بھی بچوں کی طرح دیکھا دیکھی اس کا جذبہ پیدا ہوا، حضرت سے جاکر عرض کیا، حضرت نے فرمایا کہ جب میں مغرب کے بعد نفلوں سے فارغ ہو جاؤں، اس وقت آجانا، مولانا عبد اللہ گنگوہی، جو خلافت سے بھی سرفراز ہو چکے تھے، انہوں نے بھی تجدید بیعت کی درخواست کر رکھی تھی حضرت نے فراغت کے بعد ہم دونوں کو قریب بلایا اور اپنے دونوں ہاتھ ہم دونوں کو پکڑا دیئے اور بیعت کے الفاظ کہلوانے شروع کیے، مولانا عبد اللہ صاحب نے ہچکیوں کے ساتھ دھاڑیں مار مار کر رونا شروع کیا، جس کا اثر حضرت پر بھی تھا، حضرت کی آواز بھر گئی اس وقت والد صاحب (حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ) اور حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب رائپوری نور اللہ مرقدہٗ اوپر بیٹھے ہوئے تھے، والد صاحب یہ آواز سن کر منڈیر پر دیکھنے کے لئے آئے، دیکھا تو میں بیعت ہو رہا تھا، اس پر انہیں بہت تعجب ہوا، اور احساس ہوا کہ بلا علم و اطلاع کے اتنا بڑا کام کر لیا۔ لیکن حضرت رائپوریؒ نے تصویب فرمائی اور بہت دعائیں دیں۔

جب "بذل المجہود" کی طباعت کا معاملہ آیا، تو پہلے اس کا انتظام میرٹھ میں شروع کیا گیا، اس

کے بعد تھانہ بھون میں مولانا شبیر علی صاحب کے پریس میں اس کو منتقل کر دیا گیا، اس زمانے میں میرا معمول تھا کہ جمعرات کی شام کو تھانہ بھون جاتا اور سنیچر کی صبح کو واپس آتا یہ سفر ہر ہفتہ یا پندرہ دن میں ایک مرتبہ پیش آتا اس میں جب کبھی اتوار کو پریس کی چھٹی نہ ہوتی تو ایک آدھ دن بڑھ جاتا، میں نے بیعت کے بعد ذکر و شغل نہیں کیا، میرے چچا جان میرے مربّی تھے، فرمایا کرتے تھے کہ کچھ تھوڑا بہت ذکر و شغل کر لیا کرو، میں نے کہا "ہر کسے را بہر کارے ساختند"۔ میں مشکوٰۃ شریف پڑھاؤں، اور اس کا مطالعہ کروں یا ذکر و شغل کروں، مگر تھانہ بھون کے اس سفر میں حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی جو میرے استاد بھی ہیں، نحو میر وغیرہ میں نے ان سے پڑھی ہے، اس زمانے میں ان کو نئی نئی خلافت ملی تھی، بہت خواب و مکاشفے وغیرہ سنایا کرتے تھے، ہم لوگ ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے، انھوں نے ایک دن ایک پرچہ پر میرے لئے اجازت نامہ لکھ دیا، میں نے انکار کیا کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں وہ فرماتے کہ ایسے ہی کہا جاتا ہے، میں اپنے دل میں یہ سوچتا رہا کہ اگر اسی طرح اجازت مل جاتی ہے تو یہ بہت آسان چیز ہے، مگر مولانا ظفر احمد صاحب کے اجازت نامے کے بعد میرے دل میں یہ خیال آیا کہ کچھ ذکر و شغل کر لینا چاہیئے۔ میں نے حضرت سہارنپوریؒ کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا کہ حضرت اگر اجازت ہو تو کچھ دن مدرسہ سے چھٹی لے کر میں ذکر و شغل کر لوں، حضرت نے جواب دیا کہ مدرسہ سے چھٹی لینے کی ضرورت نہیں تعلیمی مشاغل کے ساتھ کچھ کر لیا کرو، چنانچہ میں نے شروع کر دیا، اس کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ ذکر و تعلیم دونوں کو ایک ساتھ نباہا جا سکتا ہے، حضرت اقدس گنگوہیؒ کو اعلیٰ حضرت حاجیؒ صاحب نے جب اجازت دی تو فرمایا کہ "ہمیں تو جو کچھ کرنا تھا کر چکے، آگے تمھارا کام ہے"۔ حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں: "پھر تو میں مر مِٹا"۔

سالک اسے کہتے ہیں، جو چلتا رہے، آخر زندگی تک آدمی کو کوشش کرتے رہنا چاہیئے۔

اے برادر بے نہایت در گہیست | ہر چہ بروے می رسی بروے مایست

ارشاد فرمایا:۔ میں ذکر و شغل کا نہیں تھا، مجھے کیا خبر تھی کہ سب بڑے چل دیں گے اور تم لوگوں کے لئے میں ہی رہ جاؤں گا۔

بڑے دردو رقت سے فرمایا :- اگر مجھ سے کچھ تکلیف ہو جائے اور تم میں سے کسی کو فائدہ ہو جائے، تو میں تیار۔

اوقات کی قدر و قیمت فرمایا :- اوقات بہت قیمتی ہیں، زندگی کا جو وقت مل گیا ہے اس کی قدر پہچاننی چاہیئے۔ حدیث میں آیا ہے۔ "فلیتزود العبد من نفسہ لنفسہ ومن حیاتہ لموتہ ومن شبابہ لکبرہ ومن دنیاہ لآخرتہ الخ" بندے کو چاہیئے کہ وہ اپنی زندگی میں اپنے لئے، اور زندگی میں موت سے پہلے اور نوجوانی میں اپنے بڑھاپے سے پہلے اور اس دنیا میں آخرت سے پہلے زادِ راہ تیار کرلے۔

تیرا ہر سانس نخلِ موسوی ہے
یہ جزر و مد جواھر کی لڑی ہے

آٹھویں مجلس

۸ ر رمضان المبارک

حضرت مدنیؒ و حضرت رائپوریؒ کے اخلاق
۱۱ منٹ میں ۱۲ آدمیوں کا کھانا پکانا

آج کھانا کھانے کے دوران میں ایک بہت بڑا مجمع بغیر اطلاع کے آگیا تھا، اس لئے کھانا کم ہوگیا تھا، خدام بھی باقی رہ گئے، اس کی حضرت کو بہت فکر ہوئی اور کھانے کا نظم کیا گیا ارشاد فرمایا: حضرت اقدس مدنیؒ و حضرت اقدس رائپوری کو حق تعالیٰ شانہٗ بہت بلند درجے عطا فرمائے، اکابرین میں نے حضرت شیخ الہندؒ کا زمانہ بہت کم پایا، ۱۳۳۷ھ تک تو گویا ہم قید میں رہے، حضرت شیخ الہندؒ ۱۳۳۳ھ میں حج کے لئے تشریف لے گئے، وہاں سے سات سال کیلئے مالٹا جیل میں اسیر بنا کر بھیج دیئے گئے اور مالٹا سے واپسی کے بعد ڈیڑھ سال بیمار رہے، اس کے بعد انتقال ہوگیا۔

حضرت اقدس مدنیؒ کا معمول تھا کہ جب کبھی لکھنؤ یا رڑکی کی طرف جانا ہوتا تو میرے مکان پر ضرور ہوکر تشریف لے جاتے خواہ دس منٹ کے لئے ہو، ایک مرتبہ ۱۱ بجے رات میں عین بارش میں تشریف لائے اور آکر فرمایا کیواڑ کھولو، میں نے کہا کون؟ جب دروازہ کھولا تو فرمایا، آج گاڑی دو گھنٹہ لیٹ تھی، میں نے سوچا کہ تمہارا درشن کرتا جاؤں، میں نے (بربنائے محبت) عرض کیا کہ ان مبارک ہونٹوں سے مجھے یہ الفاظ اچھے نہیں لگتے، پھر میں نے چائے پلائی۔

ایک مرتبہ ۱۲ بجے دن میں تشریف لائے، ملاقات پر میرے دونوں ہاتھوں کو بوسہ دیا،

جب میں نے اس کی کوشش کی تو اس کا موقع نہیں دیا، حضرت کے پیچھے مولانا مبارک صاحب تھے اور ان کے پیچھے اور کچھ حضرات تھے جن کی تعداد گیارہ تھی، مصافحہ ہوا، میں نے عرض کیا کھانا ؟ حضرت نے فرمایا کہ "اگر کھانا کھا لیا ہوتا تو ہم تمہارے یہاں کیوں آتے؟" میں ننگے پاؤں جلدی سے اندر گیا، میری بچیاں اب بھی تقاضہ کرتی ہیں کہ مہمانوں کا سالن ہم پکا دیا کریں، میں ان سے کہتا ہوں کہ بیس پچیس آدمی ہوتے تو خیر ممکن تھا، مگر ان پانچ سو کا دیگ پکانا مشکل ہے، ان کا مسلسل اصرار ہے کہ مہمانوں کا کوئی کام ہمارے ذمہ کیا جائے۔

بہر حال جب میں اندر گیا تو گھر والوں نے بتایا کہ اس وقت روٹی و سالن کوئی چیز موجود نہیں آٹا موجود تھا، میں نے کہا کہ اس کو گوندھو میں جلدی سے سالن کے قسم کی کوئی چیز خرید کر لاتا ہوں، میں باہر آیا تو ہمارا صوفی گوشت والا آ رہا تھا، اس نے کہا کہ قیمہ کا دو سیر گوشت ہے، میں اس کو لے کر اندر آیا، آٹا گوندھا جا چکا تھا اور پتیلی میں گھی و مسالا ڈالا جا چکا تھا، انہوں نے جلدی سے اس میں گوشت دھو کر ڈالا، یہ میری کرامت سمجھو یا حضرت مدنیؒ کی میں اندر سے باہر آیا اور ان لوگوں کا ہاتھ دھلایا یہ حضرات ۱۲ نفر تھے، ۱۱ منٹ میں دسترخوان پر گرم گرم روٹیاں و قیمہ آگیا اس میں کوئی مبالغہ نہیں، میں نے دسترخوان پر ان حضرات کو بٹھا دیا، حضرت علامہ ابراہیم صاحبؒ نے فرمایا "کیا آپ کو ہمارے آنے کی اطلاع تھی؟ یا آپ کو کشف ہو گیا تھا، میں نے کہا آپ کے اس گھر میں آنے کے بعد گوشت خریدا گیا ہے انہیں تعجب ہوا فرمایا کہ "یہ بات عقل میں نہیں آتی" میں نے کہا کہ ساری باتیں معقولات سے تعلق نہیں رکھتیں روٹی کھاؤ حضرت نے بھی فرمایا روٹی کھاؤ، پھر حضرت نے بھی فرمایا کہ میں مولانا محمد اشفاق صاحب (اعلیٰ حضرت رائپوری کے بھانجے دارالعلوم کے ممبر شوریٰ) کی تعزیت کے لئے رائپور جا رہا ہوں، تنہا آ رہا تھا جب ان لوگوں کو معلوم ہوا تو یہ بھی ساتھ ہو گئے۔

ایک مرتبہ عصر کے بعد میری مجلس میں ۸، ۱۰ آدمی آئے، میں نے کہا کیسے آنا ہوا؟ انہوں نے بتایا کہ "ہم رڑکی سے آ رہے ہیں، وہاں جلسہ ہے آپ کو لے جانا چاہتے ہیں" میں نے ان سے کہا کہ ناظم صاحب کو لے جاؤ، میں تقریر کا آدمی نہیں، اور نہ کبھی میرے باپ نے تقریر کی، مگر جب انہوں نے بہت اصرار

کیا، تو میں نے ناراضگی کا اظہار کیا، وہ سب چلے گئے، اس میں کا ایک آدمی رہ گیا، اس نے کہا کہ "ہم دیوبند سے آرہے ہیں، جلسے میں حضرت مدنی تشریف لانے والے تھے، اگر حضرت کی طبیعت خراب ہے، ہم نے اصرار کیا تو انہوں نے فرمایا کہ بشرطیکہ حضرت شیخ الحدیث چلیں تو میں آسکتا ہوں اس لئے یہ سب لوگ حاضر ہوئے تھے

اس طرح کے کئی واقعات حضرت مدنیؒ کے سنائے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "آپ بیتی" ۴ ۔

فرمایا:۔ حضرت اقدس رائپوریؒ کا ابھی اخیر بیماری میں جس کا سلسلہ پانچ چھ سال تک جاری رہا پیام آیا کہ دیکھو جب تک میری صحت تھی میں ہر مہینہ آپ کی زیارت و ملاقات کے لئے آیا کرتا تھا، حضرت کا معمول تھا کہ ہر مہینہ میں تین دن کے لئے، یہاں تشریف لاتے تھے اب تمہاری زیارت تمہارے ہاتھ میں ہے میں نے اس کو خوب نباہا۔

مولوی یوسف صاحبؒ اپنے ایک سفر حج میں مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے میں نے ان سے کہا کہ تم جاؤ، اگر آنا ہوا تو میں حضرت کے ساتھ آجاؤں گا، حضرت کی طبیعت اس زمانے میں زیادہ خراب تھی، بہٹ ہاؤس میں قیام تھا میں نے حضرت سے عرض کیا کہ دو تین دن کے لئے نظام الدین جانا چاہتا ہوں، حضرت نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے میرا انتقال ہو جائے، جب میں نے یہ دیکھا تو اپنا سفر ملتوی کر دیا، حضرت کا قیام تین مہینے رہا میں روزانہ سبق پڑھا کر بہٹ ہاؤس جاتا تھا۔

فرمایا:۔ یہ دونوں حضرات بڑے تحمل و دلداری کے تھے۔

ارشاد فرمایا:۔ ایک مرتبہ حضرت رائپوریؒ پنجاب سے تشریف لا رہے تھے اور سہارنپور میں ایک تبلیغی اجتماع تھا، مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی اسلامیہ اسکول میں تقریر تھی جلسہ سے فارغ ہو کر دو بجے رات کو ہم لوگ حضرت کو لینے اسٹیشن گئے، میں نے شاہ مسعود سے کہا کہ صبح کی نماز سے پہلے ہی اپنی موٹر یہاں لانا، تاکہ نماز کے بعد فوراً حضرت رائے پور تشریف لے جائیں کہیں حضرت نور اللہ مرقدہ نے سن لیا، تو فرمایا کہ "میں نے تو دو تین دن قیام کا قصد کیا تھا" میں نے عرض کیا کہ بالکل نہیں، صبح کی نماز سے پہلے چائے پی کر رخصت ہو جائیے، بھائی الطاف کو بہت تاؤ آیا، حافظ

عبدالعزیز صاحب نے بھی دبی زبان سے ناگواری کا اظہار کیا، بہرحال حضرت رائے پور تشریف لے گئے تو وہاں کے حضرات سے فرمایا، کہ دیکھو محبت کی باتیں ہیں، مجھے گرمی کی شدت سے ، سہارنپور ٹھیرنے نہیں دیا۔"

نویں مجلس

۹ رمضان المبارک

رمضان المبارک میں قلّتِ طعام سے ضعف نہیں پیدا ہوتا

ارشاد فرمایا:۔ کہ میرا تجربہ ہے کہ روزہ سے قوت آتی ہے اور غیر رمضان میں فاقہ سے ضعف پیدا ہوتا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صوم وصال رکھا اور چند دن صحابہ کرامؓ نے بھی آپ کے ساتھ رکھا، مگر آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو منع فرمادیا، اس کے ساتھ یہ بھی پیش نظر رہے کہ بعض غزوات میں بھوک کی شدت کی وجہ سے صحابہ کرامؓ کو پیٹ پر پتھر باندھنے پڑے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بطن مبارک پر دو پتھر باندھنے پڑے، بظاہر دونوں روایتوں میں تعارض ہے میرے نزدیک ایک توجیہ یہ ہے کہ پہلا واقعہ رمضان کا ہے اور دوسرا غیر رمضان کا۔

امام بخاریؒ نے تین دن تک ایک ایک بادام پر گزر کیا، حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوریؒ کے بارے میں سنا ہے کہ رمضان المبارک میں بے دودھ کی چائے کے چند فنجان کے سوا اور کوئی چیز نہیں کھاتے تھے، ایک مرتبہ حضرت کے مخلص خادم حضرت مولانا عبدالقادر صاحبؒ نے لجاجت سے عرض کیا کہ حضرت ضعف بہت بڑھ جائے گا حضرت تو کچھ تناول نہیں فرماتے"، حضرت نے فرمایا: "الحمدللہ جنت کا لطف حاصل ہو رہا ہے"۔

فرمایا:۔ میرا اتالیق ابوالحسن مسلط ہے، کھانے پر اصرار کرتا ہے، میں کہا کرتا ہوں کہ تقلیلِ طعام حکیم کے مشورے کے بغیر کوئی نہ کرے۔

محبت کی تنقید بُری نہیں معلوم ہوتی

ارشاد فرمایا:۔ مجھے اپنے اوپر تنقید بری نہیں لگتی، بشرطیکہ اخلاص و محبت سے ہو میرے دوستوں میں قاری سعید صاحب (مفتی اعظم مظاہر علوم) میرے مخلص تھے، ان سے زمانۂ طالب علمی ہی میں میری لڑائی رہی ہے۔ مجھ سے ابتداء میں ان کے تعلقات کچھ اچھے نہیں تھے اس لئے کہ وہ بھی صاحبزادے تھے اور قاری محمد حسین استاذ الکل کے خاص شاگرد تھے، قاری صاحب حضرت گنگوہیؒ کے مرید تھے اور ایسے تھے کہ وہ حضرت مدنیؒ کو بھی ٹوک دیا کرتے تھے، فرماتے تھے کہ انگریزوں کے ہندوستان سے چلے جانے کے بعد بھی آپ کو خضاب کی ضرورت ہے؟ میرے یہاں صاحبزادوں کی پٹائی خاص طور سے ہوتی تھی، قاری سعید مرحوم ۵۵ھ میں مدرسہ کے نائب مفتی مقرر کئے گئے، اس سے پہلے مدرس تھے اور قاری محمد حسین صاحب نے میرے حضرت اقدس کے انتقال کے بعد یہاں آنا بند کر دیا (وہ رمضان المبارک میں عصر کے بعد کا قرآن سنتے تھے) ایک دن راستے میں قاری سعید صاحب سے ملاقات ہوئی میں نے ان سے کہا کہ رمضان میں میرے چند پارے سن لیا کرو انہوں نے جواب دیا کہ بشرطیکہ ناظم صاحب اجازت دیں مجھے یہ جواب بہت پسند آیا، چنانچہ ناظم صاحب کی اجازت کے بعد عصر کے بعد وہ میرا قرآن سنتے تھے چند مہینے کے بعد اجراڑہ میں مدرسہ کا جلسہ تھا، ناظم صاحب (حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب) اور میں دونوں اس مدرسہ کے سرپرست تھے میں نے جلسہ میں شرکت سے انکار کر دیا، ناظم صاحب کو بھی بروقت کوئی عذر پیش آگیا، بالآخر ہم دونوں نے طے کیا کہ اپنی طرف سے قاری سعید صاحب کو نمائندہ بنا کر بھیجیں گے، اور یہ وہاں کے معاملات کو طے کریں گے، اگر کوئی اہم مسئلہ ہوگا تو ہم دونوں سے مشورہ کر لیں گے، ہم نے یہ طے کر دیا، مگر قاری سعید صاحب عذر کرتے رہے کہ میں وہیں کا رہنے والا ہوں، کسی اور کو بھیجنا مناسب ہوگا۔ مگر ہم لوگوں نے انہیں کو بھیجا، اس زمانے میں میں اپنے آپ کو مدرسہ کے ہر کام کا گویا واحد ذمہ دار سمجھتا تھا، البتہ اپنا اختیار کبھی نہیں سمجھا، جب کتب خانہ جاتا ہر ایک کام کو دیکھتا، اگر کوئی بات معلوم ہوتی تو ناظم صاحب کے ذریعے حکم نامہ جاری کراتا، ناظم صاحب اس کو تحریر لکھ کر دیتے اور اس سے فرماتے کہ شیخ خفا ہو رہے تھے، تم جی نہ برا کرنا، میں جب کتب خانہ گیا تو وہاں رجسٹر طعام ی

میں قاری سعید صاحب کی تین دن کی رخصت لکھی ہوئی تھی، میں اوپر سے نیچے آیا اور قاری سعید صاحب سے مطالبہ کیا کہ تم نے رخصت کیوں لکھوائی ؟ تم کو تو ہم لوگوں نے بیکار مدرسہ بھیجا تھا، انہوں نے کہا کہ میرا وہاں وطن تھا، اس پر میں نے ان سے کہا کہ مجھے تم سے کوئی خاص ربط نہیں تھا، مگر اب میری تم سے دوستی ہوگئی دوپہر کا کھانا تم میرے ساتھ کھایا کرو، تیس سال سے زائد مدت تک وہ میرے ساتھ ہی دوپہر کا کھانا کھایا کرتے تھے، انہوں نے اپنے مرض الوفات میں مجھے ایک پرچہ لکھا کہ "تیس سال سے میں عید آپ کے ساتھ کرتا تھا، آج پہلی عید ہے، کہ میں حاضر نہ ہوسکا۔" میں اسی وقت اٹھ کر ان کے پاس گیا۔

حاصل یہ کہ مجھے ٹوک دیا کرو، مولانا منور صاحب ٹوک دیں تو مجھے بھلا معلوم ہوتا ہے۔

اسٹرائک سے نفرت ارشاد فرمایا:۔ طلباء عظام سے براہ راست معافی مانگتا ہوں، میرے دل میں تیس، چالیس سال پہلے ان کی بڑی وقعت تھی، میرے دسترخوان پر اگر کوئی طالب علم ہوتا تو مجھے خوشی ہوتی، شروع میں جو بھی نیا طالب علم میرے یہاں آتا، اس کا کھانا داخلہ امتحان اور مدرسہ سے کھانا جاری ہونے تک میں اپنے حساب میں مدرسہ سے جاری کرا دیتا تھا اور بعض طالب علموں سے کہہ بھی دیتا کہ تم میرے ساتھ کھانا کھایا کرو، اسٹرائک نے بند کرادیا، اس اسٹرائک سے دل میں نفرت ہے، ضب (گوہ) کے متعلق حضرت خالد بن ولیدؓ نے حضورؐ سے دریافت کیا، یا رسول اللہ کیا وہ حرام ہے ؟ حضور نے فرمایا کہ نہیں، لیکن ہمارے یہاں یہ جانور نہیں ہوتا، مجھے اس کے کھانے سے کراہیت ہوتی ہے (بخاری شریف) اگرچہ حنفیہ کے نزدیک بعد میں اس کی ممانعت بھی ہوگئی، لیکن جس وقت حرام نہیں تھا اس وقت بھی حضورؐ نے، طبعی کراہت کی وجہ سے کھانے سے انکار کر دیا، محبت و نفرت بے اختیاری چیز ہے، اس ناکارہ کو اسٹرائکوں سے نفرت ہے، اکابر میں سب سے پہلے ۴۵ھ میں حضرت تھانویؒ و حضرت مدنیؒ کے دور میں آئی ان دونوں کو اس سے انتہائی نفرت تھی۔

دیوبند کی ایک اسٹرائک کے موقع پر میرا دیوبند جانا ہوا، مدرسہ کے قریب ایک صاجزادے

جن کے والد کا تعلق مجھ سے اور حضرت رائپوری سے تھا وہ اسٹرائک میں شریک تھے بلکہ اسٹرائیکی سورما تھے، مجھے اس کی بالکل خبر نہیں تھی کہ وہ سورما بھی اس میں پیش پیش ہیں، میں جب باب الظاہر سے گزرا تو یہ بھی میرے ساتھ حضرت مدنیؒ کے یہاں حاضر ہوئے، حضرت کا چہرہ ان کو دیکھ کر سرخ ہوگیا اور مجھ پر شدید عتاب فرمایا کہ یہ چناں وچنیں مدرسہ میں اسٹرائک کراتا پھرتا ہے، اور آپ اس کو بغل میں لئے پھرتے ہیں، آپ نے اور مولانا عبدالقادر صاحب نے ان کا دماغ خراب کر رکھا ہے" میں نے عرض کیا، حضرت مجھے مطلق اس کی خبر نہیں تھی اور اس سے اشارہ کیا کہ بھاگ جا، بعد میں حضرت نے اس کی تلافی میں میری بہت دالداری کی، میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھ پر حضرت کے ارشاد کا بالکل اثر نہیں ہے، حضرت نے فرمایا کہ میں نے آپ کی شان میں گستاخی کی، میں نے عرض کیا اب تو ہوگئی سنا ہے کہ حضرت نے ان اسٹرائیکوں کے لئے سخت بد دعائیں کیں، جن کو سن کر میں لرز گیا۔

فرمایا:- حضرت شیخ المشائخ استاذ الکل شاہ عبدالعزیز صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے عربی میں ایک مختصر رسالہ تصنیف فرمایا ہے، جس کا نام "فیما یجب حفظہ للناظر" تحریر فرمایا ہے یعنی حدیث کی کتابوں کے دیکھنے والے کے لئے اس کا مطالعہ واجب ہے یہ رسالہ "لامع" کے مقدمہ میں بھی طبع ہو چکا ہے، اس رسالہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے جملہ کتب حدیث کو پانچ قسموں پر منقسم فرمایا ہے،" پہلا درجہ ان کتابوں کا ہے جن کو بے تکلف صحیح کہا جاسکتا ہے دوسرا درجہ ان کتابوں کا ہے جن کو صحیح تو نہیں کہا جاتا مگر قابل عمل کہا جاتا ہے، تیسرا درجہ ان کتابوں کا ہے جن میں ہر قسم کی احادیث صحیح وغیر صحیح پائی جاتی ہیں، چوتھا درجہ ان کتابوں کا ہے کہ ان کی احادیث کو بے تکلف ضعیف کہا جاسکتا ہے اور پانچواں موضوع احادیث کا۔" اس ناکارہ کا خیال یا تعامل ان دھانانِ رسولؐ کے متعلق تقریباً یہی رہا اور ہے کہ ابتدائی زمانہ میں جب بھی کسی مدرسہ کا کوئی طالب علم میرے پاس آتا میں کتب حدیث کے پہلے طبقے میں شمار کرتا، اور اب یہ حال ہے کہ جب کبھی کسی مدرسہ کا کوئی طالب علم آتا ہے تو پہلے دھلہ میں اس کو درجہ چہارم

پر سمجھتا ہوں اور اگر ظاہر حال سے صلاح و فلاح محسوس ہو تو درجہ سوم سے اوپر کرنے کی ہمت نہیں پڑتی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حضرت اقدسؒ کا رسالہ "اسٹرائک"۔

ارشاد فرمایا:۔ طالب علمو! تم تو بہت اونچے تھے مگر تم نے اپنے آپ کو خود ضائع کیا، کبھی ہماری صورتوں کو دیکھ کر غیر مسلم مسلمان ہوتے تھے اب ہماری صورتوں کو دیکھ کر نفرت کرنے لگے ہیں جو بوئے گا وہی کاٹے گا، کانٹا بوئے گا تو کانٹا پیدا ہوگا، پھول بوئے گا تو پھول پیدا ہوگا میں اپنے حضرتؒ کو اسٹیشن لینے کبھی نہیں گیا، بہانہ حرج کا ہوتا تھا، مگر حضرت مدنیؒ نے اس کی تلافی کرادی، تقسیم سے پہلے میری جیب میں پیسے نہیں ہوتے تھے البتہ تقسیم کے زمانے میں تو بڑی بڑی رقمیں لوگ میرے پاس امانت رکھتے تھے جو اکثر میری جیب میں پڑی رہتی تھیں،

ایک مرتبہ حضرت مدنیؒ کسی سفر سے آرہے تھے میں پیدل اسٹیشن گیا۔ خیال تھا کہ مولانا منظور احمد صاحب ضرور موجود ہوں گے، پلیٹ فارم ٹکٹ مل جائے گا، مگر جب میں وہاں پہونچا تو معلوم ہوا کہ سب اندر داخل ہو چکے ہیں، میں نے اسٹیشن ماسٹر سے کہا کہ اگر دے سکو تو ادھار پلیٹ فارم کا ٹکٹ دے دو، اس نے دے دیا میں اندر گیا، مولانا منظور احمد صاحب سے پیسے لے کر ادا کئے۔ مولانا نے اسٹیشن ماسٹر سے کہا کہ "کہیں ادھار ٹکٹ بھی دیا جاتا ہے"؟ اس نے کہا کہ "ہر ایک کو نہیں"۔

فرمایا:۔ میرے دوستو! مالک کے سامنے جھک جاؤ،

جو اللہ کے سامنے جھک جائے اسکے سامنے ساری مخلوقات جھک جاتی ہے۔

تو ساری چیزیں تمہارے سامنے جھک جائیں گی، صحابہ کرامؓ کے قصے معلوم ہیں، ایک مرتبہ افریقہ کے جنگل میں مسلمانوں کو چھاؤنی ڈالنے کی ضرورت پیش آئی اور ایسے جنگل میں جہاں ہر قسم کے درندے اور موذی جانور بکثرت تھے، حضرت عقبہؓ امیر لشکر چند صحابہؓ کو ساتھ لے کر ایک جگہ پہونچے اور اعلان کیا

ایھا الحشرات والسباع نحن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فارحلوا فانا نازلون فمن وجدناہ بعد قتلناہ "اے زمین کے اندر رہنے والے جانورو، اور درندو ہم صحابہؓ کی جماعت اس جگہ رہنے کا ارادہ کر رہی ہے اس لئے تم یہاں سے چلے جاؤ

اس کے بعد جس کو تم میں سے ہم پائیں گے قتل کردیں گے، یہ اعلان تھا یا کوئی بجلی تھی، جوان درندوں اور موذی جانوروں میں دوڑ گئی اور اپنے بچوں کو اٹھا اٹھا کر سب چل دیئے (اشاعہ) بوستان میں ایک قصہ ہے کہ ایک بزرگ چیتے پر سوار تھے ایک شخص نے دیکھا تو ڈر گیا تو اس بزرگ نے کہا

تو از حکم داور گردن نہ پیچ
کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو، ہیچ

دسویں مجلس

۱۰ ر رمضان المبارک

تنقید اگر اخلاص پر مبنی ہو تو محمود ہے ارشاد فرمایا:۔ میرا مکان جو کبھی صورتاً میرا تھا، اب صورتاً بھی میرا نہیں رہا، ابتدا میں والد صاحب نے پانچ روپے ماہانہ کرایہ سے لیا تھا اس مکان کو کوئی لینے کے لئے تیار نہ ہوتا تھا کیونکہ اس کے بارے میں شہرت تھی، جو اس میں رہتا ہے مر جاتا ہے، چنانچہ پہلے سال میرے ایک بڑے بھائی کا انتقال ہوا اور دوسرے سال میرے والد صاحب کا اور تیسرے سال میری والدہ صاحبہ کا۔ مولوی ممتاز گیاوی ابتدا میں وہ مظاہر علوم میں فارسی پڑھنے آئے تھے میں ان سے بالکل ناواقف تھا اور انتہا میں وہ میرے محبوب دوست ہو گئے، دستور کے مطابق وہ میرے مہمان ہوئے اور میرے مکان میں مقیم ہوئے ہفتہ عشرہ کے بعد مدرسہ سے اس نے اپنا کھانا قیمتاً جاری کرایا، اس نے اخیر میں مجھ سے ابو داؤد پڑھی ہے، اس کے اتنے طویل عرصہ قیام میں کسی استاد سے بھی اس کے تعلقات نہیں ہوئے، یہ تکبر کی بنا پر نہیں بلکہ مزاج ہی ایسا تھا، مظاہر علوم سے دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد تھانہ بھون گیا اور شوال میں وہاں اس کو خلافت مل گئی، ممتاز گیاوی کا کھانا مدرسہ کے مطبخ سے آتا تھا اور میرے گھر والے اس زمانے میں یہاں نہیں تھے اس لئے میرا کھانا بھی مدرسہ سے قیمتاً آتا تھا، ممتاز اخیر تک میرے شریک دسترخوان رہے ایک عرصہ کے بعد انہوں نے جملہ شرکاء کے سامنے یہ اعتراض کیا کہ "آپ کا کھانا بھی مدرسہ سے قیمتاً آتا ہے اور میرا بھی لیکن آپ کے پیالہ میں تار زیادہ ہے، میرے میں کم، محض اس وجہ سے کہ آپ

کی آواز اہل مطبخ پر اثر انداز ہوگی اور میری نہیں"۔ میں نے دیکھا تو واقعی دونوں برتنوں میں فرق تھا میں نے عزیز موصوف کا بہت شکریہ ادا کیا کہ اللہ تمہیں جزائے خیر دے، میں نے اسی دن سے مطبخ سے اپنا کھانا بند کرا دیا، آج تک جاری نہیں کرایا، اگر کسی کی تنقید قابل قبول ہو تو ضرور قبول کرنا چاہیئے۔ علماء و صوفیاء نے لکھا ہے آخر ما یخرج من قلب السالک حب الجاہ" حب جاہ بہت مشکل سے نکلتی ہے، ہم لوگ اپنی زبان اور اپنے قلم سے ناکارہ و سیہ کار لکھتے ہیں مگر یہ رسم بن گئی ہے اگر کسی مجمع میں کوئی اعتراض کر دے تو سن کر دماغ کھولنے لگتا ہے۔ حالانکہ اگر ماننے کی بات ہے تو اس پر ناگواری کیسی، اس کو ضرور ماننا چاہیئے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق" میں مکارم اخلاق کی تکمیل کیلئے بھیجا گیا ہوں خصوصیت سے جو لوگ ذاکر و اجازت یافتہ ہیں ان کے اخلاق ایسے ہوں کہ دوسروں کی ہدایت کا سبب بنیں نہ کہ اکھڑنے کا اور متنفر ہونے کا۔

اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے استفسار پر حضرت گنگوہیؒ نے جواب تحریر فرمایا تھا "مادح و ذام کو برابر سمجھتا ہوں"۔ مجھے یہ جملہ بہت پیارا لگتا ہے۔ اگر کوئی ہماری مدح کرے تو اس پر پھولنا نہ چاہیئے بلکہ اپنے عیوب پر نظر رکھنی چاہیئے کہ مالک نے ستاری فرما رکھی ہے، مگر اب ہمارا یہ حال ہے ؏ "چوں بخلوت می روند آں کار دیگر می کنند" فرمایا، میں تم دوستوں سے اس حدیث "رب مبلغ اوعی من سامع" کے پیش نظر درخواست کر رہا ہوں، تاریخ شاہد ہے کہ دنیا میں اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا، بلکہ مسلمانوں کے اخلاق سے پھیلا، اکابر کے حالات کا مطالعہ کرو حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ ایک کفرستان میں آکر بیٹھ گئے اور ایک دنیا کو مسلمان بنا گئے۔

ماہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
الا حدیث یار کہ تکرار می کنیم

ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ کیا مومن بزدل ہو سکتا ہے، فرمایا "ہاں" پھر عرض کیا گیا، کیا مومن جھوٹ بول سکتا ہے فرمایا "نہیں"

ہم میں سے ہر شخص کو اپنے گریبان میں منہ ڈال کر سوچنا چاہیئے، ہم لوگوں کا حال یہ ہو گیا ہے کہ جب تک گفتگو میں جھوٹ کی آمیزش نہ ہو، ہمیں لطف نہیں آتا۔

گیارھویں مجلس

۱۱ر رمضان المبارک

سکوت کی مجلس آج حضرت اقدس مدفیوضہم کی طبیعت ناساز تھی، سر میں شدید گرانی تھی، صرف زمزم سے انطار فرمایا، خدام کا اصرار تھا کہ آج مجلس نہ ہو مگر مجلس ہوئی، مولانا جمیل احمد حیدرآبادی نے عرض کیا" جی چاہتا ہے کہ کسی دن خاموشی کی مجلس ہو" اس پر حضرت نے ارشاد فرمایا، حضرت مولانا شاہ وصی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ کہیں چھپا ہوا نظر سے گزرا" جو میری مجلس میں چپ بیٹھ کر کوئی فائدہ نہ حاصل کرے، وہ میری مجلس میں نہ آئے"

اللہ کے احسانات کا شکر فرمایا:- میرے حضرت سہارنپوریؒ کا ارشاد ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:- وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا" اگر تم اللہ کے احسانات کو شمار کرو، تو ان کا احصار نہیں کر سکتے، یہاں نعمت کو مفرد استعمال کیا گیا، کیونکہ ایک نعمت میں بے شمار نعمتیں ہیں۔

بارھویں مجلس

۱۲ر رمضان المبارک

آج کی مجلس میں ترکی کی جماعت دوبارہ آگئی تھی اور بیرونی ممالک کے بھی کچھ حضرات تھے اس لئے ایک صاحب ترکی میں اور ایک دوسرے صاحب انگریزی میں ترجمہ کر رہے تھے، فرمایا: "زبان یارمن ترکی ومن ترکی نمی دانم" تبلیغ والوں کی بدولت ترکی زبان کی بھی ضرورت پڑگئی۔

دوسروں کے حقوق ادا کرتے رہو اور اپنے حقوق کا مطالبہ اللہ سے کرو

ارشاد فرمایا: میں ایک اہم وضروری بات کہنا چاہتا ہوں جو اپنے دوستوں سے بار بار کہتا رہتا ہوں، میں نے اپنے بڑوں سے ایک اصول سنا ہے جو چچا جان کے ملفوظات میں بھی موجود ہے اور مولوی یوسف صاحب کی تقریروں میں زیادہ وضاحت سے بیان کیا گیا ہے درحقیقت یہ حدیث پاک سے مستنبط ہے، "آدمی کو یہ نہیں دیکھنا چاہیئے کہ دوسرے ہمارے ساتھ کیا کر رہے ہیں بلکہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ مجھے شریعت، عرف وعقل وقرابت کے اعتبار سے کیا معاملہ کرنا چاہیئے۔

"بدی را بدی سہل باشد جزار　　اگر مردی احسن الیٰ من اسار"

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ" اور

جس نے صبر کیا اور معاف کیا، بیشک یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے، حدیث میں آیا ہے "رشتہ جوڑو جو تم سے رشتہ کاٹے اور جو تم پر ظلم کرے اس سے درگزر کرو اور جو برائی کرے اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو"، ایک حدیث میں ہے لیس الواصل بالمکافی ولکن الواصل الذی اذا قطعت رحمہ وصلھا" (مشکوٰۃ) رشتہ جوڑنے والا وہ نہیں جو بدلہ کے طور پر رشتہ جوڑتا ہے بلکہ وہ ہے کہ جب اس سے رشتہ توڑا جائے تو اس کو جوڑے۔

ہمارے بزرگوں نے قرآن و حدیث سے مستنبط کر کے جو بات دو فقروں میں فرمادی ہے، اس پر عمل کرنے سے دنیا و آخرت دونوں جگہوں میں چین حاصل ہوگا، اگر کوئی شخص تم کو گالیاں دے رہا ہے، تمہاری غیبتیں کر رہا ہے، وہ تمہیں اپنی نیکیاں دے رہا ہے، اگر اس کے پاس اتنی نیکیاں نہیں ہیں تو تمہارے گناہ اپنے سر لے رہا ہے، حدیث میں بھی یہ مضمون آیا ہے، کہ "جو شخص کسی کو گالیاں دے اور مارے اس کا قصاص ضرور لیا جائے گا حتیٰ کہ بے سینگ والی بکری سے قصاص لیا جائے گا، بھائی ہوتا تو مجھ سے بھی نہیں، مگر اصول بڑا اچھا ہے۔ تمہارے ذمہ جو دوسروں کے حقوق ہیں ان کو ادا کرنے کی کوشش کرو جہاں سے تمہیں بہت زیادہ ملے گا، تمہارے ذمہ اگر کسی کا ایک دانق ہوگا تو اس کے عوض میں سات سو مقبول فرض نمازیں آخرت میں کاٹ لی جائیں گی، (انتہیٰ) ہمارے پاس کہاں مقبول نمازیں ہیں، آج کل کثرت سے خطوط آتے ہیں، مہتمم حضرات مدرسین کی اور مدرسین ان کی شکایت کرتے رہتے ہیں اگر یہ اصول سامنے ہو تو سارا جھگڑا ختم ہو جائے گا۔

ارشاد فرمایا:- کسی مہتمم کو نہ چاہیئے کہ کسی کو بلا تنخواہ ملازم رکھے اور مدرسین سے کہا کرتا ہوں کہ تمہیں صرف اللہ کو راضی کرنے کے لئے کام کرنا چاہیئے تمہیں جو تنخواہیں ملتی ہیں۔ وہ تمہاری قیمت سے بہت کم ہیں، مگر تمہیں جو کچھ مل رہا ہے، اللہ کا احسان سمجھو۔

صرف چار احادیث انسان کے دین کے لیئے کافی ہیں

ارشاد فرمایا:- امام اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے پانچ لاکھ احادیث میں سے صرف پانچ کا انتخاب فرمایا ہے، اس کے بعد امام ابوداؤدؒ نے پانچ لاکھ احادیث کے مجموعہ میں سے صرف چار ہزار آٹھ سو کا

انتخاب اپنی کتاب میں کیا ہے اور ان میں سے صرف چار کا انتخاب فرمایا کہ انسان کو اپنے دین پر عمل کرنے کیلئے کافی ہیں، چار تو وہی ہیں جن کو امام اعظمؒ نے منتخب کیا ہے اور ایک کو نہیں لیا کیونکہ اس کا مضمون ان میں آگیا ہے، امام صاحبؒ کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی ہے اور امام ابو داودؒ کی ولادت ۲۰۲ھ میں ہوئی گویا امام صاحبؒ سے ۵۲ سال بعد میں پیدا ہوئے، اس سے معلوم ہوا کہ امام ابوداودؒ نے امام صاحبؒ سے اس قول کو لیا ہے، امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ ان چار حدیثوں میں سارا دین آگیا ہے۔ اگرچہ بعض علماء نے "النصح لکل مسلم" والی حدیث کو سب کا جامع بتایا ہے وہ چار حدیثیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ الخ (تمام اعمال کی مقبولیت کا دار و مدار صرف نیتوں پر ہے) اس کے سلسلے میں "رئیس الاحرار" کا قصہ تفصیل سے سنایا جو پہلے نقل کیا جا چکا ہے۔ اس کے ضمن میں ارشاد فرمایا۔ میں نے بزرگوں کی پانچ پیڑھیاں دیکھی ہیں۔ پہلا دور حضرت گنگوہیؒ کا، دوسرا دور حضرت کے خلفاء اجل حضرت سہارنپوریؒ اور حضرت شیخ الہندؒ، اعلیٰ حضرت رائپوری کا اور تیسرا دور حضرت مدنیؒ و حضرت رائپوری اور چچا جان کا اور چوتھا دور مولوی یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اور پانچواں اب مولوی انعام الحسن صاحب کا دور دیکھ رہا ہوں، بزرگوں کے ہاتھ میں ہاتھ دینا ضائع نہیں جاتا، میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے کہ معاصرت کی وجہ سے کسی کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دیا وہ ضائع ہو گئے، مولوی یوسفؒ کے دور میں بعض لوگ کہا کرتے تھے "جو بات ان کے والد میں تھی وہ ان میں نہیں، میں کہا کرتا تھا، جو بات میرے حضرت میں تھی وہ چچا جان میں نہیں، یہی بات میں مولوی اسعد میاں اور مولانا قاری طیب صاحب اور مولوی انعام کے بارے میں کہا کرتا ہوں جو بات اکابر میں تھی، وہ اصاغر میں کہاں؟ جب یہ چلے جائیں، تو کف افسوس ملنا پڑے گا، بعد میں یہ بھی نہیں ملیں گے۔

فرمایا:۔ جو کرو اللہ کو راضی کرنے کے لئے کرو، اگر کوئی نماز دکھانے کے لئے پڑھے گا کہ لوگ بزرگ سمجھیں، تو یہی نماز منہ پر مار دی جائے گی۔

بزمین چوں سجدہ کردم ززمین ندا برآمد　　　　توم را خراب کردی بسجدۂ ریائی

اگر یہی سجدہ اللہ کی رضا کے لئے ہو تو بہترین عبادت ہے، صاحب مظاہر حق نے، "انما الاعمال الخ" کی حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے تحریر فرمایا:۔ "اگر کوئی مسجد میں جاکر دو رکعت نماز پڑھے اسی کے ساتھ اعتکاف کی نیت کرے، اہل اللہ کی زیارت کی نیت کرلے وغیرہ وغیرہ، تو اس کے ثواب میں نیت کے لحاظ سے بہت زیادہ اضافہ ہوجائے گا"

(۲) "لا یکون المؤمن مؤمنا حتیٰ یرضیٰ لاخیہ ما یرضیٰ لنفسہ"۔ (مومن حقیقی مومن نہیں ہوسکتا، جب تک اپنے بھائی کے لئے وہی بات پسند نہ کرے جس کو اپنے لئے پسند کرتا ہے) اگر اس حدیث پر آدمی عامل بن جائے تو سارے باہمی جھگڑے ختم ہوجائیں، خود تو چاہے سوا سیر اور دوسرے کے لئے سیر، تو پھر جھگڑے کیسے ختم ہوں، اس حدیث میں حقوق العباد آگئے چونکہ "المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ" (جس کی زبان و ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں) اس حدیث کا مضمون اوپر والی حدیث میں آگیا ہے، اس کو امام اعظمؒ نے مستقل شمار کیا ہے، امام ابو داؤدؒ نے ترک کردیا۔

(۳) "من حسن اسلام المرأ ترکہ ما لا یعنیہ" (انسان کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ وہ لایعنی باتوں کو چھوڑ دے)

لایعنی میں مشغول ہونے سے نہ دین کا نفع ہے نہ دنیا کا، ایک صاحب کا میرے پاس خط آیا، انہوں نے اپنے بعض معاصرین کے بارے میں بے جا استفسار کیا تھا، میں نے ان کو جواب دیا کہ ان سوالات کا قبر میں جواب دینا ہے؟ منکر و نکیر سوال کریں گے؟ اس دھندے میں خواہ مخواہ کیوں پھنس گئے ہو؟ تمھیں جس سے عقیدت ہو بیعت ہوجاؤ۔

اپنے بچپن میں ایک انگریز کا قصہ سنا تھا، جسکو علامہ شبلی نے کہیں اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ وہ جہاز پر سوار تھے، جہاز ڈوبنے لگا، وہ انگریز کتاب کے مطالعہ میں مشغول رہا، لوگ شور کررہے تھے، میں ہوتا تو اس وقت کلمہ وغیرہ کی تلقین کرتا، دیکھو بھائی! یہاں تفریح کی جگہ نہیں

ہے بلکہ جس نیت سے آئے ہو مشغول رہ کر وصول کرو۔

فرمایا:۔ اخبار و ریڈیو پڑھ لو اور سن لو، مگر یاد رکھو قبر میں منکر و نکیر سوال کریں گے "مادینک"؟ تمہارا دین کیا تھا۔؟

صوفیاء کے یہاں "پاس انفاس" کی مشق اسی لئے کرائی جاتی ہے کہ اگر آدمی کچھ نہ کر سکے تو کم از کم ہر سانس میں اللہ کا ذکر تو کرلے۔

تیرا ہر سانس نخل موسوی ہے
یہ جزر و مد جواہر کی لڑی ہے

(۴) "الحلال بیّن والحرام بیّن الخ" (حلال و حرام واضح ہیں مگر ان کے درمیان بعض مشتبہ و مشکوک چیزیں ہیں، جو ان سے بچے گا، وہ اپنے دین اور اپنی عزت کو محفوظ کرلے گا) اس کا نام تقویٰ ہے جس چیز میں کھٹک ہو، بعض علماء جائز کہتے ہوں اور بعض ناجائز ان کو چھوڑ دینا چاہیئے کیوں جھگڑے میں پڑے، ایک اور حدیث میں آیا ہے:۔ "دع ما یریبک الی مالا یریبک" جو چیز تم کو شبہ میں ڈالے اس کو چھوڑ دو، اور اس کو اختیار کرو جس میں شبہ نہ ہو" الحلال بیّن والحرام بیّن الخ" والی روایت میں یہ مضمون بھی بیان کیا گیا ہے:۔ "و لکل ملک حمی" ہر بادشاہ کے لئے بیڑ (مخصوص چراگاہ) ہوتی ہے۔ وہ جگہ ممنوع ہوتی ہے، حدیث کا مضمون بعد میں، بیان کروں گا، اس سے پہلے ایک قصہ سن لو۔

تیرھویں مجلس

۱۳ر رمضان المبارک

میری عمر بارہ برس کی ہوگی، ہمارے حضرت قطب گنگوہیؒ کے نواسے چچا زکریا کا پنجاب میں نکاح تھا، چچا یعقوب نے اصرار سے مجھ کو بھی ساتھ لیا، چنانچہ سرہند کے قریب "کھنہ" بارات گئی یہ میرا سرہند کا پہلا سفر تھا، گھوڑے وغیرہ پر سوار کرکے ہم لوگوں کو روانہ کیا گیا اور حضرات پیدل تھے، چچا یعقوب تھانہ دار تھے، اتفاقاً ایک جگہ کچھ سپاہی ملے، آپس میں چچا یعقوب کی ان سے بٹ بٹ (یعنی انگریزی) گفتگو ہوئی، میں نے اپنے جی میں کہا کہ یہاں کیا مصیبت آگئی، میں نے دریافت کیا، تو انہوں نے بتایا کہ یہاں سے تھانہ کے حدود شروع ہوتے ہیں، ان لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ میں نے کہا کہ تھانہ دار، کہا کہ چلے جاؤ، اگر معقول جواب نہ دیتا تو گرفتار ہو جاتے۔

اسی طرح اس حدیث میں بیان کیا گیا کہ اللہ کی بہت حرام کردہ چیزیں ہیں، ایسی چیزوں سے دور دور رہنا چاہیئے، اسی کو بزرگی کہیں اسی کو تقوی کہیں اور اسی کا نام تصوف ہے، ہر موقع پر احتیاط پیش نظر رہے۔

یہ سارے مجاہدے اور ریاضتیں اسی لئے ہیں کہ تقوی پر عمل آسان ہو جائے، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا ارشاد گرامی ہے کہ "ان چار حدیثوں کے کافی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دین کے مشہورات وقواعد کلیہ جاننے کے بعد جزئیاتِ دین کو معلوم کرنے کے لئے کسی مجتہد کی ضرورت باقی نہیں رہتی،" چونکہ حدیث اوّل عبادات کی درستگی کے لئے کافی ہے اور حدیث ثانی سے حقوق کی معرفت

حاصل ہوتی ہے کہ اپنے رشتہ داروں اور پڑوسیوں و متعارفین اور اہل معاملہ کے ساتھ کس طرح ، پیش آنا چاہیئے اور تیسری حدیث سے عمر عزیز کے اوقات کی محافظت کی اہمیت معلوم ہوتی ہے اور چوتھی حدیث ایسے مسائل ہیں جن میں علمار کو شک و تردد ہے ایک واضح راستہ پیش کرتی ہے غرض کہ یہ چاروں حدیثیں ایک عاقل آدمی کے لئے استاد و شیخ کا درجہ رکھتی ہیں۔ (بستان ص ۱۱۹)

حضرت اقدس مدفیوضہم نے حضرت شاہ نوراللہ مرقدہٗ کے کلام کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نوراللہ مرقدہٗ "الدرالثمین" میں فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے دل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایصال ثواب کا خیال آیا، (ہم لوگ اس کی طرف دھیان نہیں دیتے) حضرت شاہ صاحبؒ نے دو پیسے کے چنے خیرات کئے اور ایصال ثواب کیا، رات میں خواب میں زیارت ہوئی کہ آپؐ اپنے دستِ مبارک میں ان چنوں کو لے کر حرکت دے رہے ہیں، غور کرو کہ دو پیسے کے چنے کی کیا حیثیت، مگر وہ آپؐ کے یہاں اخلاص کی وجہ سے مقبول ہو گئے، تم علمار کرام ہو حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے تین قسم کے آدمی جہنم میں داخل کئے جائیں گے ان میں ایک ریاکار عالم ہوگا، غور کرو اگر ہم سے یہ مطالبہ ہو کہ ہم نے تم کو سہولتیں دیں مدرسہ کی، کتابیں دیں، تو کیا جواب ہوگا ؟ اگر اس کے جواب میں کہا جائے کہ ہم نے دین کے سارے مواقع پر علم دین کو خرچ کیا، لیکن خدانخواستہ اس کے جواب میں اگر یہ کہا گیا کہ تم نے اس لئے خرچ کیا کہ تم کو بڑا عالم، شیخ التفسیر، شیخ الحدیث وغیرہ کہا جائے تو وہ کہا جا چکا، پھر سوچو کہ پھر کیا حشر ہوگا، اسی طرح مالدار سخی اور شجاع کا حال بیان کیا گیا ہے، سخاوت اور جہاد کے باوجود اخلاص نہ ہونے سے جہنم میں پھینک دیئے جائیں گے۔

غور کرو، اخلاص سے دو پیسے خرچ کرنے کی یہ قدر کہ حضورؐ کے یہاں مقبول اور یہاں سب کچھ خرچ کرنے کے باوجود کوئی قیمت نہیں۔

اس کے بعد حضرت نے نہایت درد سے فرمایا۔ میرے پیارو ! تم دوسروں کے حقوق ادا کرتے رہو، مدرسہ کا حق ادا کرتے رہو، اگر مہتمم تم پر زیادتی کرتا ہے، تمہاری تنخواہیں کاٹتا ہے تو

یہ سب تمہارے آخرت کے بنک میں جمع ہوتا رہے گا" اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظۡلِمُ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ" کا قانون ہے، تمہارا اہتمم یا طالب علم یا کسی سے کوئی معاملہ ہو، ان سب کے ساتھ تمہاری یہی کوشش ہونی چاہیئے کہ کسی کا کوئی حق تم پر باقی نہ رہے۔

تیسری حدیث میں حضرت شاہؒ فرماتے ہیں کہ تحفظ اوقات کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے، جتنا مولوی اپنے اوقات کو ضائع کرتا ہے اور کوئی نہیں، اب تو مدرسہ سے پڑھانے کا تعلق میرا ختم ہوگیا، جس زمانے میں میں پڑھاتا تھا، یہ ڈھڈم والے (یعنی باجے والے) سڑک سے گزرتے تھے، میں شام کو گزرتے ہوئے دکانداروں سے تحقیقات کرتا کہ یہ کیا تھا، وہ کہتے، کہ" ہمیں تحقیقات کرنے کی فرصت نہیں تھی" مگر طلبہ کا فرقہ جہاں کہیں اس کو سنتا ہے جمع ہوجاتا ہے، کیونکہ انہیں اوقات کی قدر نہیں، بھائی ہمارے اوقات بڑے قیمتی ہیں، بھائی دس منٹ میں جتنا ہم قرآن وحدیث سیکھ سکتے ہیں اس کے برابر کسی چیز کی قیمت نہیں، مگر افسوس کہ ہمیں قدر نہیں۔

اضافہ از مرتب ؎

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کردے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

چوتھی حدیث میں تقویٰ اختیار کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

چودھویں مجلس

۱۴ رمضان المبارک

اللہ و رسول ؐ کے ارشادات میں دین و دنیا کی بھلائی ہے

فرمایا۔ میرے پیارو! ہم لوگ ہر وقت یہ دیکھتے ہیں کہ امریکہ و روس کیا کہتے ہیں؟ اور ناصر کیا کہتا ہے؟ حالانکہ ہمیں اس پر غور کرنا چاہیئے کہ اللہ و رسول ؐ کیا فرماتے ہیں، میں نے اپنے طالب علمی کے زمانے میں یہ پڑھا تھا کہ غسلِ جنابت تعبدی ہے، یعنی عقل میں تو آتا نہیں، شریعت کا حکم ہے اس لئے غسل فرض ہے، کیونکہ منی کے نکلنے سے صرف موضع منی کو دھونا چاہیئے، اس کے بعد میں نے اس کی مزید تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ امریکہ و برطانیہ کے ایک طبی بورڈ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جس وقت منی شہوت کے ساتھ نکلتی ہے تو بدن کے ہر بال اور ہر مسّن میں ایک طرح کی سمیّت پیدا ہو جاتی ہے اگر رگڑ رگڑ کر نہ دھویا جائے تو بہت سے امراض پیدا ہو جاتے ہیں اس سے ایک مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے، غسل جنابت میں مالکیہ کے نزدیک دلک (رگڑنا) فرض ہے۔ اور بقیہ ائمہ کے نزدیک مسنون، اس کی حقیقت بھی سمجھ میں آگئی، سنہ ۱۳۴۰ھ سے سنہ ۱۳۸۸ھ تک میرے ذمے دورۂ حدیث کے اسباق رہے ہیں میں اپنے اسباق میں برابر یہ کہتا رہا ہوں حدیث "اذا تعد بین شعبہ الاربع الخ" مسئلہ تو بتایا گیا شریعت کا، مگر قربان حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ آپ نے صحبت کا بہترین طریقہ بتایا ہے، صحبت کے اطباء نے بیسوں طریقے لکھے ہیں مگر اس کو صحبت و صحت دونوں کے اعتبار سے سب سے بہتر طریقہ قرار دیا۔

فرمایا۔ ایک اور مسئلہ کے ذیل میں حضورؐ کا بہترین طریقہ سنو! خاص طور سے لندن والوں کے سننے کا ہے، انگریزوں کے مردوں اور عورتوں میں پائریا کا مرض بہت کثرت سے پایا جاتا ہے۔ ڈاکٹروں نے تحقیقات کر کے فیصلہ کیا کہ مردوں کی داڑھی اور عورتوں کے سر کے بال رطوبت کو چوستے ہیں، چونکہ انگریزوں کے یہاں یہ نہیں ہے اس لئے یہ مرض وہاں بہت پیدا ہوتا ہے۔

ابتدائی زمانہ میں میں ہر طرح کی چیزوں کو پڑھتا تھا اس طرح کی چیزیں تیس سال پہلے پڑھی تھیں اور اپنے رجسٹر میں درج کر لیا تھا (مولانا) علی میاں کو بھی اس پر حیرت ہے ایک سال تک میرا معمول تھا کہ رات میں ایک ڈیڑھ گھنٹہ مشکل سے سویا ہوں میں نے جب مولانا اعزاز علی صاحبؒ سے اس کا تذکرہ کیا، تو انہوں نے فرمایا کہ جب میں کنز الدقائق کا حاشیہ لکھ رہا تھا تو دو سال تک رات میں نہیں سویا۔

مپندار جاناں بجائے کسی   کہ بے سعی ہر گز نہ جائے رسی

حدیث شق صدر کا ذکر آیا ہے مثلاً حضورؐ کے سینہ مبارک کو معراج سے پہلے چاک کر کے قلب اطہر کو نکالا گیا اور زمزم سے دھویا گیا اس لئے کہا گیا ہے کہ زمزم کا پانی آب کوثر سے افضل ہے اور اس کو ایمان و حکمت سے بھر دیا گیا اس پر اعتراضات کئے گئے ہیں، سر سید نے بھی اعتراض کیا کہ "ایمان و حکمت ایک معنوی چیز ہے اس کو کس طرح بھرا گیا" اور بعض بدتمیزوں کی تحریروں و زبانوں سے یہ اعتراضات ہم نے پڑھے اور سنے ہیں مگر اسی زمانے میں ہم نے یہ بھی پڑھا کہ بجلی کے ذریعے ایک آدمی میں ۴۰، ۵۰ بلکہ ۸۰ گھوڑوں کی قوت بھری جا سکتی ہے پھر اس حدیث کا کیسے انکار کیا جا سکتا ہے۔ علاماتِ قیامت میں ہے کہ ایک آواز ایسی آئے گی کہ مشرق و مغرب کے سارے باشندے سنیں گے، آج لاسلکی نے اس کو سمجھا دیا اسی طرح آیا ہے کہ محشر کی آواز سب سنیں گے ٹیلی ویژن نے اس کو سمجھنا آسان بنا دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات میں سے ایک عادت مسواک کی ہے، ابوداؤد و نسائی میں اس روایت کے سلسلے میں "اع، اع، اح، اح" کے الفاظ وارد ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنی زبان مبارک پر بھی مسواک کرتے تھے، جس کو راوی نے اس طرح بیان کیا ہے، درحقیقت یہ آواز کی

تعبیر ہے، کھانسی کے لئے مسواک کو ذرا اندر کی طرف پھیرے تو یہ اس کا بہترین علاج ہے میرا بیسوں مرتبہ کا تجربہ ہے کہ جتنی اندر مسواک ڈالی جائے گی، جمع شدہ بلغم خارج ہوجائے گا اور کھانسی ختم ہوجائے گی ڈاکٹر و حکیم جو بھی کہیں میری کھانسی کئی مرتبہ اس طرح کرنے سے ختم ہوئی ہے۔

ارشاد فرمایا:- میرے پیارو! سنّت میں جو فوائد ہیں وہ کسی چیز میں نہیں، تجربہ کرلو مگر معاند کے ساتھ نہیں، میرے محلہ کے ایک صاحب نے جو میرے والد صاحب اور میرے چچا جان کے دوست تھے، اور میرے بھی دوست تھے انہوں نے اپنی عزیزہ کے لئے جو بیمار تھیں چچا جان کو خط لکھ کر تعویذ منگوایا جوابی خط بھیجا تھا۔ چچا جان نے پتہ کاٹ کر میرے پتے پر جواب تحریر فرمایا اور اس میں ایک دعا لکھ دی کہ صبح و شام پڑھ دیا کرو اور اگر اس دعا سے نہ اچھی ہو تو اس کا مرنا ہی اچھا ہے جس کو اعتقاد نہ ہو اس کے لئے یہی حکم ہے خواہ ہماری عقول میں یہ باتیں آئیں یا نہ آئیں مگر حقیقت یہی ہے۔

اس کے بعد فرمایا، مفتی صاحب اس کا نقل کرنا کیسا ہے؟ مفتی صاحب خاموش رہے فرمایا۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ ایک مرتبہ مراد آباد تشریف لے گئے وہاں ایک عورت اپنے مادرزاد نابینا لڑکے کو دعا کے لئے لائی اور بہت عاجزی سے درخواست کی کہ "حضرت اس پر ہاتھ پھیر دیں کہ اچھا ہوجائے"۔ حضرت نے فرمایا یہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ اس عورت نے عرض کیا کہ مجھے تو کچھ معلوم نہیں آپ ہاتھ پھیر دیں، مگر مولانا وہاں سے اٹھ کر چل دیئے، راستہ میں عتاب (بذریعہ الہام) ہوگیا، کہ "تم کون اور عیسیٰ کون؟ کرنے والے ہم ہیں"۔ چنانچہ مولانا واپس ہوئے اور "ما حی کنیم ما حی کنیم" کہتے ہوئے اس پر ہاتھ پھیرا اور وہ اچھا ہوگیا درحقیقت نفع پہنچانے والا حق تعالیٰ ہے، عامی لوگ اسے کیا سمجھیں۔

بیعت کی حقیقت آج بھی روزانہ کے معمول کے مطابق بہت سے لوگ بیعت ہوئے اس سے فراغت کے بعد حضرت نے ارشاد فرمایا۔ بیعت ہونا ایسا ہی ہے، جیسے کسی مدرسہ میں کوئی طالب علم داخلہ فارم داخل کرے اگر وہ داخلہ فارم داخل کرکے محنت نہ کرے تو وہ علم سے کورا رہے گا، اسی طرح اجازت گویا مدرسہ کی سند فراغ ہے، یعنی طالب میں ایک خاص استعداد

پیدا ہوگئی، جس طرح مدرسہ کی سند اس بات کی ضمانت ہے کہ تم میں پڑھانے کی استعداد پیدا ہوگئی ہے لیکن اگر کوئی سند لے کر کھیتی باڑی شروع کردے تو ضائع ہوجائے گا۔

اجازت کی ذمّہ داری اجازت بڑھانے کے لئے ہوتی ہے، جو لوگ اس کے بعد سمجھ گئے کہ میں کچھ ہوگیا وہ کھو گئے اور کھڈ میں گر گئے، اگر کچھ کرے تو یہ ترقیات کا ذریعہ ہے اگر کہیں کہ اللہ کی طرف سے اس بات کی شہادت ہے کہ تم میں اہلیت ہے، بشرطیکہ کچھ کرلو تو بے جا نہ ہوگا، جن لوگوں کو اجازت کا شوق پیدا ہوجائے وہ ناکام ہوتے ہیں، میں نے اپنے معاصرین اور بڑوں میں اس کے خوب تجربے کئے ہیں اگر کسی کے بارے میں مجھے معلوم ہوجائے کہ وہ اس کا طالب ہے، تو مجھے گرانی ہوتی ہے، "من طلب منکم الامارۃ" سے یہ مضمون مستنبط ہے اپنی نااہلیت وکم مائیگی کا استحضار ضروری ہے، اجازت کے بعد جس کے قلب میں ایک بجلی سی کوند جائے اور کیکپی پیدا ہوجائے، وہ کامیاب، ورنہ ناکام رہے گا، جب مجھے میرے حضرت نے اجازت دی تو میرے اعضاء پر کئی دن تک اثر رہا، فغطنی والی روایت میں ہے "فخشیت الخ" اس کی بارہ[۱۲] توجیہات کی گئی ہیں اس میں ایک یہ ہے کہ نبوت کے بارگراں سے حضورﷺ پر ایسا اثر ہوا کہ موت کا اندیشہ معلوم ہونے لگا، میں نے اپنے اکابر اور حضرت مدنیؒ سے سنا ہے جس کو اجازت کے بعد کرنٹ کا سا اثر پیدا ہوا اس کو زیادہ نفع ہوا، اجازت بہت سی مصالح کی بناء پر دی جاتی ہے میں حضرت گنگوہیؒ اور اکابر کے لوگوں میں ایسے لوگوں کو جانتا ہوں، جن کو اجازت نہیں دی گئی حالانکہ ان کے حالات بہت سے اجازت یافتہ لوگوں سے اچھے تھے، حضرت تھانویؒ نے ایک مرتبہ اپنے بعض مجازین کو اندر بلایا، اور کچھ لوگوں کو باہر بٹھایا اور فرمایا کہ یہ نہ سمجھنا کہ تم اونچے ہو اور دوسرے فروتر، یہ گھمنڈ نہ ہو، مجھے جب میرے حضرت نے اجازت دی تھی تو میری تمنا تھی کہ کسی کو خبر نہ ہو اس کے لئے میں نے حضرت رائپوریؒ کے پاؤں تک پکڑ لئے۔

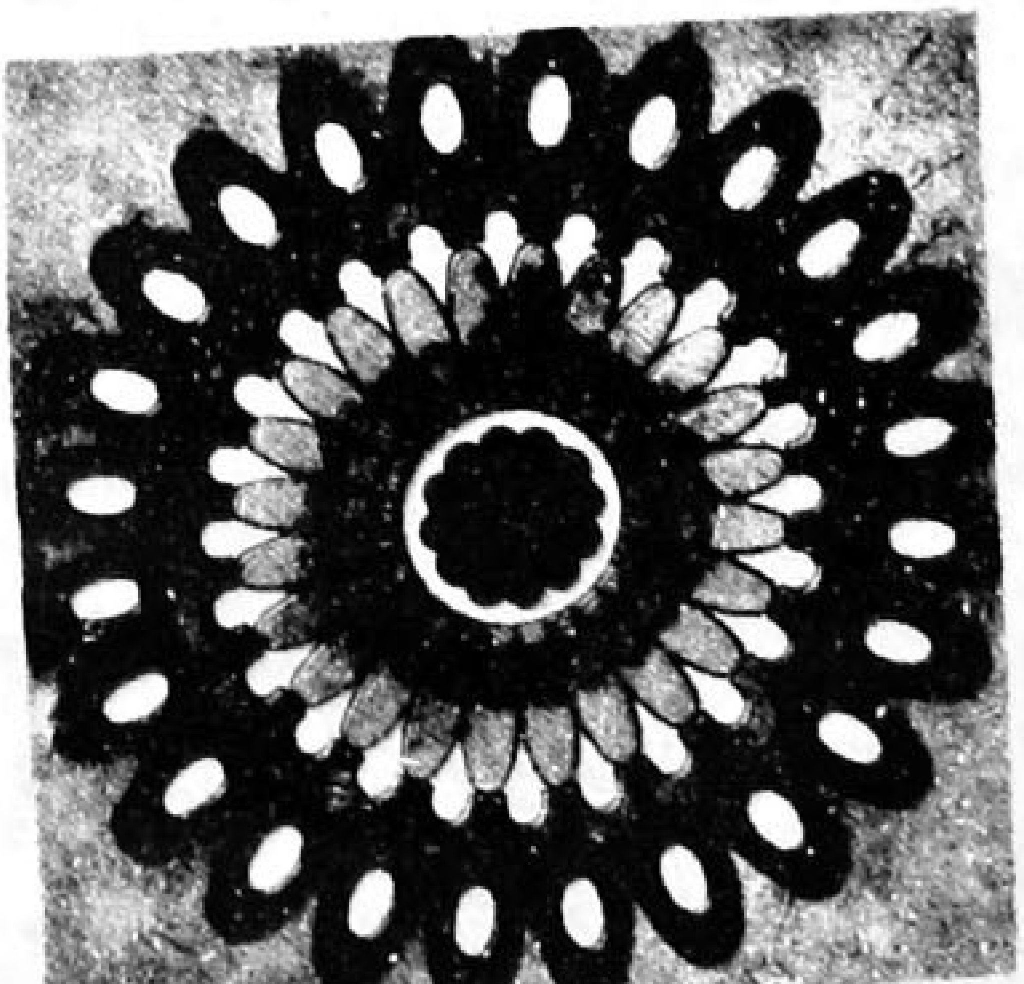
رمضان میں حضرت مدنیؒ سے مکاتبت فرمایا:۔ رمضان میں میرا اور حضرت مدنیؒ کا یہ معمول تھا کہ ہر ایک دوسرے کو پہلے خط لکھا کرتا تھا، اکثر میں ہی لکھتا تھا، عموماً

کوئی شعر ہوتا تھا، ایک مرتبہ میں نے خط لکھا، اس میں یہ شعر تھا ؎

گل پھینکے ہیں اوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی
اے خانہ بر اندازِ چمن کچھ تو ادھر بھی

اکابر کے خطوط میرے پاس محفوظ ہیں۔

چند تصویرِ بتاں، چند حسینوں کے خطوط
بعد مرنے کے مرے گھر سے یہ ساماں نکلا



پندرھویں مجلس

۱۵ رمضان المبارک

دوستی و دشمنی میں راہِ اعتدال

ارشاد فرمایا:۔ حدیث میں آیا ہے کہ مُردوں کو برائیوں کے ساتھ ذکر نہ کرو بلکہ ان کی بھلائیوں کا تذکرہ کرو، ہم لوگ اس قدر افراط و تفریط میں مبتلا ہیں، تعریف میں تو کسی کو آسمان پر چڑھا دیتے ہیں اور کسی کو تحت الثریٰ میں پہونچا دیتے ہیں، اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ "وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی" کسی قوم کی دشمنی تمھیں اس پر نہ آمادہ کرے کہ تم اس کے ساتھ نہ انصاف کرو، انصاف اختیار کرو، یہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔

لطیفہ: فرمایا، گجراتی کسی کو پہچانتے نہیں، جب ہم ہی کو نہیں پہچانتے تو اوروں کو کیا پہچانیں گے۔

تعمیرِ حیات کا مضمون

لکھنؤ سے حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ نے "تعمیرِ حیات" ۲۵ اکتوبر ۱۹۷۰ء کو حضرت اقدس کی خدمت میں بھجوایا تھا، جسمیں "جمال عبد الناصر" کے بارے میں مصری اخبارات کے تاثرات کا ترجمہ کیا گیا تھا، آج کی مجلس میں وہ پڑھ کر سنایا گیا، ایک عنوان تھا، "مرگِ غیرت تیری دہائی"۔ دوسرا عنوان تھا۔ "نئے خالق نئے نبی، نیا کلمہ" تیسرا عنوان تھا۔ "عہد ناصری کا آخری کارنامہ"۔ اس کو سن کر پورا مجمع استغفار پڑھ رہا تھا اور حضرت پر بھی شدید تاثر تھا۔

ارشاد فرمایا:۔ حدیث میں آیا ہے کہ قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی، جب تک زمین پر اللہ اللہ کہا جائے گا، میرے دوستو! دین پر مضبوطی سے قائم رہو اور اکابر کے طریقہ زندگی پر چلنے کا عہد کرو۔

سولھویں مجلس

۱۶ر رمضان المبارک

مجاہدہ ارشاد فرمایا:۔ پورے مہینے کا ایک ایک عشرہ کی نیت سے اعتکاف مستحب ہے اور ایذا مسلم حرام ہے تم لوگ مجاہدہ کے لئے آئے ہو، جب پلاؤ کی رکابیاں چلے ہیں تو مجاہدہ کا کیا ہوگا مجاہدہ تو رائپور کی دال میں تھا، بہت کھانا کوئی اچھی چیز نہیں، اگرچہ کم کھانے کو میں بھی نہیں کہتا، کچھ کرلو، اگلا رمضان آوے گا یا نہیں میں تو چلا ہی جاؤں گا، اگر کچھ کرلو گے تو تمھیں ہی کام آوے گا۔

میرے والد صاحب رمضان میں گنگوہ میں اذان دیا کرتے اگر کھجور وغیرہ موجود ہوتی تو اسی سے افطار کرتے ورنہ گھاس کا پتہ چبا کر طویل اذان دیتے کہ اتنے میں حضرت اقدس فارغ ہوجائیں۔

مہمانوں کا اکرام آج ایک نابینا مہمان آئے تھے حضرت نے ان سے فرمایا تھوڑی دیر تشریف رکھئے پھر ملاقات کروں گا مگر وہ چلے گئے اس پر حضرت کو بہت قلق ہورہا تھا، چاروں طرف تلاش کرایا، مگر وہ نہیں مل سکے۔

فرمایا:۔ میرا جی چاہتا ہے کہ اپنے مہمانوں کا اور زیادہ اکرام کروں، حدیث میں آیا ہے "من کان یؤمن باللہ والیوم الاٰخر فلیکرم ضیفہ" جس کا اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان ہے اس کو چاہیئے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔

اپنا شام کا کھانا چھوڑنے کا قصہ ارشاد فرمایا:۔ میرا چالیس پچاس سال سے شام کا کھانا چھوٹ گیا ہے یہ میں نے مطالعہ کتب بینی میں حرج کی وجہ سے چھوڑا تھا، ورنہ

ابتدا میں بھوک بھی لگتی تھی، ایک سال تک میری بہن مولوی سلمان کی نانی میرے پاس دوران مطالعہ میں بیٹھتی تھیں، اور ایک ایک لقمہ میرے منہ میں ڈالتی رہتی تھیں اپنے اکابر حضرت رائپوریؒ، حضرت مدنیؒ اور چچا جان کی آمد پر خوب کھالیتا تھا، گرانی نہیں ہوتی تھی مگر ۱۰، ۲۰ سال سے شام کا کھانا بالکل چھوٹ گیا ہے، اگر کبھی شام کو کسی کی آمد پر کچھ کھالیا تو گرانی محسوس ہوتی تھی ادھر ۵، ۶ سال سے بالکل ہی چھوٹ گیا ہے۔

کانپور سے ایک مستری صاحب یہاں آئے وہ میرا معمول دیکھ کر واپس گئے ان کا خط آیا کہ "میں نے جناب کو دیکھ کر شام کا کھانا چھوڑ دیا ہے، رات کو تہجد میں طبیعت خوب لگتی ہے" میں نے ان کو ڈانٹ کر خط لکھا ایسا ہرگز ہرگز نہ کرو، ابھی میرا خط ان کو نہیں ملا ہوگا کہ مجھے ان کا دوسرا خط ملا" کہ اب کمزوری وضعف محسوس ہو رہا ہے" بھائی ہر چیز میں میری حرص نہ کرو اگر کچھ کرنا ہو تو مجھ سے پوچھ کر کیا کرو۔

رمضان کا ادبار فرمایا:۔ میں اپنے دوستوں سے بار بار کہہ چکا ہوں کہ رمضان میں ادبار بھی ہوتا ہے بزرگوں نے اس سے استنباط کیا کہ حرم میں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ ہے، اسی طرح گناہ کا عذاب بھی ہوگا، اسی طرح رمضان المبارک میں ایک نیکی کا ثواب ستر گنا ہے اسی طرح گناہ کا عذاب بھی ہوگا۔

کاندھلہ کے افطار و سحری کا طریقہ فرمایا:۔ کاندھلہ میں پہلے رمضان المبارک میں ایک بڑا دیگ پکا کرتا تھا اس دیگ سے کھانا نکال کر رکھ دیا جاتا اور سب لوگ کھالیتے اور جو آتا کھانے میں شریک ہو جاتا، اس کے بعد عشاء تک لوگ نفلوں میں مشغول رہتے مگر اب طریقہ بدل گیا ہے ہمارے یہاں ایک گھر میں پانچ چھ حفاظ ہوتے تھے وہ تسلسل سے باری باری قرآن سناتے سحری میں معمول یہ تھا کہ گرم روٹیوں کے ٹکڑے کر دیئے جاتے اور اس میں راب و گھی ڈال دیتے بالکل حلوے کی طرح ہو جاتی وہی کھائی جاتی تھی اس کو چوڑی کہتے تھے، اس کا شان نزول ہم نے یہ سنا تھا کہ وہ دیر سے ہضم ہوتی تھی، چائے کا دستور نہیں تھا، ایک مرتبہ ایک حکیم صاحب نے ایک نسخہ میں لکھ دیا پورے قصبہ میں تلاش کرائی گئی مگر نہیں مل سکی۔

اوقات کی پابندی آج کچھ افریقی طلباء جلال آباد سے آئے ہوئے تھے انہوں نے آ کر عرض کیا کہ ہم یہاں ۴ بجے تک کے لئے حاضر ہوئے ہیں کیونکہ مدرسہ سے اتنے ہی وقت کے لئے

ہم نے چھٹی لی ہے اس پر حضرت نے مسرت کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ حضرت سہارنپوریؒ سے جتنے دن کی چھٹی لے کر یں کاندھلہ جاتا ٹھیک وقت پر واپس آجاتا کبھی اس کے خلاف نہیں کیا خواہ کوئی اہم بات پیش آجائے ہر شخص کے حاسد ہوا کرتے ہیں کچھ لوگ ایسے تھے جو مجھے بذل المجہود کے کام سے گرانا چاہتے تھے۔

اصل چیز مُرید کی طلب ہے

ارشاد فرمایا:۔ باون سال تک درسِ حدیث میں میں کہتا رہا ہوں اور یہی چیز بزرگی کے اندر بھی کہا کرتا ہوں کہ شیخ یا استاد کو متوجہ کرنا تمھارے اپنے قبضے کی بات ہے حدیث پاک سے یہ مضمون مستنبط ہے شیخ کی بے توجہی اتنی مضر نہیں، جتنی مرید و طالب کی مضر ہے حضرت وحشیؓ جو حضرت امیر حمزہؓ کے قاتل تھے ان کا قصہ اس پر دلیل ہے یہ ناراضگی، شیخ کی طرف سے تھی اور وہ اعرابی جس نے آکر آپؐ سے "اقلنی بیعتی" میری بیعت فسخ کر دیجئے کہا تھا حضورؐ نے اس سے اصرار سے مدینہ پاک میں قیام کے لئے فرمایا، مگر نہ مانا تو ناکام رہا یہ طالب کی بے توجہی ہے

حضرت گنگوہیؒ سے ایک صاحب بیعت ہوئے حضرت نے انہیں ذکر کی تلقین کی اور تین چار دن روکنا چاہا، مگر انہوں نے بہت سے اعذار بیان کئے اور جانے پر اصرار کیا حضرت نے اجازت دے دی اور ارشاد فرمایا "مقدرات کو کون ٹال سکتا ہے، دو دو ضربوں میں مہینوں کی ترقی کر رہا تھا" میرے حضرت سہارنپوریؒ نے ایک خط کے جواب میں تحریر فرمایا "میری حقیقت کچھ بھی نہیں میری مثال نل کی ہے جو مبدا فیاض کی طرف سے عطا ہوتا ہے۔ کھینچنے والے کی قوت و طلب پر مدار ہے یہی میری مثال ہے، اتنا ضرور ہے کہ نل کے بغیر پانی نہیں نکلے گا، مگر دینے والا اللہ تعالیٰ ہے" بذل کے بارے میں بعض لوگوں نے میرے حضرتؒ کے سامنے یہ تجویز رکھی، "یہ مدرسہ کے ملازم ہیں، مستقل آدمی کی ضرورت ہے" چنانچہ ایک دوسرے صاحب اس کے لئے مقرر ہوئے لیکن یہ بیوی بچوں والے آدمی تھے۔ جلدی جلدی گھر جاتے تھے دو دن کہہ کر جاتے تو چار دن میں واپس آتے، میں حضرتؒ سے عرض کرتا کہ ان کی عدم موجودگی میں بذل میں لکھوں، حضرتؒ فرماتے "مدرسہ کا حرج ہوگا"! میں زور سے کہتا کہ یہ سارے مدرسین بیماری وغیرہ کی رخصت لیتے رہتے ہیں، میں تو کبھی غیر حاضر نہیں ہوا، دو دن کی چھٹی لے لیتا ہوں، اگر

فرمائیں تو اس کی بھی ضرورت نہیں میں خارج میں طلبہ کو پڑھا دوں گا اس زمانے کے طالب علم اسٹرائیکی نہیں تھے۔

دوسری مرتبہ "بذل" کی تسوید و تحریر کے لیے ایک صاحب کو مقرر کیا گیا، مگر کاپی نویس نے کہدیا کہ "مجھے ان کے خط کے نقل کرنے میں زیادہ آسانی ہے" وہ میرے معین بن گئے۔ اس طرح گھوم پھر کر پھر "بذل" میرے پاس آئی۔

باوضو سبق کا پڑھنا ارشاد فرمایا:۔ میرا ایک ساتھی اور دوست محمد حسن مرحوم تھا اس سے زیادہ صالح میں نے اپنے بچپن میں کسی اور ساتھی کو نہیں دیکھا ہم دونوں نے طے کر رکھا تھا کہ بے وضو کسی حدیث کو استاد کے سامنے نہیں پڑھنا ہے اور یہ کہ کوئی حدیث چھوٹنے نہ پائے اب تو پیشاب کے تقاضے کی وجہ سے میں افطار میں بھی شرکت نہیں کر سکتا کیونکہ حرکت سے تقاضا پیدا ہو جاتا ہے اور کھانے کو جی نہیں چاہتا، قسم کھا کر فرمایا:۔ اللہ کی قسم تم میں سے بہت سے لوگ مجھ سے افضل ہیں، میرا جی چاہتا ہے کہ افطار و کھانے میں میں تمھارے ساتھ شریک ہوں، مگر مجبوریاں ہیں، بہرحال ہم دونوں سبق میں توامین کی طرح ایک ساتھ بیٹھتے تھے، کبھی وضو کی ضرورت ہوتی تو کہنی مار کر وہ اٹھ جاتا تو میں کہتا حضرت یہاں پر یہ اشکال ہے، تاکہ سبق آگے نہ بڑھے وہ بھی وضو کر کے آجائے اسی طرح میں بھی کرتا تھا، چنانچہ ایک مرتبہ میں نے اشکال کیا کہ حضرت فتح القدیر میں یوں لکھا ہے، تو حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا "تمھاری فتح القدیر سے میں اپنی جگہ پر منتظر رہوں گا" پہلے ایک قصہ سنائے دیتا ہوں میرے والد صاحبؒ سبق میں اشعار و قصے وغیرہ بھی سنایا کرتے تھے اور میرے حضرتؒ مجسم وقار تھے، میرا بھی سبق میں معمول تھا، کہ ششماہی تک والد صاحبؒ کا تابع رہتا تھا اور اس کے بعد حضرتؒ کا، کیونکہ کتاب ختم کرانی ہوتی، محمد حسن مرحوم کا خط بھی بہت پاکیزہ تھا، مگر پاکیزہ خط والوں کا دستور ہے کہ وہ نقطے غلط لگاتے ہیں، ان کے ذمے "بذل" کا کام دیا گیا تھا، مگر اسی وجہ سے پھر میرے ہی پاس آگیا۔

حضرت سہارنپوریؒ کے سامنے پان کھانے سے احتراز

ارشاد فرمایا:۔ میں اپنے والد صاحبؒ کے زمانے میں پان بغیر تمباکو کے کھاتا تھا، البتہ بعد میں تمباکو کھانا شروع کیا میرے حضرتؒ کے یہاں "بذل" کے لکھنے کے وقت اچھے سے اچھے مہمان کا آنا گراں گزرتا تھا، جب کوئی آجاتا تو میں "شذرات الصحاح" لکھنا شروع کردیتا، تفصیل کے لئے "آپ بیتی" نمبر۲ ملاحظہ ہو، میں نے خوب پان کھائے، مگر ان دانتوں پر والد صاحبؒ اور میرے حضرتؒ کے دور میں کبھی سرخی نہیں آئی، صبح کے وقت حضرتؒ کے یہاں ڈاک آتی تھی، اس وقت چھپ کر میں پان کھالیتا تھا اور اس کا معاملہ میں نے کتب خانہ کے ملازم سے کر رکھا تھا، ایک مرتبہ حضرت کے ساتھ گنگوہ جانا ہوا، وہاں بڑی اماں (نانی اماں) نے ایک بڑا پان میرے لئے اور ایک چھوٹا حضرتؒ کے لئے بنواکر بھیجا، اس وقت میرے پان کھانے کا حضرتؒ نے ذکر فرمایا۔

طلباء کا اجتماع

۱۷؍رمضان المبارک سے اخیر رمضان تک مسجد کے صحن میں طلباء کا اجتماع ۱۰؍بجے دن سے ۱۱؍بجے تک ہوتا تھا، اس کا آغاز حضرت مولانا علی میاں مدظلہٗ کی تقریر سے ہوا، افسوس کہ طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے میں پوری تقریر میں شریک نہ ہوسکا، حضرت مولانا نے طلباء اور علماء کی مبارک مقصد سے آمد پر مبارکبادی اور یہاں حاضری کی قدر وقیمت کو بتایا، دوسرے دن حضرت مولانا منظور نعمانی کی تقریر ہوئی انہوں نے فرمایا:۔ آپ سب حضرات ایک اہم مقصد کے تحت یہاں حاضر ہوئے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اس امت کو اعمال کا وارث بنایا، اسی طرح روحانیت کا بھی وارث بنایا ہے اور اس کا سلسلہ امت میں تسلسل کے ساتھ قائم ہے، ہم اپنے گھروں پر روزہ، تلاوت وغیرہ اعمال سب کرتے ہیں مگر یہاں آمد کا مقصد یہ ہے کہ ان میں روحانیت پیدا ہوجائے اور یہ اس پر موقوف ہے کہ حضرت اقدس مدفیوضہم کو انشراح ہو اگر خدانخواستہ کسی بات سے تکدر ہوا تو اندیشہ ہے کہ کہیں سارا مجمع محروم نہ جائے اس کے لئے دو باتوں کا خاص دھیان کرنے کی ضرورت ہے۔

(۱) تحفظِ اوقات۔ (۲) بے ضرورت بات نہ کی جائے۔

دو تین روز کے بعد اس اجتماع میں مواعظ سیدنا شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے سنانے کا سلسلہ شروع کیا گیا۔

سترھویں مجلس

۱۷ رمضان المبارک

اللہ تعالیٰ کا نام کتنی ہی غفلت سے لیا جائے، اثر کئے بغیر نہیں رہتا

حضرت اقدس گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ اخیر عمر میں آنکھوں سے معذور ہو گئے تھے میرے والد صاحب (حضرت مولانا یحییٰ صاحب) حضرت گنگوہیؒ کے خاص خادم تھے، والد صاحب سے دریافت فرمایا، مولوی یحییٰ یہاں کون کون ہے۔ حضرت گنگوہیؒ کو جب کوئی اہم بات فرمانی ہوتی، اس وقت مذکورہ سوال اولاً فرمایا کرتے تھے والد صاحبؒ نے عرض کیا کہ "میں ہوں اور الیاس" (بانی تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے چھوٹے بھائی) اس کے بعد حضرت گنگوہیؒ نے ارشاد فرمایا۔ "اللہ کا پاک نام کتنی ہی غفلت سے لیا جائے اثر کئے بغیر نہیں رہتا"، یہی میری بھی رائے ہے کافر بھی اسی سے مسلمان ہوتا ہے اگر اعتقاد کے ساتھ اس کو پڑھا جائے تو کفر دھل جاتا ہے مگر ذاکرین شروع میں اہتمام کرتے ہیں، ابتدا میں اچھے اچھے حالات پیش آتے ہیں یہ بہت نازک مرحلہ ہے اس سے دھوکا نہ کھانا چاہیئے، جب قلب ذکر سے مانوس ہو جاتا ہے تو وہ حالات کم ہو جاتے ہیں اس سے مایوس نہ ہونا چاہیئے۔

ع کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا

برادرم مولانا عبدالرحیم متالا راوی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا، تم نے یہ شعر بھی سنا ہے؟

برزباں تسبیح و در دل گاؤ خر　　این چنیں تسبیح کے دارد اثر

احقر نے عرض کیا جی! حضرت سنا ہے، ارشاد فرمایا، ہمارے حضرت تھانویؒ نے اس میں ترمیم فرمائی ہے:۔ ع، "این چنیں تسبیح ہم دارد اثر"۔

یعنی ایسی تسبیح بھی اثر رکھتی ہے، لیکن یہ ترمیم دراصل حضرت گنگوہیؒ کی فرمائی ہوئی ہے۔

نسبت کے اقسامِ اربعہ ارشاد فرمایا:۔ غور سے سنو، تم علماء کرام ہو، "لامع الدراری" کے حاشیہ پر ایک مضمون حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی تفسیر عزیزی سے نقل کیا گیا ہے، یہ مضمون (باب کیف کان بدأ الوحی) کے تحت "فغطنی" کی تشریح کرتے ہوئے لکھا گیا ہے، جب پہلی مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر آئے اور حضورؐ سے پڑھنے کے لئے کہا تو آپ نے فرمایا کہ "ما انا بقاری" میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے تین مرتبہ دلوچا، اس کے بعد آپ پڑھنے لگے، اس حدیث میں یہ بھی ہے "حتّٰی بلغ منی الجھد" اس کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اس میں انتہائی مشقت ہوئی، اس پر بظاہر اشکال ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنی اصل ہیئت میں تشریف لائے تو ایک پوری قوم کو تباہ کردیا۔ یہاں آدمی کی صورت میں تشریف لائے جو کسی کی زبی (ہیئت) اختیار کرتا ہے اس کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں، جن اگر سانپ بچھو کی شکل میں آئے تو ایک لکڑی سے اگر مارا جائے تو مرجائے گا، (حضرت شاہ اہل اللہ صاحب کا قصہ مشہور ہے دیکھو تذکرۃ الرشید) لیکن اگر جن اپنی اصلی ہیئت وصورت میں آئے تو اس کا مارنا آسان نہیں، بخاری شریف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا، جب حضرت عزرائیل علیہ السلام ان کی روح قبض کرنے آئے تو انہوں نے تھپڑ کھینچ کر مارا، تو ان کی ایک آنکھ نکل آئی اس پر بہت سے جُہلا اپنی جہالت کی وجہ سے اعتراض کرتے ہیں، میرے پاس بھی اس پر اعتراضات کے بہت سے خطوط آئے، مگر یہاں بھی وہی بات ہے کہ ملک الموت علیہ السلام آدمی کی صورت میں آئے تھے، اس لئے مارنے کا اثر ظاہر ہوا، معلوم ہوا کہ اگر زبی (ہیئت) بدل جائے تو اس کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تھپڑ مارنے کی علماء نے مختلف توجیہات کی ہیں، میری لئے

یہ ہے کہ فرشتہ نے یہ نہیں بتایا کہ میں ملک الموت ہوں۔ میرے والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام فرشتوں سے افضل ہیں فرشتہ نبی کی روح قبض کرنے کے لئے اس کی اجازت لے کر آتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے وقت "اللّٰھم انت الرفیق الاعلیٰ" فرمایا، اس سے نبی کو جو اختیار دیا جاتا ہے اس کا مطلب سمجھ میں آیا چونکہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس بغیر اجازت کے فرشتہ آیا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کی طبیعت میں جلال غالب تھا، اس لئے تھپڑ مارا، بہرحال حضرت جبرئیل علیہ السلام نے تین مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دلوچا، علماء ظاہر کرتے ہیں کہ یہ استاد کی تنبیہ تھی شاگرد کے لئے اس سے علماء نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ استاد تین مرتبہ شاگرد کو تنبیہ کرسکتا ہے لیکن میرے نزدیک درحقیقت یہ دلوچنا نسبت اتحادیہ پیدا کرنے کے لئے تھا، نسبت کے لغوی معنی ہیں لگاؤ وتعلق اور اصطلاحی معنی ہیں، بندہ کا حق تعالیٰ سے خاص قسم کا تعلق یعنی قبول ورضا جیسا عاشق مطیع ووفادار معشوق میں ہوتا ہے اس کو وصول الی اللہ سے بھی تعبیر کرتے ہیں، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نوراللہ مرقدہٗ نے نسبت کی چار قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

(۱) نسبت انعکاسی:۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مرید جب ذکر کرتا ہے تو شیخ کے قلب کا عکس مرید پر پڑتا ہے اور اس کے قلب میں اثر پیدا ہوتا ہے، جیسے آگ سے موم میں پیدا ہوتا ہے مگر یہ اثر بالکل ابتدائی ہوتا ہے، شیخ کی صحبت سے یہ اثر شروع ہوتا ہے ایسی صورت میں جو رونا دھونا وانا نہت وغیرہ کا اثر محسوس ہوتا ہے وہ سب شیخ کی توجہ کا اثر ہے، حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی نے بہت وافر مقدار میں عطر لگا رکھا ہے، اب جو اس کی مجلس میں بیٹھے گا وہ خوشبو محسوس کرے گا بلکہ یہ خوشبو مشامِ جاں کو معطر کردے گی، مگر اس کا اثر اسی وقت تک ہے جب تک کہ شیخ کی مجلس میں موجود رہے۔

ذکر وشغل سے یا اللہ کی دین سے قلب میں جلا پیدا ہوجاتی ہے، ایک بڑھئی اپنے لڑکے سے کہتا تھا کہ "کام کرو ورنہ سٹرا سٹر اکر ماروں گا" کسی نے اس سے اس کا مطلب پوچھا اس نے کہا کہ اس کو پہلے کسی مکتب میں داخل کردوں گا، ایک دو پیسہ دیتا رہوں گا، حافظ صاحب خوب پیٹ پیٹ

کہ اس کو بڑھائیں گے جب اس کو چسکا لگ جائے گا تو پھر سڑ سڑ کر خود مر جائے گا'. میں ممتاز گیاوی کا قصہ سنا چکا ہوں، شعبان میں مظاہر علوم سے دورۂ حدیث کا امتحان دے کر تھانہ بھون گیا اور شوال میں وہاں سے خلافت لے کر اپنے وطن واپس گیا میں نے اپنے بزرگوں کے یہاں ایسے کئی اشخاص کو دیکھا ہے کہ وہ دورۂ حدیث کے بعد خلافت سے سرفراز ہوئے کبھی یہ نسبت کسی ادا پر مل جاتی ہے ممتاز گیاوی کو اپنے زمانۂ طالب علمی میں بے ضرورت بات نہ کرنے پر کامیابی ہوئی، اسی نسبت کا اثر یہ ہے کہ شیخ کی توجہ کا اثر مرید کے قلب میں پڑتا ہے، انوار بھی آتے ہیں مگر حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ نسبت بہت کمزور ہے تھوڑی دیر کے لئے آئینہ ہٹ جائے یعنی شیخ مجلس سے ہٹ جائے تو اس کا اثر جاتا رہتا ہے مگر میری رائے یہ ہے کہ اس سے نہیں جاتی بلکہ اگر کوئی اس راہ میں مرمٹے تو ترقی کرتی رہتی ہے، البتہ معاصی سے خاص کر بدنگاہی سے یہ بہت جلد ضایع ہو جاتی ہے، اس لئے اس سے احتراز ضروری ہے۔

بعض مشائخ بعض مخصوص حالات میں اس پر اجازت بھی دیدیتے ہیں اس خیال سے کہ مرید پیچھے نہیں ہٹے گا میرے خیال میں حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بعض مریدین کو بیعت کے ساتھ ہی اجازت دیدی تھی اس کی بھی یہی صورت تھی اور حضرت حاجی صاحبؒ نے حضرت گنگوہیؒ کو ایک ہی ہفتہ میں خلافت دے دی تھی وہ بھی اس نوع کی تھی، مگر اس کے بعد حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں "پھر تو میں مرمٹا" حضرت حاجی صاحبؒ اور حضرت تھانویؒ کے یہاں اس پر اجازت دینے کا دستور تھا، ان دونوں کے یہاں خلفاء کی دو قسمیں تھیں، ایک مجاز بالصحبت اور مجاز بالبیعت، البتہ حضرت گنگوہیؒ اور حضرت شیخ الہندؒ کے یہاں اس پر اجازت دینے کا دستور نہیں تھا، ابتداء میں حضرت مدنیؒ کے یہاں بھی نہیں تھا، مگر اخیر میں ہو گیا تھا، میری حضرت تھانویؒ و حضرت رائپوریؒ سے اس مسئلہ پر گفتگو بھی ہوئی ہے، ان حضرات نے فرمایا "نسبت انعکاسی پر اجازت کسی ایسے شخص کو دی جاسکتی ہے جو کسی ایسے علاقے کا رہنے والا ہو کہ وہاں بدعات کا زور ہو اور توقع ہو کہ اجازت دینے سے اس علاقہ میں کام کرنے کے سبب وہ اپنی نسبت کو اور قوی بنائے گا"۔

(۲) **نسبت القائی** شیخ اپنے قلب کی نورانیت سے دوسرے طالب کے اندر ایک نورانی کیفیت پیدا کردے اس کیفیت کا باقی رکھنا مرید کا اپنا کام ہے، اگر ذکر و شغل پر مداومت کرتا ہے تو یہ کیفیت باقی رہے گی ورنہ ختم ہو جائے گی اس کی مثال حضرت شاہ صاحبؒ نے چراغ سے دی ہے جیسے کوئی چراغ لے اور اس میں تیل و بتی ڈال دے اور شیخ کی لَو سے لَو لگا کر اپنے چراغ کو جلا لے یہ چراغ شیخ کے بعد بھی جلتا رہے گا جتنا زیادہ تیل و بتی صاف ہوں گے روشنی بڑھتی رہے گی بشرطیکہ کوئی تند و تیز ہوا ضائع نہ کردے یہ نسبت پہلی سے اونچی ہے اس پر میرا حاشیہ یہ ہے کہ اگر اس نسبت والے معمولات کی پابندی کرتے رہیں اور معاصی سے پرہیز کرتے رہیں اس کے بعد اگر کوئی معمولی لغزش ہو جائے تو بھی یہ باقی رہے گی لیکن اگر کسی بڑی معصیت کا صدور ہو گیا تو یہ بجھ جائے گی۔

ارشاد فرمایا۔ معاصی دو قسم کے ہیں، حیوانی و شیطانی، حیوانی کھانا، پینا، شہوت وغیرہ شیطانی تکبر اور دوسروں کو حقیر سمجھنا اور اپنے آپ کو اونچا سمجھنا، اس کو "رسالہ اسٹرائیک" میں میں نے لکھا ہے مفتی محمود صاحب نے اس پر اعتراض کیا تھا، اس سے پہلے قسم کے معاصی کی اہمیت ہلکی ہو جاتی ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ پہلے قسم کے معاصی رونے دھونے سے معاف ہو سکتے ہیں اور دوسرے قسم میں توبہ کی توفیق کم ملتی ہے آدمی اس کو گناہ سمجھتا ہی نہیں اس کی معافی دیر سے ہوتی ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو درخت کے پاس جانے سے روک دیا گیا تھا مگر وہ غلطی سے گئے پھر توبہ کی اور وہ قبول ہوئی، ابلیس نے سجدہ سے تکبر کی بنا پر انکار کیا تھا، پہلی قسم میں انکسار پیدا ہوتا ہے اور دوسری میں اللہ کی کبریائی سے مقابلہ، بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ ان کے حالات قابل رشک تھے مگر دوسروں پر تنقید اور تحقیر نے انہیں گرا دیا، بہرحال اس نسبت سے اگر دوسری قسم کے معاصی مزاحم ہوئے تو معاملہ زیادہ سخت ہے۔

میں نے اپنے بڑوں اور معاصرین و چھوٹوں کی پانچ پیڑھیاں دیکھی ہیں، حضرت اقدس گنگوہیؒ کے دور سے لیکر مولوی انعام صاحب کا دور میرے سامنے ہے، ایک معصیت ہر دور میں

دیکھی کہ ہر دور میں لوگ یہ کہتے رہے کہ جو بات حضرت میں تھی وہ ان میں نہیں ہے مثلاً کہتے تھے "کہ جو بات مولانا محمد الیاسؒ میں تھی وہ حضرت جی (مولانا محمد یوسف صاحبؒ) میں نہیں"! میں کہا کرتا تھا، جو بات میرے حضرت میں تھی وہ چچا جان میں نہیں تھی، حضرت گنگوہیؒ کے لوگوں میں بعض حضرات ایسے تھے جو بعد والوں کے لئے مشائخ کے درجے کے تھے مگر بعد میں حضرتؒ کے خلفاء سے رجوع نہیں کیا، معاصرت حجاب بن گئی اس لئے گر گئے، حضرت مدنیؒ نے لکھا ہے "کہ جب مجھ کو اجازت ملی تو میں تڑپ گیا" اجازت پر ایک بجلی کوند جائے اور بے چین کردے یہ در حقیقت اجازت ہے، یہ نسبت پہلے سے قوی ہوتی ہے دیکھو عکس کو کوئی پکا کرے گا تو پکا رہے گا ورنہ مٹ جائے گا۔

(۳) نسبت اصلاحی :۔ یہ پہلی دونوں نسبتوں سے اونچی ہے، اس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ شیخ اپنی نورانیت کا وافر حصہ مرید کے لئے فراہم کر دیتا ہے لیکن اس میں تدریجی ترقی ہوتی ہے، پہلے اخلاق درست کراتے ہیں، پھر آہستہ آہستہ ترقی دیتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص نہر کھودے اور اس کی صفائی کرے اور اس نہر کو کھودتے کھودتے کسی بڑے دریا یا سمندر کے دہانے سے ملا دے، اس نہر میں اگر معمولی خس و خاشاک آ جائیں گے تو دہانہ بند نہ ہوگا اور اگر کوئی لغزش صادر ہو جائے تو بہہ جائے گی یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ عامی کو یہ دیکھ کر غلط فہمی نہ ہو کہ فلاں حضرت سے بھی لغزش و معصیت صادر ہو گئی ہے اس لئے میرے لئے گنجائش ہے اگر کوئی ایسا سوچے گا تو ہلاک ہو جائے گا، یہی وہ درجہ ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ سے بعض کمزوریوں کا صدور ہوا، مگر حضورؐ کی صحبت بابرکت سے سب کچھ بہہ گیا، یعنی انہوں نے ایسی توبہ کی کہ سب کچھ صاف ہو گیا، نسبت اصلاحی میں سالک اپنے نفس کی تہذیب کر لیتا ہے

(۴) نسبت اتحادی :۔ شیخ مرید کے قلب کے اندر اتر جائے، "من تو شدم تو من شدی" کے مصداق بن جائے، جو شیخ کے قلب میں آئے وہی مرید کے قلب میں آئے،

اس نسبت میں شیخ اپنی روح کو مسترشد کی روح سے متصل کر دیتا ہے اور ان کمالات کا پوری قوت سے اضافہ کرتا ہے جو شیخ کی روح کے اندر موجود ہیں یہ نسبت سب سے قوی ہوتی ہے، حضرت خواجہ باقی باللہؒ کا واقعہ ہے، جو حضرت مجدد الف ثانیؒ کے شیخ ہیں۔ دلی کے باہر رہتے تھے ایک دن چند مہمان آ گئے، مقدر کی بات کہ شیخ اس وقت تہی دست تھے اتنا بھی پاس نہیں تھا کہ ضروری مدارات کر سکیں شیخ بہت پریشان ہوئے کبھی حجرے کے اندر تشریف لے جاتے اور کبھی فرطِ اضطراب میں باہر آتے، میں نے اپنے اکابر کے یہاں دیکھا ہے جب ان کے یہاں کوئی خاص مہمان آتا تو اس کا بڑا اہتمام کرتے حضرت سہارنپوریؒ ایک مرتبہ طویل عرصہ کے بعد تھانہ بھون تشریف لے گئے تو حضرت اقدس تھانویؒ نے دسترخوان پر ۶۲ رکابیوں میں کھانا رکھ کر ضیافت فرمائی، حضرت سہارنپوریؒ نے فرمایا "کہ اس قدر کیوں تکلف کیا" تو حضرت تھانوی نے جواب دیا، "حضرت کی آمد یہاں بہت کم ہوتی ہے"!

بہر حال میں یہ قصہ سنا رہا تھا کہ حضرت باقی باللہؒ بہت مضطرب تھے ان کے قریب ہی ایک نانبائی کی دکان تھی، نانبائی پہلے سے شیخ کا معتقد تھا اس نے دیکھ کر پہچان لیا کہ شیخ مہمانوں کی خاطر داری نہ ہونے کی وجہ سے پریشان ہو رہے ہیں اس نے فوراً عمدہ خوان حاضر کر دیا، مہمانوں نے کھانا کھا لیا، شیخ علیہ الرحمہ اس پر بہت خوش ہوئے اور اس نانبائی سے کہا کہ مانگ کیا مانگتا ہے عرض کیا کہ حضرت کی دعاؤں سے سب کچھ اللہ کا عطا کردہ موجود ہے، حضرت نے جب اصرار فرمایا تو اس نے کہا کہ حضرت بس اپنا جیسا کر دیجئے، حضرت خواجہ صاحب نے ارشاد فرمایا کہ اور کچھ مانگا ہوتا، لیکن نانبائی نے اس خواہش وطلب پر اصرار کیا، شیخ اس کو اپنے حجرے میں لے گئے اور توجہ دے کر اپنی روح کو جو حامل کمالات تھی اس کی روح سے متحد کر دیا اور اسے ان کمالات کا حامل بنا دیا مگر چونکہ یہ انتقال فوری تھا، نانبائی برداشت نہ کر سکا اور تیسرے دن واصل بحق ہو گیا، غرض تھوڑی دیر کے بعد جب دونوں حجرے سے نکلے تو نانبائی شیخ کی شبیہ بن چکا تھا، حتیٰ کہ صورت میں بھی کوئی فرق نہ تھا فرق تھا تو صرف اس قدر کہ شیخ ہوشمند تھے اور نانبائی مست اس پر ایک سکر کی کیفیت طاری تھی، یہ نانبائی تین دن کے بعد واصل بحق ہو گیا۔

ارشاد فرمایا:۔ مگر یہ نانبائی حضرت خواجہ باقی باللہؒ بن کر مرا چونکہ یہ چیز نانبائی کے اصرار سے دفعتاً دی گئی تھی، اس لئے نانبائی برداشت نہ کرسکا اس عالمِ فانی میں کمالات عطا کرنے کا قانون تدریج ہے۔

یہاں فغطنی میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے تین مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دبوچا یہ درحقیقت نسبت اتحادی حاصل ہونے کے بعد آپؐ پڑھنے لگے، صوفیار کی چیزوں کی اصل حدیث میں موجود ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت اتحادی حاصل تھی چنانچہ ہر موقع پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رائے حضورؐ کی رائے کے مطابق ہوتی تھی، بدر کے قیدیوں کے سلسلے میں دونوں کی رائیوں میں اتفاق تھا، حدیبیہ کے موقع پر جب حضرت عمرؓ نے آکر حضورؐ سے گفتگو کی، جن الفاظ کے ساتھ حضورؐ نے ان کو جواب دیا، جب حضرت ابوبکرؓ سے آکر گفتگو ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ نے بھی انہیں الفاظ میں حضرت عمرؓ کو جواب دیا تھا حالانکہ ایک دوسرے کو اس کی خبر نہیں تھی، اسی لئے حضورؐ کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی خلافت بھی ضروری تھی تاکہ دو سال چند ماہ صحابہ کرامؓ حضورؐ کے وصال کے صدمہ کو برداشت کرلیں، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ٹھیک ٹھیک حضورؐ کی پیروی کی، جب حالات میں استحکام پیدا ہوگیا تو حضرت عمرؓ کی خلافت کی ضرورت تھی۔

فرمایا:۔ میں نے کئی ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جو اپنی صورت و سیرت میں بالکل اپنے شیخ کے مشابہ تھے۔

کبھی شاگرد استاد سے بڑھ سکتا ہے

فرمایا:۔ حدیث میں آیا ہے "رب مبلغ اوعی من سامع" حضرت امام بخاریؒ نے اس پر ترجمہ قائم کیا ہے اور علماء نے اس سے بہت سے مسائل کا استنباط کیا ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شاگرد استاد سے بڑھ جاتا ہے جیسے امام بخاریؒ اپنے بہت سے شیوخ سے بڑھ گئے تھے، علماء نے مذکورہ بالا حدیث سے یہ مسئلہ بھی مستنبط کیا ہے کہ علم کو اپنے ادون سے بھی لینا چاہیئے، یہی حال سلوک کا ہے، اگر صبح و شام اور

رات میں کچھ کر لیا کرو تو بہت سی ترقیات کے دروازے کھل سکتے ہیں۔

ایک مبلغ کا خواب حضرت مولانا انعام الحسن صاحب مدظلہٗ بھی آپ کی مجلس میں تشریف فرما تھے انہوں نے ایک مبلغ کا خواب سنایا جو باہر جماعت میں گئے تھے کہ انہوں نے خواب میں حضرت جی (مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ) کو دیکھا، فرما رہے ہیں کہ میرے زمانے میں تبلیغ کی اتنی مخالفت نہیں تھی، جتنی مولانا انعام الحسن صاحب کے دور میں! پھر فرمایا "مولانا انعام الحسن صاحب اللہ کا ہاتھ ہیں، تم لوگ ان کے ساتھ پورا تعاون کرو"۔

اٹھارھویں مجلس

۱۸ ر رمضان المبارک

ہر تنقید قابلِ قبول نہیں ارشاد فرمایا: میرے اقوال و افعال قابلِ احتجاج نہیں جب تک کہ تحقیق نہ ہو جائے البتہ تحریر قابلِ اعتماد ہے اس لئے کہ مولویوں اور مفتیوں کو میں بار بار دکھالیتا ہوں۔

فرمایا: آج مولانا ابرار صاحب (خلیفہ حضرت اقدس تھانویؒ) نے ایک تنقید کی اور محبت کی تنقید تھی، ایسی تنقید مجھے اچھی لگتی ہے۔ انہوں نے اعتراض کیا "کہ یہاں کی تراویح بہت معیاری ہونی چاہیئے" حضرت نے فرمایا۔ یہاں کی ہر چیز معیاری ہونی چاہیئے، مجھے اس سے انکار نہیں، البتہ ہر شخص کے مصالح ہوا کرتے ہیں جس کو وہی سمجھتا ہے، "مقدمہ اوجز" میں لکھا ہے حضرت امام مالکؒ اخیرِ زندگی میں مدینہ منورہ کے قیام کے باوجود مسجد میں شرکت جماعت کے لئے نہیں جاتے تھے۔ جب ان سے لوگ دریافت فرماتے تو فرماتے، مجھے عذر ہے بعض وجوہ سے میں اس کو بیان بھی نہیں کر سکتا میں نے نظام الدین مرکز تبلیغ بار بار لکھا کہ تمھارے یہاں کئی مساجد میں تراویح ہوتی ہے مگر ایک مسجد ایسی بھی ہونی چاہیئے کہ اس میں پانچ چھ دن میں ایک قرآن ختم ہوا کرے تاکہ وہاں آنے والوں کو بھی پورا قرآن سننے کا موقع مل سکے۔

یہاں پر ہر عشرہ میں ایک قرآن ختم کراتا ہوں تاکہ تبلیغ والوں کو اور مدارس کے چندہ وصول کرنے والوں کو بھی پورا قرآن سننے کا موقع مل سکے۔

تھانہ بھون حاضری اور وہاں قرآن سننے کی فرمائش

ارشاد فرمایا: ایک مرتبہ یہ ناکارہ اور مولانا عبد اللطیف صاحب ناظم مدرسہ مظاہر علوم رحمۃ اللہ علیہ تھانہ بھون حاضر ہوئے، ہم لوگ حضرت کے صحن میں کھانا کھانے بیٹھے، حضرت مکان کے اندر سے بہت ہی ہنستے ہوئے تشریف لائے وہ منظر آج بھی آنکھوں و کانوں میں گونج رہا ہے، حضرت نے فرمایا:" مولانا زکریا صاحب آج ایک عجیب بات معلوم ہوئی کہ آپ قاری بھی ہیں" میں نے عرض کیا حضرت بالکل نہیں میں تو فارسی میں قرآن پڑھا ہوں، حضرت نے فرمایا. مجھے تو معلوم ہوا تھا کہ آپ قاری نہیں ہیں مگر یہ عورتیں مکان میں بہت ساری جمع ہیں اور متفق اللسان ہیں کہ آپ قاری ہیں. اور آپ سے قرآن سننے کی میرے واسطے سے درخواست کر رہی ہیں، مجھے معلوم تھا کہ بھائی احمد علی صاحب مکی مع اپنی اہلیہ کے آئے ہوئے ہیں، میں نے پوچھا کہ حضرت بھائی احمد علی کی اہلیہ تو ان میں نہیں ہیں، حضرت نے فرمایا، کیسے سمجھا، میں نے عرض کیا کہ تو روایت صحیح ہے پھر میں نے تحفۃ الاخوان، اور شرح جزری کا سارا قصہ سنایا اور میں نے کہا کہ حضرت میں مدینہ میں قاری ہوں اور ہندوستان میں نہیں۔

مدینہ پاک میں تجوید شروع کرنے کا قصہ

فرمایا: ۴۵ھ میں جب مدینہ پاک ایک سال کے لئے میری حاضری ہوئی تھی تو وہاں کچھ تجوید پڑھنے کا شوق پیدا ہوا، اور المقری الشہیر استاذ الاساتذہ القاری حسن شاعر جو اس زمانے میں معمر تھے اور مکہ و مدینہ کے قرار کے مشہور استاد تھے بڑا ان کا شہرہ تھا میں نے ان سے شاطبی شروع کی لیکن پہلے ہی سبق میں لڑائی ہوگئی اس لئے کہ حضرت قاری صاحب نے یوں فرمایا کہ مطلب سمجھنے کی ضرورت نہیں اشعار حفظ کرلو اس ناکارہ نے عرض کیا. اشعار تو ضرور حفظ کر کے سنایا کروں گا، مگر اتنے مطلب نہ سمجھوں اتنے قرآن کے الفاظ کی طرح اس کے اشعار کو یاد کرنے کا کیا فائدہ؟ میرے حضرت قدس سرہٗ کو کئی ماہ کے بعد اس قصہ کی خبر ہوئی تو حضرت نے فرمایا، تو نے مجھ سے نہ کہا، شاطبی تو تجھے سمجھا کے میں پڑھاتا. قاری صاحب کی شاگردی تو اسی دن ختم ہوگئی تھی، لیکن ان

کی شفقت و محبت اب تک بھی رہی جب کبھی وہاں حاضری ہوئی، تو وہ بہت فخر سے فرماتے کہ یہ میرے شاگرد رشید ہیں، ان کی عربی تالیف "تحفۃ الاخوان فی بیان احکام تجوید القرآن" کا ان کے حکم سے اردو میں ترجمہ کیا تھا جو بار بار طبع ہوا اور انہیں کے حکم سے طلبہ کے لئے "شرح عربی جزری" کی لکھی تھی،

ارشاد فرمایا :۔ ایک زمانہ میں مدرسہ قدیم کی مسجد میں میں نائب امام تھا، قاری محمد حسین اجڑاڑوی نے ایک مرتبہ میرے حضرت سے فرمایا "مولوی زکریا" کے پیچھے نماز ہوجاتی ہے ؟ حضرت نے فرمایا، کہ میری تو ہوجاتی ہے، تمھاری نہ ہوتی ہو تو اعادہ کرلو یعنی حضرت اقدس مدنیؒ ضہم قرآن تیز پڑھتے تھے۔

انیسویں مجلس

۱۹ر رمضان المبارک

خانقاہوں کی بربادی پر اظہارِ افسوس اور مدارس میں اسٹرائک کا سبب

ارشاد فرمایا:- میرے ذہن میں ایک بات آرہی ہے کہ ہماری خانقاہیں برباد ہورہی ہیں نہ رائپور رہا، نہ تھانہ بھون نہ گنگوہ رہا، خاص طور سے میرے مخاطب (مولانا) علی میاں اور مولانا منظور صاحب ہیں (جو اس مجلس میں حاضر تھے) بتاؤ ان کی آبادی کی کیا صورت ہو؟ ہم نے سن رکھا ہے اور خوب سنا ہے، یہ میں آخری وصیت کر کے جارہا ہوں اور اس کو اپنے سبقوں میں بھی بار بار کہا ہے کہ دنیا کے لئے ہماری جو کوشش ناکام ہو تو بھی کارآمد کیونکہ ہم نے کلمہ خیر کہا۔

آج ہمارے مدارس میں ساری اسٹرائک وغیرہ سب اسی خانقاہی زندگی کی کمی سے پیش آرہی ہیں، حدیث میں آیا ہے کہ اگر زمین میں اللہ اللہ کہنے والے ختم ہوجائیں تو قیامت آجائے گی یہی حال مدرسوں کی بقاء کا ہے۔ اللہ کا نام خواہ کتنی ہی بے توجہی سے لیا جائے اثر کئے بغیر نہیں رہتا، ہم لوگوں میں اخلاص نہیں رہا، اللہ اللہ کرنے کے سلسلے کو بڑھاؤ اللہ کا نام جہاں کثرت سے لیا جائے گا وہاں فتنہ نہ ہوگا، اللہ کا ذکر حوادث وفتن میں سدِ سکندری ہے پہلے زمانے میں دورۂ حدیث میں طلبہ کی ایک تعداد ذاکر ہوا کرتی تھی، ذکر کو رواج دو، ذکر خواہ ریا ہی سے کرو، نفلیں خواہ ریا ہی سے پڑھو مگر اس پر عمل ضرور

کرد، میں نے ریا کو اٹھا دیا، سفیان ثوریؒ کا مقولہ ہے" تعلمنا الدین لغیر اللہ فابی ان یکون الا للہ" علم کو ہم نے غیر اللہ کے لئے سیکھا، مگر علم نے انکار کر دیا، الا یہ کہ اللہ کے لئے ہو گیا، میں نے اس کی طرف مولانا قاری طیب صاحب کو بار بار خطوط میں توجہ دلائی ہے اور نظام الدین والوں سے بھی کہتا رہا ہوں، اب نظام الدین میں ذاکرین کی جماعت منتخب ہوئی ہے۔

حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب نے عرض کیا، انشاء اللہ یہ سلسلہ چلے گا اس پر حضرت نے فرمایا، آدمی بناؤ۔

ارشاد فرمایا: مولوی منفعت علی صاحب جو میرے اباجانؒ کے شاگرد تھے بعد میں حضرت تھانویؒ سے ان کا تعلق ہو گیا تھا۔ انہوں نے مجھے ایک خط لکھا، کہ تیری لیگ و کانگریس کے بارے میں کیا رائے ہے" میں نے جواب دیا کہ میں سیاسی آدمی نہیں ہوں، البتہ اپنے دونوں بزرگوں حضرت تھانویؒ و حضرت مدنیؒ کو آفتاب و ماہتاب سمجھتا ہوں ان دونوں میں جس کا اتباع کرو مفید ہو گا، ہمارے اکابر حضرت گنگوہیؒ و حضرت نانوتویؒ نے جو دین قائم کیا تھا اس کو مضبوطی سے تھام لو، اب قاسمؒ و رشیدؒ پیدا ہونے سے رہے بس ان کی اتباع میں لگ جاؤ، اللہ کا نام کثرت سے زبان پر رکھو، انشاء اللہ دل و دماغ میں آجائے گا، ہمارے اکابر، طالب علموں کو بیعت نہیں کیا کرتے تھے حضرت گنگوہیؒ اس مسئلے میں سخت تھے کیونکہ حضرتؒ کے دور میں طالب علم واقعتاً طالب علم تھے، طلبہ پڑھنے میں مشغول رہتے تھے، بعد میں اس میں تساہلی برتی گئی اس دور کے لحاظ سے یہی مناسب تھا، شاید اس کے ذریعے لائن پر لگ جائیں، ورنہ اخبار بینی میں مشغول ہو کر اوقات ضائع کریں گے۔

امسال اور گزشتہ سال کے رمضان میں موازنہ

ارشاد فرمایا:۔ نصف سے زائد رمضان گزر چکا ہے کچھ کرلو حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب کو خاص طور سے مخاطب کر کے فرمایا۔ میرا ہر سال رمضان میں ایک سوال ہوا کرتا ہے

امسال پھر یہ سوال ہے کہ گزشتہ رمضان اور اس رمضان میں کیا فرق ہے؟ بھائی ہم نے تو اپنے میں تنزل ہی پایا، سوال پر طبیعت آمادہ نہیں تھی، مجھے اپنا تنہائی کا رمضان یاد آتا ہے۔

ارشاد فرمایا:۔ مولویو! تم نے بڑوں کو دیکھا ہے بھائی ان بڑوں اور اللہ والوں کو دیکھنے والوں میں بھی اٹھ رہے مولانا حبیب الرحمن رئیس الاحرار کو بڑے حضرت رائپوریؒ سے وصال کے قریب تعلق ہوا تھا، پھر اس چیز نے ان کو بالآخر کھینچ لیا۔ مگر افسوس ان بزرگوں سے اب میدان خالی ہے اب بھی ان بزرگوں کے دیکھنے والے موجود ہیں اگر وہ اپنی ذمہ داریوں کو سنبھالیں اور کام کو آگے بڑھائیں تو کام آگے بڑھ سکتا ہے ان اکابر کی صورتوں کو دیکھ کر دل میں ایک نور آتا تھا وہ حضرات ایسے بھولے بھالے چال ڈھال ایسی کہ ان کو دیکھ کر آدمی یہ سمجھتا کہ یہ کچھ ہیں، میں تمہیں ہر سال لوٹتا ہوں، غنیمت سمجھو، پھر کوئی لوٹنے والا بھی نہیں ملے گا۔

ارشاد فرمایا:۔ اپنے اکابر کی صورتیں گلدستہ کی طرح میرے سامنے ہیں حضرت تھانویؒ کی صورت، حضرت مدنیؒ کی صورت، حضرت مدنیؒ جس وقت خوشبو لگا کر عمامہ باندھ کر منبر پر خطبہ کے لئے تشریف لے جاتے تو حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا۔

تنہائی کا رونا فرمایا:۔ میں نے اپنے ابا جان اور حضرت مدنیؒ کو اخیر شب میں ہچکیاں مار کر روتے ہوئے دیکھا ہے حضرت مدنی و حضرت رائپوریؒ کا شروع ہی معمول تھا کہ رات میں تنہا آرام فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت مدنیؒ کے ساتھ آپ کا سفر ہوا رات میں حضرت مدنیؒ نے فرمایا کہ ان کی چارپائی میرے پاس رہے گی اور خدام دور رہیں گے اس پر کسی نے اعتراض کیا تو میں نے کہا کہ حضرتؒ کے ساتھ میرے رہنے میں حضرتؒ کو الجھن محسوس نہ ہوگی۔ ان اکابر کا یہ حال تھا۔

ہمارا کام ہے راتوں کو رونا یاد دلبر میں ہماری نیند ہے محوِ خیالِ یار ہو جانا

ارشاد فرمایا:۔ میں نے اپنے اکابر کے ساتھ بے تکلفی بھی رکھی تھی، ایک مرتبہ حضرت مدنیؒ اخیر شب میں ہچکیاں مار کر رو رہے تھے، جب حضرتؒ اس سے فارغ ہوئے تو میں

نے عرض کیا، تین اہلیہ کا انتقال ہو چکا ہے اگر چوتھی کا ہو جائے گا تو پھر پانچویں آجائے گی،
حضرتؒ نے فرمایا کہ بھائی چار یا پانچ سال میں مناسبت ہوتی ہے، پھر وہ چل بستی ہے۔

مردِ مومن موت کا خندہ پیشانی سے استقبال کرتا ہے، ارشاد فرمایا: تم لوگ اپنی صورتوں کو ایسی بناؤ کہ لوگ دیکھ کر محبت کریں۔

یاد داری کہ وقت زادنِ تو | ہمہ خنداں بدند و تو گریاں
ہمچناں زی وقت مردنِ تو | ہمہ گریاں شدند و تو خنداں

"اس وقت کو یاد کرو کہ تمہاری ولادت کے وقت سب ہنس رہے تھے اور تو رو رہا تھا اسی طرح تمہاری موت کے وقت یہ ہونا چاہیئے کہ لوگ رو رہے ہوں اور تو ہنس رہا ہو" ہنستا ہوا وہی جائے گا، جس نے کہ وہاں کے لئے کچھ تیاری کر رکھی ہو ایک بزرگ کے جب انتقال کا وقت قریب آیا اور جنت اور اس کی حوروں کے مناظر سامنے آئے تو انہوں نے ایک شعر پڑھا۔

ان کان منزلتی فی الحب عندکم | ما قد رأیت فقد ضیعت ایامی

"اگر محبت میں میرا مقام وہی ہے جو میں نے دیکھا تو میں نے اپنے ایامِ زندگی کو ضائع کیا" کہتے ہیں کہ یہ ساری چیزیں غائب ہو گئیں اور ایک اور چیز سامنے آئی اسے دیکھ کر کھل کھلا کر ہنسے اور چل دیئے۔

میں نے اپنی پھوپھی صاحبہ کو دیکھا کہ جب ان کا آخری وقت آیا تو مجھ سے چلا کر فرمایا کہ مجھے جلدی سے اٹھا کر بٹھا دو، حضورؐ تشریف لا رہے ہیں اس کے بعد ان کی روح پرواز کر گئی میرے دادا مولانا اسمٰعیل صاحبؒ کا جب انتقال ہوا تو نظام الدین سے دلی تک ساڑھے تین میل کا ہجوم لگ گیا تھا ایک صاحبِ کشف بزرگ نے دیکھا کہ مولانا اسمٰعیل صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے جلدی رخصت کرو میں بہت شرمندہ ہوں، حضورؐ مع اپنے صحابہؓ کے انتظار فرما رہے ہیں۔

نشانِ مردِ مومن با تو گویم | چوں مرگ آید تبسم بر لب اوست

بیسویں مجلس

۲۰ ر رمضان المبارک

کارِ خود کن کارِ بگذر از گفتار ارشاد فرمایا۔ ریا کی تو قرآن وحدیث میں سخت مذمت وارد ہے، ایک مشہور حدیث میں آیا ہے کہ سب سے پہلے تین اشخاص کو جہنم میں ڈالا جائے گا، ان میں ایک ریا کار عالم بھی ہوگا جب وہ اپنے کارنامے بتلائے گا تو اس سے کہا جائے گا کہ تم نے مخلوق کے واسطے کیا تھا۔ مگر اس کے ساتھ میرے ذہن میں ہے کہ حالتِ اضطرار میں شراب پینے کی سدِ رمق تک کی شریعت نے اجازت دی ہے میری رائے یہ ہے کہ نفلوں کا گھروں میں پڑھنا اولیٰ ہے مگر موجودہ دور میں مساجد میں پڑھنا اولیٰ ہے، وہ زمانہ گیا جب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نماز پڑھ رہے تھے، ان کی مسجد کے منارہ پر منجنیق چلائی گئی وہ منارہ گر گیا، نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا، یہ مٹی کہاں سے آ گئی، اس لئے عمل کرو خواہ ریا ہی سے کرو، انشاءاللہ عمل کی برکت سے اخلاص پیدا ہو جائے گا، موجودہ دور میں اگر مقتدیٰ لوگ اپنے گھروں میں نوافل پڑھیں گے تو یہ مقتدی ایک بھی نہیں پڑھیں گے۔ ہم لوگوں کو اس کا خیال رکھنا چاہیئے کہ ہم مضطر ہیں، ایک صاحب نے عرض کیا، اس طرح مبتدعین کا اعتراض بھی ختم ہو جائے گا کہ دیوبندی کے لوگ سنتیں نہیں پڑھتے، ان کو حضورؐ کی سنت سے محبت نہیں؟ اس پر حضرت نے ارشاد فرمایا، ان کی مخالفت کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے یہ تو کسی طرح چین نہیں لینے دیں گے ایک تبلیغی جماعت کہیں گئی، وہاں لوگوں

نے اعتراض کیا، کہ "یہ لوگ سلام نہیں پڑھتے"۔ جب جماعت والوں نے سلام پڑھ دیا، تو کہنے لگے کہ دکھلاوے کے واسطے پڑھا ہے۔ دل سے نہیں پڑھا، اس طرح کسی کے کہنے سننے کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے۔

ایک بزرگ تھے، ان کی بیوی ان کا کہنا نہیں مانتی تھیں، بزرگوں کی بیویاں اکثر اسی طرح کی ہوتی ہیں، کیونکہ انہیں ہر وقت حقوق کی ادائیگی کی فکر رہتی ہے۔ انہوں نے اپنی بیوی کو اپنی کرامت دکھانی چاہی، چنانچہ اپنے مکان کے اوپر پرواز کی، ان کی بیوی نے بھی فضاء میں اڑتے ہوئے دیکھا مگر جب یہ گھر آئے تو بیوی نے کہا کہ آج میں نے ایک بزرگ کو دیکھا ہے جو چھت کے اوپر اڑ رہے تھے۔ تیرے میں کیا کمال ہے انہوں نے کہا کہ وہ تو میں ہی تھا بیوی نے کہا جب ہی ٹیڑھے ٹیڑھے اڑ رہے تھے، بھائی یہ بدعتی تو ایسے ہیں کہ کبھی مان کر نہیں دیں گے۔

ایک مشہور قصہ ہے، باپ بیٹے ایک ٹٹو لے کر جا رہے تھے، باپ سوار ہو گیا اور بیٹا پیدل چلنے لگا۔ کچھ لوگوں نے دیکھا تو کہا کہ کیسا بے رحم باپ ہے خود سوار ہے اور بھولا سا بیٹا پیدل چل رہا ہے، باپ اتر گیا اور بیٹے کو سوار کر دیا کچھ دور آگے پہونچے تو وہاں بھی کچھ لوگ ملے، انہوں نے کہا، یہ کیسا ظلم ہے؟ بیٹا سوار اور باپ پیدل، اس کے بعد دونوں سوار ہو گئے آگے چلے تو وہاں بھی کچھ لوگ ملے انہوں نے کہا کہ ظلم کی انتہا ہو گئی ہے، یہ سن کر دونوں پیدل چلنے لگے کچھ دور آگے چلے تو وہاں ایک مجمع نے انہیں دیکھا تو کہنا شروع کیا کہ حماقت کی انتہا ہو گئی ہے کہ سواری ہوتے ہوئے دونوں پیدل چل رہے ہیں، اس پر باپ نے کہا کہ یہ دنیا ہے، ہر صورت میں تنقید کرنے والے ملیں گے۔

بھائی کسی کے کہنے سننے کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے۔ اللہ کی رضا کیلئے کام کرتے رہنا چاہیئے۔

طویل لباس کو مشیخیت سے خاص مناسبت ہے

ارشاد فرمایا: غیروں کے لباس، وضع قطع سے احتراز کرنا چاہیئے، میں اپنے پڑھنے کے زمانے سے دیکھ رہا ہوں

کہ ہر فرقہ کے پیشواؤں کا لباس ایک ہی طرح کا ہوتا ہے، مسلمان، ہندو، عیسائی ہر ایک کے پیشواؤں کا لباس لمبا ہی ہوتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخیت کے لئے طویل لباس کو کوئی خاص تعلق ہے، البتہ ہم مسلمانوں کو اپنے مشائخ و بزرگوں کے طرز کا اسلامی لباس پہننا چاہیئے۔ میں دس پندرہ برس پہلے جب تنگ و چست لباس والوں کو دیکھتا تھا، تو میرا فتویٰ تھا کہ ایسے لوگوں کو پچھلی صف میں کھڑا ہونا چاہیئے۔

اپنے شیخ کے حکم سے سرتابی حرماں نصیبی کا سبب ہے

ارشاد فرمایا: بڑے حضرت اقدس رائپوریؒ ایک سال حج کے لئے جا رہے تھے تو اپنے خلفاء سے فرمایا جب تصوف کے بارے میں کچھ پوچھنا ہو تو حضرت سہارنپوریؒ سے رجوع کرنا اور جب سیاست میں پوچھنا ہو تو حضرت شیخ الہندؒ سے۔ اسی طرح میرے حضرت سہارنپوریؒ نے اپنے ایک سفر حج کے موقع پر اپنے خلفاء کو اپنی عدم موجودگی میں بڑے حضرت رائپوریؒ کے حوالے کیا تھا، چنانچہ ایک صاحب نے دوسرے شیخ کی طرف رجوع کیا۔ حضرت جب واپس تشریف لائے تو فرمایا "یہ کھو گئے"۔

حضرت تھانویؒ کا بڑے حضرت رائپوریؒ کے بارے میں ارشاد

فرمایا: حضرت اقدس تھانویؒ نے فرمایا کہ حضرت شیخ الہندؒ و حضرت سہارنپوریؒ کی گود میں بیٹھ جائیں تو خطرہ نہیں، مگر حضرت رائپوریؒ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے ڈر لگتا ہے، اس لئے کہ حضرت کا کشف بہت بڑھا ہوا تھا۔

اکیسویں مجلس

۲۱ رمضان المبارک

وداعِ رمضان

محترم مولانا محمد ثانی صاحب مدیر "رضوان" کی یہ نظم مجلس میں پڑھ کر سنائی گئی مولانا معین الدین صاحب نے بڑے درد و سوز سے پڑھی، مجمع پر عجیب کیفیت پیدا ہوگئی۔

رحمتِ حق آئی قسمت در چلے ۔۔۔ سجدہ ریزی کو خدا کے گھر چلے
نعمتوں سے گود بھرنے خوش نصیب ۔۔۔ زاہدانِ باصفا بڑھ کر چلے
وا ہوئے در بزم رحمت کے تمام ۔۔۔ اہل درد و سوز کھنچ کھنچ کر چلے
گلشن رحمت کی ہر دم سیر کی ۔۔۔ اپنے دامن کو گلوں سے بھر چلے
رہ گئے محروم ہم ہی کم نصیب ۔۔۔ جھاڑ کر دامن کو اپنے گھر چلے
"شمع کی مانند اس کی بزم میں ۔۔۔ چشم تر آئے تھے دامن تر چلے"
قدر نعمت کی نہ کچھ ہم کر سکے ۔۔۔ بوجھ عصیاں کا لئے سر پر چلے
ہائے رے حسرت نصیبی وائے غم ۔۔۔ "کس لئے آئے تھے اور کیا کر چلے"
نور سمٹا چاندنی پھیکی پڑی ۔۔۔ سر چھپانے کو مہ و اختر چلے
ماہ رحمت کے شب و روز و سحر ۔۔۔ ہر طرف تم نور برسا کر چلے

تم سے ملتی تھی دلوں کو تازگی | تم چلے ارمان سارے مر چلے
الفراق اے ماہِ رمضان الفراق | زخم دل پر کیا لگے نشتر چلے
آئے رحمت کو لئے ہر سال تو | تیری رحمت کی ہوا گھر گھر چلے
ایک جھونکا تیری رحمت کا ادھر | بہر الطاف اے کرم گستر چلے
ہوں نہ ہوں یہ لطف کے دن پھر نصیب | اور دَورِ بادۂ کوثر چلے
اور بھی کچھ اور بھی کچھ اور بھی | جانے کب در بند ساقی کر چلے

ساقیا اب لگ رہا ہے چل چلاؤ
"جب تلک بس چل سکے ساغر چلے"

ذوق وشوق ہو تو ہر منزل آسان ہو جاتی ہے

ارشاد فرمایا:- کہ جو چیز دل میں جم جاتی ہے اس کا کرنا آسان ہو جاتا ہے، ہم نے سنا ہے کہ سینما والے دو ٹانگوں پر کھڑے رہ کر صبح کر دیتے ہیں اگر ہم یہ کہیں کہ فلاں بزرگ نے عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی ہے رات بھر تہجد پڑھتے تھے تو لوگ اس پر حیرت کرتے ہیں، اصل ذوق وشوق ہے اخیر عشرہ شروع ہو رہا ہے۔ اگلے رمضان کی خبر نہیں، ملتا ہے یا نہیں اس لئے پچھلے دو عشرے کی کوتاہی کو دور کر لو۔

سماع وعرس وغیرہ کی حقیقت

ارشاد فرمایا:- سماع وعرس وغیرہ کی ابتداء صحیح تھی مگر بعد میں اس میں بہت سی بدعات گھس آئیں اس لئے علماء ومفتیوں کو بدعت وناجائز کہنا پڑا۔ عرس ابتداء میں نظام الاوقات کی طرح کی ایک چیز تھی۔ جیسے دار العلوم دیوبند ومدرسہ مظاہر علوم دونوں جگہوں پر بخاری شریف متعین گھنٹے میں پڑھائی جاتی ہے سہولت کے پیشِ نظر نظام الاوقات بنایا گیا یہ بدعت نہیں ہے میں نے حضرت گنگوہیؒ کے دور میں دیکھا کہ وہاں روز عید تھی، کبھی حضرت سہارنپوریؒ کی آمد ہوتی، کبھی حضرت شیخ الہندؒ کی اور کبھی حضرت مدنیؒ کی تشریف آوری ہوتی خدام زیارت کرتے عرس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ شیخ کی وفات کے بعد ان کے خلفاء و

ارادتمند سال میں ایک دن تعارف و ملاقات و حلقہ اثر بڑھانے کے لئے جمع ہوتے تھے اور اپنے شیخ کی تاریخ وفات ہر ایک کو یاد رہتی ہے میرے چچا جان کی وفات بروز چہارشنبہ صبح کی نماز کے پہلے ہوئی تھی ان کے سب مریدوں کو یہ یاد ہے۔ بہرحال ابتداء میں یہ چیز اچھی تھی مگر بالآخر رسومات نے ان کو بدعت بنا دیا۔

اسی طرح سماع بھی اکثر مشائخ چشتیہ کا سننا ثابت ہے مگر اس کے کچھ شرائط ہیں جن کو امام غزالیؒ نے احیاء علوم الدین" میں تحریر فرمایا ہے اس میں بہت سی خرافات پیدا ہوگئیں اس لئے حرام کہا گیا، دلّی کا ایک گویا تھا وہ حج کو گیا، وہاں ایک بدوی نے حدی خوانی شروع کر دی اس کا اونٹ بھاگا اور یہ گر گیا کہنے لگا، اللہ کے رسولؐ پر قربان لوگوں نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ حضورؐ نے اسی لئے گانے کو حرام قرار دیا، اگر ہمارا گانا سنتے تو منع نہ فرماتے، ہم نے اپنے بڑوں کو دیکھا ہے کہ کوئی اچھا قصیدہ سنتے تو جھوم اٹھتے "تذکرۃ الرشید" میں ہے کہ حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ کو چکی کے پیسنے کی آواز پر وجد آگیا۔

بڑوں پر نکیر کرنے میں جلدی نہ کرو معتقد ہونا اور بات ہے لیکن نکیر و مخالفت نہ کرو کیونکہ اگر وہ اللہ کے مقرب ہیں تو ان کی مخالفت کرنے والوں سے حق تعالیٰ نے اعلان جنگ کیا ہے: "ومن عادیٰ لی ولیاً فقد اٰذنتہ بالحرب الخ"۔ تنقید کا حق ان کے معاصر کو ہے بے تحقیق حکم نہ لگاؤ، باریک فرق ہے۔

کسانیکہ یزداں پرستی کنند
بآواز دولاب مستی کنند

یزداں پرست اچھی آواز کے محتاج نہیں ہوتے وہ ادا پرست ہو جاتے ہیں جو نسی ادا پسند آجائے اور دل کو بھا جائے۔

حضرت نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ بھی سماع[1] کے قائل تھے، ان کے سماع کی کیفیت

---

[1] حضرت سلطان جی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں سماع کی چار شرطیں تھیں ۱۔ سامع از اہل ہوا و شہوت نباشد۔

یہ تھی کہ امیر خسروؒ کچھ اشعار سناتے۔ اس پر سلطان جیؒ کو ہر چند منٹ پر کیفیت پیدا ہوتی اور ختم ہو جاتی کبھی امیر خسروؒ کے ساتھ مل کر چند آدمی پڑھتے، قاضی ضیاء الدین صاحبؒ جو اس زمانے میں دلّی کے مفتی اعظم تھے ان کو جب اس کا علم ہوا تو اس پر شدت سے نکیر کی، حضرت سلطان جیؒ نے فرمایا میں معذور ہوں سماع بعض امراض کا علاج ہے۔ جب قاضی صاحبؒ کی مخالفت بڑھی تو سلطان جیؒ نے فرمایا کہ اگر حضورؐ سے اجازت دلوا دوں کہ میں معذور ہوں تب تو مانیئے گا۔ قاضی جیؒ نے کہا، پھر ہمیں کیا ضرورت؟ چنانچہ خواب میں حضورؐ نے آکر فرمایا، کہ یہ معذور ہیں، قاضی صاحبؒ نے خواب ہی میں عرض کیا کہ حضورؐ ظاہر شریعت پر عمل کروں یا خواب پر، صبح ہوئی تو سلطان جیؒ نے پوچھا کہ اب تو پیچھا چھوڑ دو گے، قاضی صاحبؒ نے فرمایا کہ حضورؐ کی طرف سے جواب نہیں ملا، (سکوت کا مطلب یہ ہے کہ ظاہر شریعت پر عمل کرنا چاہیئے)

جب قاضی صاحبؒ مرض الوفات میں مبتلا ہوئے، تو سلطان جیؒ عیادت کے لئے تشریف لائے، قاضی صاحبؒ کے مکان پر آکر دستک دی، خادم دروازہ پر آیا اور دریافت کیا، کہ کون؟ سلطان جیؒ نے نام بتلایا، خادم نے جاکر خبر دی تو قاضی صاحبؒ نے فرمایا کہ آخر عمر میں کسی بدعتی کا منہ نہیں دیکھنا چاہتا، یہ اخلاص کی بات تھی، سلطان جیؒ نے کہا کہ ایسا گستاخ بدعتی نہیں، بدعتی اپنے بدعت سے توبہ کر کے آیا ہے۔ یہ خبر جب قاضی صاحبؒ کو ملی تو انہوں نے اپنا عمامہ بھیجا کہ اس پر قدم مبارک رکھ کر آئیں، سلطان جیؒ عمامہ سر پر رکھے ہوئے قاضی صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو قاضی صاحبؒ نے شیخ المشائخ سلطان جیؒ کے سامنے مندرجہ ذیل شعر پڑھا

آناں کہ خاک را بنظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

(باضافہ حضرت مفتی محمود صاحب مدظلہ)

بقیہ حاشیہ (۲) مسمع مرد تمام باشد زن و کودک نباشد (۳) مسموع ہزل و فحش نباشد (۴) آلہ سماع مثل چنگ و رباب درمیان نباشد (انفاس عیسیٰ ص ۶۶)

بے تحقیق حکم لگانا ناجائز ہے ارشاد فرمایا: کہ بے تحقیق کسی پر حکم نہ لگاؤ اگر تمھیں کسی کے بارے میں معلوم ہے کہ یہ سارق ہے تو اس کو اپنے کمرے میں نہ جانے دو، مگر بلا تحقیق حکم نہ لگاؤ اور نہ اسے سارق کہو، اس کا خاص دھیان رکھنے کی ضرورت ہے۔

فضائل درود کی ایک حکایت پر ایک اہم تنبیہ "فضائل درود" ہر سال حضرت کی مجلس میں ایک مرتبہ پڑھی جاتی ہے البتہ امسال اس میں کے لکھے ہوئے درود شریف ہر شب جمعہ میں پڑھے جاتے تھے اور کبھی اس کے ساتھ ملا جامیؒ و حضرت نانوتویؒ کی نعت بھی پڑھی گئی، آج عشاء کے بعد کی مجلس میں "فضائل درود" کی ایک حکایت پڑھی گئی، اس میں بلند آواز سے درود شریف پڑھنے پر مغفرت کا ذکر آیا تھا، حضرت نے ارشاد فرمایا، اس قسم کی باتیں وقتی ہوا کرتی ہیں، مالک کو جس ادا پر پیار آجائے بخش سکتا ہے، بعض دفعہ منہ سے کوئی جملہ ایسے اخلاص سے نکل جاتا ہے جو اللہ کو پسند آجاتا ہے اس پر معاملہ فرما دیتا ہے، اسی طرح سے اس حکایت میں بلند آواز ہوئی تھی جو اللہ جل شانہ کو پسند آگئی اور انکی مغفرت ہوگئی، اس کو طریقہ دعادت نہ بنانا چاہیئے، ویسے درود شریف جتنا وقت میسر ہو خوب پڑھتے رہو۔

فضائل درود میں ملا جامیؒ کی نعت پڑھی جا رہی تھی، اس میں "زمہجوراں چرا غافل نشینی" آیا ہے۔ محترم مولانا منور حسین صاحب مدظلہ نے اس میں ترمیم فرمائی۔ "زمہجوراں چرا فارغ نشینی"۔ دو سال سے عشاء کے بعد کی مجلس میں درود تحیات روزانہ سنانے کا معمول بن گیا ہے۔

بائیسویں مجلس

۲۲؍ رمضان المبارک

ذاکرین و مجاہدین کیلئے اکمال و ارشاد کا مطالعہ ضروری ہے ارشاد فرمایا:۔ "ارشاد الملوک" و "امداد السلوک" یہ دونوں کتابیں ذکر کرنے والوں کے لیۓ بالخصوص جن کو میں نے بیعت کی اجازت دی ہے بہت غور سے پڑھنا چاہیئے۔ میں نے "اکمال" کے شروع میں لکھ بھی دیا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا الحاج سید حسین احمد صاحب مدنی نوراللہ مرقدہٗ بھی اپنے خاص لوگوں کو امداد السلوک کے مطالعہ کی تاکید کرتے تھے، اس ناکارہ کے نزدیک بھی ان دونوں رسالوں کا مطالعہ ذاکرین کے لئے بہت مفید ہے، حضرت مدنیؒ ، "امداد السلوک" اور "الاعتدال" کو سفر میں اپنے بکس میں رکھتے تھے جو باتیں تم مشائخ سے اور مجھ سے سننا چاہتے ہو وہ ان دونوں میں آگئی ہیں اس لئے اپنے سے بیعت کا تعلق رکھنے والے احباب کو تاکید کرتا ہوں کہ اس ناکارہ کے فضائل کے رسالہ کو اہتمام سے مطالعہ میں رکھیں، اور ذاکرین کو "ارشاد الملوک و اکمال الشیم" کو خاص طور سے مطالعہ میں رکھنا چاہیئے اور جن احباب کو اس ناکارہ نے بیعت کی اجازت دی ہے، ان کے لئے حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی ، نوراللہ مرقدہٗ کی "تربیت السالک" اور حضرت گنگوہیؒ کے مکاتیب جو "مکاتیب رشید" کے نام سے مطبوع ہیں، مطالعہ میں رکھنا مفید ہے۔

یہاں بامقصد آنے سے خوشی ہوتی ہے

ارشاد فرمایا۔ یونس سلیم صاحب (جو اس وقت نائب وزیر ریلوے تھے) کے یہاں آنے سے خوشی ہوئی، اس وجہ سے نہیں کہ وزیر ہیں بلکہ وہ اپنے ماحول کو چھوڑ کر کچھ کرنے کے لئے یہاں آئے تھے ایک تجربہ کی بات ہے کہ اپنے ماحول میں آدمی سے کام نہیں ہوتا یہاں رمضان میں کچھ کرنے کے لئے اگر کوئی آئے تو مجھے خوشی ہوتی ہے کیونکہ اپنے گھر میں کام نہیں ہوتا، اعتکاف بھی دشوار ہے، ضروریات لگی ہوئی ہیں کئی دن ہوئے بھائی یونس سلیم صاحب کا پیام آیا تھا کہ وہ ملاقات کے لئے آنا چاہتے ہیں، جو وقت ملے گا اس میں ملاقات کریں گے میں نے سمجھا کہ دستور کے مطابق ۱۰، ۵ منٹ کے لئے آئیں گے مگر معلوم ہوا کہ اذان ظہر سے آدھ گھنٹہ پہلے آگئے ظہر کی سنتوں سے فراغت کے بعد میں نے ملاقات کے لئے انہیں بلایا میں نے کہا کہ حمزگا ورد کی مہمانی ہے آؤ اور لٹک جاؤ، آپ چاہیں تو ظہر سے عصر تک ذاکرین کے مجمع میں بوریا پر بیٹھ کر اللہ اللہ کریں، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

بوریا نشینی کو ترجیح

ارشاد فرمایا:۔ کہ دلی میں ایک مرزا ثریا جاہ رہتے تھے ہمارے اکابر سے ان کے تعلقات تھے، انہوں نے میرے دادا سے درخواست کی تھی، "میں اپنی لڑکی کا نکاح آپ کے صاحبزادے مولوی یحییٰ سے کرنا چاہتا ہوں"۔ میرے دادا صاحب نے کہا کہ ہم فقراء کو آپ سے کیا تعلق؟ انہوں نے کہا کہ "مولوی یحییٰ کی پرورش میرے ذمے رہے گی"۔ مرزا صاحب کی صاحبزادی قیصر جہاں سے بھی والد صاحبؒ واقف تھے، بہت حسین وجمیل تھی، جب دادا صاحب سے مرزا صاحب نے بہت اصرار کیا تو انہوں نے فرمایا کہ مولوی یحییٰ سے پوچھ لوں۔ حالانکہ دادا صاحب جانتے تھے کہ انکار کردیں گے، جب والد صاحبؒ سے دریافت کیا تو والد صاحبؒ نے فرمایا، "ان سے نکاح کے بعد بوریے پر بیٹھنا مشکل ہے"۔ چنانچہ نکاح نہیں ہوا، مگر وہ بے چاری میرے بڑوں اور میری بہت محسن رہیں۔ چنانچہ بچپن میں جب میں نظام الدین جاتا تو مجھ سے غیر معمولی محبت کا اظہار کرتیں انہوں نے میرے

اباجان سے کہلوا دیا کہ آپ نے مجھ سے نکاح تو نہیں کیا، اب میں مولوی زکریا سے اپنی صاحبزادی کا نکاح کرنا چاہتی ہوں اور یہ میری انتہائی آرزو ہے والد صاحب ہنسے اور فرمایا کہ اس سے پوچھ لوں جب مجھ سے دریافت فرمایا تو میں نے عرض کیا کہ میں ان کا پاندان کہاں کہاں اٹھاتا پھروں گا یہ میں نے اس لئے کہا تھا کہ میں نے بچپن میں ان کے گھر کا ماحول دیکھا تھا۔ ہمارے خاندان میں تو عورتیں گویا ڈیڑھ خصم ہوا کرتی ہیں۔ والد صاحب نے میرے اس، جواب کو پسند فرمایا، اور فرمایا، میرے اور تمھارے جواب میں ایک فرق ہے، وہ یہ کہ تمھارے جواب میں تکبّر کی بو ٹپکتی ہے، (تفصیل کے لیۓ ملاحظہ ہو، آپ بیتی ۲)

یکسوئی کا رمضان ارشاد فرمایا:۔ جب سے یہاں بازار لگنے لگا۔ مجھے اپنا یکسوئی کا رمضان اور گزشتہ سال مدینہ منوّرہ کا رمضان بہت یاد آ رہا ہے میں نے یہ یکسوئی رائپور سے لی ہے بڑے حضرت رائپوریؒ ۲۹ رشعبان کو سارے خدام سے مصافحہ کر لیتے اور بڑی معصوم ادا میں فرماتے گویا در رہے ہیں کہ رمضان بعد ملاقات ہو گی۔ وہاں مجمع یہاں سے زیادہ ہوتا تھا۔ پنجاب کے لوگ کثرت سے آتے تھے پانچسو۵ چھ سو۶ کا مجمع ہوتا تھا۔ حضرت جب مسجد میں تشریف لے جاتے تو خدام دور سے زیارت کر لیتے، میرے حضرتؒ کے یہاں مہمان زیادہ نہیں ہوتے تھے، حضرت تھانویؒ کے یہاں مجمع ہوتا تھا مگر خانقاہ سے کھانے کا نظم صرف خواص کے لئے ہوا کرتا تھا اور لوگ اپنا اپنا نظم خود کرتے تھے خانقاہ کا دستور چھپا ہوا تھا، اس میں ایک اصول یہ تھا کہ دو ذاکرین کو مل کر کھانا کھانے کی اجازت نہیں، کسی کو چائے وغیرہ کی دعوت کرنے کی اجازت نہیں تا آنکہ اجازت نہ مل جائے مگر درخواست پر اجازت مل ہی جاتی تھی، اس لئے کہ مل کر کھانے میں وقت ضائع ہوتا، ہمارے بڑے حضرت رائپوریؒ کے یہاں مہمانوں کیلئے افطاری کا دستور نہیں تھا، اس کا نظم اپنے طور پر لوگ خود کرتے تھے البتہ کھانے کا اجتماعی نظم حضرت کی طرف سے ہوتا تھا، رائپور کی دال اور کھانا ایسا ہوتا تھا کہ چوتھائی پیٹ سے زیادہ نہیں کھایا جا سکتا تھا۔

وہاں حکیم اجمیری[1] کی پھنکی کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔

فرمایا: اگر کسی کو یہاں کا کھانا پسند نہ ہو تو بازار سے منگوا کر کھائے، مگر "کسے را با کسے کارے نباشد" پر عمل پیرا ہونا چاہیئے، دیکھو پیارو! آدھا رمضان گزر گیا اب تھوڑا سا وقت باقی رہ گیا ہے۔ بات نہ کرو۔

میرا رمضان تیس برس تک ایسا گزرا ہے کہ صرف عشاء بعد تھوڑی دیر کے لیے ملاقات ہو سکتی تھی اگرچہ یہ ملاقات عام ہوتی تھی اور بڑے حضرت رائپوریؒ کے یہاں مخصوص خدام کو عشاء بعد اتنی دیر چپکے، بیٹھنے کی اجازت تھی، جب تک کہ مولانا عبدالقادر صاحبؒ دو ایک فنجان سادی چائے حضرت کو پلاتے تھے، حضرت "سبحان اللہ، الحمد للہ" کہہ کر پیتے تھے۔ بس مجلس ختم ہو جاتی اور سحری میں حضرت کا ایک خادم عبدالرحیم تھا، وہ بہت اصرار کرتا تو ایک دو چمچہ فیرینی کھا لیتے، لوگ کہتے ضعف ہو جائے گا، حضرت فرماتے، بھائی ضعف نہیں ہوگا، میرا بھی یہی تجربہ ہے۔

اس کے بعد رمضان بھی بخار کی طرح آتا ہے یہ قصہ اور رمضان میں روزانہ ایک قرآن ختم کرنے کا معمول بیان فرمایا، جن کو اس سے پہلے نقل کیا جا چکا ہے۔

دارِ جدید کی مسجد میں اعتکاف کا آغاز: ارشاد فرمایا: میرے دارِ جدید میں اعتکاف کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ جس سال ۸۴ھ مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا انتقال ہوا، اسی سال نظام الدین سے ۲۰، ۲۵ آدمی یہاں آئے اور کہا کہ ہم یہاں اعتکاف کرنا چاہتے ہیں، میں نے سہارنپور میں کبھی اعتکاف نہیں کیا تھا، البتہ نظام الدین میں اس سے پہلے اعتکاف

---

[1] بمبئی کے مشہور حکیم اجمیری صاحب کے صاحبزادے محترم حکیم سعد رشید صاحب اجمیری بھی امسال حضرت اقدس کی خدمت میں پورے ماہ مبارک کے اعتکاف کے ارادے سے حاضر ہوئے تھے اور پورے مہینے کا اعتکاف کیا تھا۔ ان سے حضرت اقدس مدظلہم نے پھنکی کا نسخہ لکھنے کیلئے فرمایا تھا چنانچہ انکے نسخہ کے مطابق پھنکی تیار کی گئی کیونکہ اکثر لوگوں کو معدے کی شکایت تھی حکیم صاحب کا قیام سورت میں ہے اور اس علاقے کے مشہور طبیب ہیں۔

کیا تھا. اعتکاف کے لئے وہاں سہولت تھی میں نے ان لوگوں سے کہا، مدرسہ قدیم کی مسجد میں، جگہ نہیں ہے تم لوگ مہمان خانہ میں رہو یا سہارنپور کے مرکز میں جاکر اعتکاف کرو مگر انہوں نے یہاں اعتکاف کرنے پر اصرار کیا اور یہ طے ہوا کہ باری باری سے اعتکاف کریں گے اس کے بعد ہم نے دارجدید کی مسجد کو ۱۳۸۵ھ سے اعتکاف کے لئے طے کیا اس کے بعد سے یہاں اعتکاف کا سلسلہ چل رہا ہے (حق تعالیٰ شانہٗ ہمیشہ ہمیشہ باقی رکھے)

میرے یہاں آج سے پچیس ۲۵ سال پہلے پہلوان اور مولوی عبداللہ کرسی والے نے رمضان میں آنا شروع کیا تھا، اور ان کے علاوہ اور کچھ لوگ آجاتے تھے، ۲۵، ۳۰، آدمیوں کا مجمع ہر سال رہتا تھا۔

شیطان کبھی اہم کام سے ہٹا کر غیر اہم کام میں مشغول کر دیتا ہے

ارشاد فرمایا: کبھی کبھی شیطان آدمی کو غیر اہم چیزیں مشغول کر دیتا ہے مطالعہ و تعلیم کے زمانے میں کثرت نوافل میں مشغول ہونا کوئی اچھی چیز نہیں. میرے چچا جان کے یہاں نفلوں کا غلبہ تھا اور والد صاحبؒ کے یہاں تعلیم کا غلبہ تھا. والد صاحبؒ گنگوہ میں میزان سے مشکوٰۃ تک تنہا مدرس تھے، طلبہ کی تعداد تقریباً اسّی تھی، بیسوں سبق خود پڑھاتے تھے اوپر کی جماعت کے طلبہ کو نیچے کے اسباق دے رکھے تھے، میرے بچپن کا قصہ ہے کہ اس نابکار کو بزرگی کا جوش ہوا، اور مغرب کے بعد حضرت گنگوہیؒ قدس سرہٗ کے حجرے کے سامنے لمبی نفلوں کی نیت باندھ لی، ابا جان نے ایک زور سے تھپڑ مارا، اور فرمایا کہ سبق نہیں یاد کیا جاتا، اس وقت تو مجھے بہت غصہ آیا کہ خود تو پڑھی نہیں جاتی، دوسروں کو بھی پڑھنے نہیں دیتے مگر جلدی ہی سمجھ میں آگیا کہ بات صحیح تھی اور وہ نفلیں بھی شیطانی حربہ علم سے روکنے کے لئے تھا۔

تئیسویں مجلس

۲۳ ر رمضان المبارک

دعا کے درجات ارشاد فرمایا:۔ "ارشاد الملوک" آسان ہے اور "اکمال الشیم" ذرا اونچی ہے، اکمال میں ص عصر کے بعد دعا کا جو مضمون ہو رہا تھا کہ "اپنے مولیٰ سے دعا و سوال کرنا کچھ عمدہ اور معتبر حال نہیں، پسندیدہ حال یہ ہے کہ تجھ کو حسنِ ادب عطا ہو جائے"۔ اور اس کے بعد یہ عبارت ہے۔" بسا اوقات حسن ادب عارفین کو ترک سوال کی راہنمائی کرتا ہے، اس لئے کہ قسمت ازلی پر بھروسہ ہوتا ہے، اور ذکر کی مشغولی سوال کی مہلت نہیں دیتی" الخ۔ ارشاد فرمایا:۔ بات تو بالکل ٹھیک ہے، مگر لوگوں کے مختلف حالات ہوتے ہیں، انہوں نے خود لکھدیا ہے کہ افضل و اعلیٰ حالت یہی ہے کہ ہر امر میں دعا کرتا رہے، جیسے کہ حضورؐ کی شان تھی" دعا کے تین درجات ہیں، ایک مبتدی کا مانگنا، مبتدی کے لئے ضروری ہے کہ خوب خوب دعا کرتے رہے اور مانگا کرے" ایک متوسط کا درجہ ہے، ہم نے بچپن میں ایک قصہ سنا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود نے جب آگ میں ڈالا تو انہوں نے فرمایا:۔ علمہ بحالی حسبی بسوالی:۔ حق تعالیٰ کا میری حالت کا علم میرے سوال کے لئے کافی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان کے یہی مناسب تھا، سب سے اونچا درجہ عاشق کے مانگنے کا ہے، یہ مانگنا معشوق کی خوشامد کے لئے ہوتا ہے اس میں ایک لذت و لطف کی شان ہوتی ہے، یہی حضورؐ کی شان تھی، حضورؐ کا عمل سب سے اونچا ہے۔

ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ ان کے زمانے میں قحط پڑگیا، صلوٰۃ الاستسقاء پڑھی گئی، مگر بارش

نہیں ہوئی، کسی نے جاکر کہا کہ خلقت مر رہی ہے۔ آپ بارش کے لئے دعا کریں، انہوں نے کہا کہ "میری بلا سے۔" ہر شخص کے مختلف حالات ہوتے ہیں، ناز کرنے کے لئے گلاب جیسا منہ چاہیئے ہر ایک کے لئے مناسب نہیں۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی بعض دفعہ ایسی باتیں فرماتے تھے کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ فرماتے جو باتیں یہ کہتے ہیں، اگر ہم کہنے لگیں تو گردن ناپ دی جائے ہر شخص کا ایک منصب ہوتا ہے ان بزرگ سے بارش کی دعا کے لئے جب لوگوں نے بہت اصرار کیا تو انہوں نے کہا کہ "میری اللہ میاں سے لڑائی ہو رہی ہے" پھر خدام سے فرمایا میری لنگی دھوپ میں لے جاکر ڈال دو وہ اس کو سوکھنے نہیں دیں گے چنانچہ خدام نے دھوپ میں ڈال دیا، ابر آیا اور خوب بارش ہوئی انہوں نے فرمایا کہ بھائی میں نے کہا تھا کہ سوکھنے نہیں دیں، بھائی محبت میں ناز و نخرے سب برمحل ہیں اگر ہم کہیں تو مفتی کفر کا فتویٰ دیں گے۔

وعین الرضا عن کل عیب کلیلۃ کما ان عین السخط تبدی المساویا

میرے دوستو! مالک سے مانگو اور اس طریقہ سے مانگو جیسے حضورؐ نے مانگا، خوشامد میں لذت ہوتی ہے۔

کیمیا گر کا قصہ فرمایا:- ہم نے ایک قصہ سن رکھا تھا، ایک بادشاہ تھا اس کو کیمیا کی دھت تھی، ہم نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جن کو اس کی دھت تھی وہ راستہ چلتے زمین میں جڑی بوٹی کی تحقیق و تفتیش کرتے چلتے ہیں ان کے ساتھ راستہ چلنا مشکل ہو جاتا ہے جس کو کیمیا کی دھت ہو جاتی ہے اس کو کھانے پینے اور کسی چیز میں مزہ نہیں آتا۔ بادشاہ نے اپنے درباریوں سے ایسے آدمی کی تلاش کیلئے کہا جو کیمیا کا فن جانتا ہو، ان لوگوں نے ایک سنّار کا پتہ بتایا اس کو دربار میں حاضر کیا گیا۔ بادشاہ نے اس سے دریافت کیا۔ اس نے کہا کہ "اگر مجھے کیمیا کا فن آتا تو میری یہ خستہ حالت کیوں ہوتی۔" بادشاہ کی سمجھ میں یہ بات آگئی چنانچہ اس نے اس کو واپس کر دیا، مگر وزراء نے کہا کہ اس کو یہ فن آتا ہے۔ بادشاہ کو کیمیا کی دھت تو تھی ہی وہ اپنا کھیں

بدل کر سقّا کے گھر گیا اور اس سے ملاقات کی اور کہا کہ میں نے آپ کو ایک مرتبہ فلاں جگہ دیکھا تھا، مجھے آپ سے محبت ہوگئی ہے اس لئے میں آپ کی خدمت کے لئے آگیا ہوں اب سقا کے ساتھ پانی بھرنے کی خدمت انجام دینے لگا شام کو اس نے سقا سے کہا کہ تمھارا پاؤں دبانا چاہتا ہوں جب پاؤں دبانا شروع کیا تو بڈھے کو مزہ آگیا اس نے کہا کہ میں تمہاری مزدوری دو چار آنے دینا چاہتا ہوں اس نے کہا کہ مجھے اس کی کوئی غرض نہیں، البتہ اس کے اصرار کے بعد اس کے یہاں روٹی کھا لیتا تھا، اس طرح بادشاہ مہینہ دو مہینہ خدمت کرتا رہا، بے غرض خدمت کی بڑی قدر ہوتی ہے، خواہ مدرسہ کا کام ہو یا اللہ میاں کا، دو تین مہینے کے بعد سقا نے کہا کہ مجھے کیمیا کا فن آتا ہے، میں تمھیں بتانا چاہتا ہوں، اس نے کہا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں حدیث میں بھی آیا ہے" ازھد فیما عند الناس یحبک الناس" جو کچھ لوگوں کے پاس ہے، اس سے بے نیاز رہو تو لوگ تم سے محبت کرنے لگیں گے، جو کچھ مقدر میں ہے وہی ملے گا. میں یہ نہیں کہتا کہ کسی کا کچھ نہ لیا جائے بلکہ دنیا و مافیہا سے جتنا اپنے دل کو ہٹاؤ گے اتنا ہی دنیا تمھارے پاس، ذلیل ہو کر آئے گی، قرآن و حدیث میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے اور بزرگوں کے ملفوظات میں بھی ہے، اس بڈھے نے کہا سیکھ لو، مگر اس نے کہا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں بہرحال باصرار سقا نے اس کو کیمیا کا فن سکھا دیا، جب یہ سب سیکھ گیا تو وہاں سے بھاگ آیا اور یہ بڈھا اس کو گالیاں دینے لگا کہ اس نے میرے ساتھ دغا کی. بادشاہ نے دوسرے روز دربار کیا دو سپاہی بھیج کر اس سقا کو بلایا، سقا نے پہچان لیا. بادشاہ نے کہا کہ تم نے مجھے پہلے ہی اس فن کو کیوں نہیں بتایا، اس نے کہا حضور! "کیمیا کا نسخہ پاؤں دبا کر ہی آدے" بھائی اگر یہ اللہ کے واسطے ہو تو بہت ہی لذیذ ہے، حضور کا گڑگڑانا عشق و محبت کا تھا، خواہ وہاں سے ملے یا نہ ملے یہ دعا کی تفصیل ہے.

ارشاد فرمایا. ان چند راتوں میں اپنے واسطے مانگو، خصوصیت سے امت کے واسطے مانگو اس میں اپنی غرض بھی پوری ہو جائے گی. ہم نے اپنے آپ کو پہچانا نہیں، شیطان کے چکر میں پھنس کر اپنے آپ کو ذلیل کیا.

چوبیسویں مجلس

۲۴ ر رمضان المبارک

علی گڈھ کے ڈاکٹروں کی آمد آج علی گڈھ سے وہ غیر مسلم ڈاکٹر جنہوں نے حضرت اقدس کی آنکھوں کا علاج کیا تھا، اپنے رفقار کے ساتھ ۱۱ ربجے دن میں حضرت اقدس کی خدمت میں حاجی نصیر الدین صاحب کے ہمراہ نیازمندانہ حاضر ہوئے دوسرے دن واپس چلے گئے، تراویح ونماز کا منظر دیکھنے کے لئے بیٹھے رہے۔ حضرت اقدس نے اپنے دستِ مبارک میں قرآن مجید اٹھاکر انھیں بتایاکہ یہ وہ کتاب ہے جو نماز میں پڑھی جاتی ہے، صرف نماز تراویح میں ایک مہینہ کے اندر تین مرتبہ یہاں ختم کی جاتی ہے، اس سے وہ لوگ بہت متاثر ہوئے۔

ارشاد فرمایا:۔ آج میں نے اپنے ڈاکٹر کو رمضان المبارک کا منظر دیکھنے کے لئے یہاں بلایا تھا۔ انہوں نے علی گڈھ میں ہماری بہت خاطریں کیں، ہم ان امیروں کو کھلا پلاکر کیا بدلہ ادا کر سکتے ہیں۔ ایک مینڈک کسی کنوئیں میں رہتا رھا۔ اتفاقاً اس میں ایک سمندر کی مچھلی آگئی اس نے کہاکہ تیرا گھر بہت چھوٹا ہے، مینڈک نے چھلانگ لگائی اور کہاکہ شاید تیرا گھر اتنا بڑا ہو، اس نے کہاکہ وہ تو بہت بڑا ہے۔ اس نے دوبارہ وسہ بارہ چھلانگ لگائی اور ہر بار دو انگل اوپر کو ہوجاتا اور کہتا کہ شاید تیرا گھر اتنا بڑا ہے، مچھلی کہتی کہ وہ تو بہت بڑا ہے ہم امیروں کی کھانے پینے سے مہمانی نہیں کرسکتے اس لئے کہ ان کے یہاں عمدہ سے عمدہ کھانا ہوتا ہے۔

میں نے حاجی نصیر الدین کو لکھاکہ تم اپنے ڈاکٹر کو یہاں لے آؤ میں انہیں ایک ایسی چیز کی سیر

کراؤں گا جو انہیں کہیں اور کوئی مسلمان نہیں دکھائے گا، مگر یہ آمد بھائی یونس سلیم صاحب کی طرح ہو چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے یہاں کا منظر دیکھا، ذکر کا حلقہ دیکھا، بالآخر تراویح کا منظر دیکھا، اس کے بعد یہاں سے ہو کر واپس گئے۔

فرمایا:۔ علی گڈھ میں ایک نوجوان ڈاکٹر تھا اس سے ہماری دوستی ہو گئی تھی وہ روزانہ میرا بلڈ پریشر دیکھا کرتا تھا اور دیر تک دیکھتا اور باتیں کرتا، اس نے بھی سہارنپور آنے کے لئے کہا تھا، مگر کسی وجہ سے نہیں آسکا، بھائی میں علیگڈھ و مراد آباد والوں کا ممنون ہوں، ڈاکٹر نے بتایا کہ آپ کے لئے سب سے بہتر بکرے کا گوشت ہے، اس کے بعد مرغ کا، حاجی عظیم اللہ اور نصیر وغیرہ نے مرغ کے بہت ہدایہ کئے۔ ہم تمہاری خاطریں کھانے سے نہیں کر سکتے، ہماری خاطر یہ ہے کہ یہاں قیام کا ایک دن اور بڑھاؤ، کام اپنے ماحول سے نکلنے کے بعد ہوتا ہے۔

ایک تنبیہ ارشاد فرمایا دار العلوم و مظاہر علوم کے طلبہ ڈم ڈم والوں کو سن کر دوڑ پڑتے ہیں ایک بادشاہ تھا اس نے بلیاں پال رکھی تھیں اور ان کو خوب سدھار کھا تھا۔ ایک دن بادشاہ نے بزم مشاعرہ قائم کیا تو ان بلیوں کو شمعیں دے دیں جب کوئی شاعر کھڑا ہوتا تو یہ نہایت مؤدب شمعیں لے کر کھڑی رہتیں۔ ایک صاحب کو دل لگی سوجھی انھوں نے لاکر دو چوہے چھوڑ دیئے چنانچہ وہ ساری بلیاں دوڑ پڑیں اور ان کا مجمع منتشر ہو گیا، یہی حال ہمارا ہے جب نفس و شیطان سے کشمکش کا معاملہ پیش آتا ہے تو ساری بزرگی ختم ہو جاتی ہے۔

کام انہماک سے ہوتا ہے ارشاد فرمایا:۔ بذل المجہود کا جب میں پروف دیکھنے تھانہ بھون جایا کرتا تھا تو وہاں ظہر سے عصر تک حضرت اقدس تھانویؒ کی مجلس ہوتی تھی اور صبح ۱۰ بجے تک ڈاک لکھایا کرتے تھے ۸ بجے دن میں تخلیہ کا وقت تھا وہاں ایک لیٹر بکس تھا تخلیہ چاہنے والے اس میں پرچہ ڈال دیتے تھے اور سہ دری میں بیٹھ جاتے تھے۔ ترتیب سے انہیں بلایا جاتا تھا اور تخلیہ ہوتا۔ ان اوقات میں کسی کو سہ دری میں جانے کی اجازت نہیں تھی جانے پر ڈانٹ پڑ جاتی ایک دن موقع پاکر میں نے حضرتؒ سے عرض کیا کہ حضرت ظہر سے عصر تک پروف دیکھتا ہوں یہاں

رہ کر بھی حضرتؒ کی مجلس سے غائب رہتا ہوں اس پر حضرت اقدس نے فرمایا تم تو یہاں نہیں رہتے مگر میں تم کو دیکھتا رہتا ہوں اس وقفہ میں ۲۰، ۲۵ مرتبہ میں تمہاری طرف دیکھتا ہوں اور رشک کرتا ہوں کہ کام اسی طرح انہماک سے ہوتا ہے۔

فرمایا: "بذل" کی کتابت کے زمانے میں ایک داروغہ صاحب جو میرے حضرت کی اہلیہ کے عزیز تھے وہ حضرت کے پاس آئے، لیم شمیم سوٹیڈ بوٹیڈ تھے، حضرت کے قریب آکر بیٹھ گئے میں نے موقع دیکھ کر شذرات لکھنا شروع کر دیا ان کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ وہ صاحب اٹھنے کے بعد مجھ پر بہت ناراض ہوئے باہر جا کر بھائی مظہر ناظم کتب خانہ سے جو ان کے قریب کے رشتہ دار تھے کہا کہ بزرگوں کے پاس بیٹھنے والوں کے اخلاق ایسے خراب ہوا کرتے ہیں بھائی مظہر نے میری طرف سے صفائی پیش کی کہ یہ بات نہیں ہے بلکہ یہ بہت مشغول رہتا ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو آپ بیتی" صفحہ ۱۲۹ ج۲)

یہاں کا ماحول اپنے مقام پر قائم ہے

فرمایا: تم لوگ اللہ اللہ کرتے رہو مگر یہاں سے جانے کے بعد اکثر لوگ شکایت لکھتے رہتے ہیں کہ وہاں سے آنے کے بعد اب وہ اثرات نہیں رہے لیکن اگر یہاں کا ماحول اپنے مقام پر قائم کرو تو وہ اثرات باقی رہیں گے یہاں پر ماحول کا اثر ہے۔ معمولات کی پابندی ترقیات کا زینہ ہے۔ ایک مرتبہ حضرت شیخ الہندؒ، حضرت سہارنپوریؒ، حضرت تھانویؒ کے یہاں تشریف لے گئے۔ ملاقات وغیرہ کے بعد حضرت تھانویؒ نے ان دونوں حضرات سے اجازت لی کہ تھوڑی دیر کے لئے بیان القرآن لکھنے جا رہا ہوں اس وقت میرا یہی معمول ہے۔ چنانچہ تشریف لے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آگئے مگر طبیعت کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔ میرا بھی صبح کا وقت ایسا ہی ہوتا ہے حضرت رائپوریؒ حضرت مدنیؒ اور چچا جان کے علاوہ کسی اور کا آنا گوارا نہیں تھا۔ ایک مرتبہ حضرت رائپوریؒ تشریف لائے اور دیر تک ان کی خدمت میں بیٹھا رہا۔ اچانک سر میں درد ہونے لگا میں مجلس سے اٹھا حضرتؒ کا کشف مشہور تھا۔ حضرت نے دریافت فرمایا، کہاں جا رہے ہو۔ میں نے عرض کیا۔ ابھی تھوڑی دیر میں حاضر ہوتا ہوں میں اٹھ کر اوپر گیا اور چند سطریں لکھیں تو سر کا درد جاتا

رہا، واپس آیا تو پھر دریافت فرمایا کہ کہاں گئے تھے، میں نے عرض کیا کہ سر میں درد ہو رہا تھا، حضرت نے فرمایا ایسا سبھی کو ہوتا ہے اپنا معمول پورا کر لیجئے میری آمد پر جب ایسا ہو تو مطلع کر دیجئے۔

حضرت گنگوہیؒ نے حضرت حاجی صاحبؒ کو ایک خط تحریر فرمایا کہ کبھی اپنے مشائخ سے علیحدگی ہو جاتی ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ مشغولیت کی بنا پر ایسا ہو جاتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔

ایک آدمی میں تین اشخاص

ارشاد فرمایا:۔ یہ قصّے سنانے کے نہیں ہیں، لیکن اپنے قصّے سنانے میں یہی خیال ہے کہ شاید اللہ کے کسی بندے کو نفع پہنچ جائے، صبح کا کام اب ہوتا نہیں۔ مگر اس وقت اب بھی اگر کوئی آتا ہے تو جی چاہتا ہے کہ پھاڑ کھاؤں۔

مولانا احتشام الحسن کاندھلوی کے ایک وکیل صاحب دوست تھے جو میرٹھ کے رہنے والے تھے وہ ایک مرتبہ کاندھلہ آئے واپسی پر مولانا احتشام نے کہا کہ سہارنپور حضرت شیخ الہند صاحبؒ سے بھی ملاقات کرتے جایئے گا، چنانچہ وہ یہاں صبح کے وقت میں آئے، ملاقات و مصافحہ کے بعد میں نے کہا کہ کہاں سے آتے ہو انہوں نے کہا کہ کاندھلہ سے، میں نے کہا کہ اس وقت تو میں بات نہیں کر سکتا "۱۲ بجے ملاقات ہوگی، بڑے حضرت رائپوریؒ کے ایک خلیفہ منشی رحمت علی صاحب تھے۔ وہ کہتے تھے کہ مولوی کا دماغ اس وقت خوب چلتا ہے جب دسترخوان ہو کسی اور کا اور انتظام ہو مولوی کا، میرا بھی یہی حال ہے دوپہر کے دسترخوان پر میری طبیعت خوب چلتی ہے دوپہر کے کھانے میں میں نے وکیل صاحب کو بلایا، وہ آئے میں نے ان سے کہا کہ تم وکیل ہو بتاؤ اگر تم مثلیں دیکھنے میں مشغول ہو اور کوئی تم سے آکر بات کرنا چاہے تو تم پسند کرو گے بہرحال دسترخوان پر ان سے خوب بے تکلفی رہی کھانے کے بعد میں نے ان سے کہہ دیا کہ اب عصر بعد ملاقات ہوگی عصر بعد کا منظر بھی انہوں نے دیکھا وہ دوسرے دن واپس میرٹھ گئے وہاں سے اسی دن انہوں نے مولوی احتشام کو خط لکھا" کہ آپ نے مجھے ایک ایسے آدمی کی زیارت کرائی کہ اس ایک آدمی میں مجھے تین آدمی نظر آئے۔ جب میری پہلی ملاقات ہوئی تو مجھے بڑا غصہ آیا کہ کس آدمی کے پاس مجھے بھیج دیا، مولویوں کے یہاں اخلاق نہیں ہوتے، اگر دوپہر کا

وعدہ نہ کیا ہوتا تو اسی وقت وہاں سے چلا آتا مگر دوپہر کو میں نے محسوس کیا کہ میرا بہت بے تکلف دوست ہے جس سے ہمیشہ کا یارانہ رہا ہے عصر کے بعد میں نے دیکھا کہ یہ دونوں باتیں نہیں ہیں بلکہ ایک تیسرا آدمی ہے جو شیخ وقت معلوم ہوتا ہے انہوں نے لکھا کہ میں آپ کا بہت ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے ایک آدمی میں تین آدمی دکھا دیئے۔

اوقات کا تعیّن ارشاد فرمایا:۔ اپنے کاموں کے لئے اوقات مقرر کرو اس کے درمیان چھوٹے بڑے کسی کی پرواہ نہ ہونی چاہیئے بعض لوگ اخلاق کا عذر کرتے ہیں کہ اگر کوئی آجائے تو اخلاق برتنا چاہیئے، میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ اگر اس وقت قضاء حاجت کی ضرورت پیش آجائے تو کیا اس کا عذر نہ کروگے؟

کیسے گلے رقیب کے کیا طعن اقربا — تیرا ہی دل نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

پکا عہد کرلو کہ معمولات کو کبھی نہیں چھوڑیں گے یہ ترقیات کا زینہ ہے، ہمارے اکابر کا یہی معمول تھا حضرت گنگوہیؒ سے دیکھنا شروع کیا تھا کہ حضرت کا وقت پر کیواڑ بند ہو جایا کرتا تھا۔

پیر من خس است اعتقاد من بس است

پچیسویں مجلس

۲۵ رمضان المبارک

آج کی مجلس میں اپنی مدرسے کے ابتدائی دور اور سبعہ معلقہ کے سبق کا معرکۃ الآرار قصہ اور علی گڈھ کی ملازمت کی تجویز اور تقسیم جائداد میں بڈھانہ کے سفر کے واقعات سنائے مگر" آپ بیتی ۲ " میں یہ سارے واقعات زیادہ، تفصیل سے آچکے ہیں اس لئے یہاں پر حذف کرتا ہوں، اور ناظرین اس کے لئے آپ بیتی ۲ کا مطالعہ کریں"!

اپنی جھنجھانہ کی جائداد سے بے تعلقی کا اظہار

یہ واقعہ "آپ بیتی" میں نہیں آسکا ہے اس لئے اس کو نقل کر رہا ہوں۔

ارشاد فرمایا:۔ ہماری ایک بڑی جائداد جھنجھانہ میں تھی، وہاں سے کچھ لوگ سہارنپور آئے انہوں نے بتایا کہ آپ کی ہمارے یہاں ایک بڑی جائداد ہے جس پر دوسروں کا قبضہ ہے۔ اس کی ملکیت تقریباً ایک لاکھ ہوگی ہم لوگ آپ کو تیس ہزار روپے نقد دینا چاہتے ہیں۔ اس پر قبضہ کرنا ہمارا کام ہے، آپ ماسٹر محمود صاحب کے والد وغیرہ سے ہمارے حالات کی تحقیق کرلیں صرف ایک مرتبہ بیع نامہ پر دستخط کے لئے عدالت جانا ہوگا۔ مگر میں نے انکار کیا کہ میرے بس کا نہیں، عدالتوں کے قصے طویل ہوتے ہیں، مجھے اس چکر میں پڑنے کی فرصت نہیں وہ لوگ اصرار کرکے واپس چلے گئے۔

چھبیسویں مجلس

۲۶ رمضان المبارک

"آج شام کو کھانے کے وقت ایک بہت بڑا مجمع بغیر اطلاع کے آگیا تھا جس کی بناء پر اکثر قدیم حضرات اور خدام کھانے سے رہ گئے اور ان کا بعد میں نظم کیا گیا، حضرت اقدس کو جب معلوم ہوا تو نگرانی کا اظہار فرمایا"۔

لالچ بقدر ضرورت و برمحل اچھی چیز ہے، ورنہ بری

ارشاد فرمایا:- میں نے ایک قصہ اپنے والد صاحب سے سنا تھا۔ ایک صاحب بڑے عالم و بزرگ تھے انہوں نے اللہ جل شانہٗ سے درخواست کی، اے میرے مالک! اگر تو ایک لالچ کو اٹھالے تو سارے جھگڑے ختم ہوجائیں، اسی کے سبب آدمی ملا مارا پھرتا ہے۔ مختلف شہروں میں تجارتیں کرتا ہے اور اس کے لئے دعائیں کراتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ تم خدائی میں کون دخل دینے والے ہو؟ انہوں نے عرض کیا بیشک آپ مالک ہیں، مگر ایک لالچ ختم ہوجائے تو سارے جھگڑے ختم ہوسکتے ہیں، جب انہوں نے بہت اصرار کیا تو اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ میں تم سے تین دن کے لئے اٹھالیتا ہوں انہوں نے کہا کہ نہیں، بلکہ پوری دنیا سے اٹھالیا جائے۔ مجھے تو آپ نے بہت کچھ دے رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تم سے تین دن کے لئے اٹھالینا چاہتا ہوں وہ بزرگ استاد تھے سبق پڑھا رہے تھے۔ گھر سے آدمی آیا کہ آج سقّا، پانی بھرنے نہیں آیا

انہوں نے ایک طالب علم کو سقار کے گھر بھیجا مگر وہ کسی طرح تیار نہیں ہوا، اس کے بعد وہ دوسرے سقوں کی خوشامد کرتا رہا، مگر کوئی تیار نہ ہوا اتنے میں گھر سے آدمی آیا کہ آج بھنگن بھی نہیں آئی اتنے میں ایک آدمی اور گھر سے آیا کہ بازار میں کوئی دکاندار سامان دینے کے لئے تیار نہیں اب بہت پریشان ہوئے اور دعا کی، اے میرے مالک! ایک دن میں ہی تو لبول گیا۔ تین دن تک بہت مشکل ہے۔ (کیونکہ کسی کو ان سے لالچ و احتیاج نہیں رہی)

معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ شانہ نے جو چیزیں پیدا کی ہیں وہ حکمت و مصلحت سے خالی نہیں، اس لئے "اکمال الشیم" میں لالچ کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ لالچ نہ ہو، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بقدر ضرورت اور برمحل ہو اسی طرح غصہ بری چیز ہے، مگر اپنے محل پر جائز ہے۔

اضافہ:۔ امام رازیؒ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ وغیرہ محققین نے لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام "ازالہ" کے لئے نہیں آئے، بلکہ "امالہ" کیلئے تشریف لائے ہیں قرآن مجید نے "والکاظمین الغیظ" فرمایا، اور یہ غصے کو پی جانے والے ہیں، امام غزالیؒ فرماتے ہیں، "والفاقدین الغیظ" نہیں کہا گیا کہ ان میں غصہ نہیں ہوتا بلکہ مومنین کی شان یہ بتائی گئی کہ غصہ کی موجودگی کے باوجود وہ اس کو ضبط کرتے ہیں اور محل پر اس کا اظہار کرتے ہیں۔

بھڑکتی نہ تھی خود بخود آگ ان کی — شریعت کے قبضے میں تھی باگ ان کی
جہاں کر دیا گرم گرما گئے وہ — جہاں کر دیا نرم نرما گئے وہ

موسمی پھل اپنے موسم میں نقصان دہ نہیں

فرمایا:۔ حافظ ابن قیمؒ نے "زاد المعاد" میں لکھا ہے کہ "جو چیز جس موسم میں پیدا ہوتی ہے وہ اس میں نقصان دہ نہیں ہوتی"۔ میری بھی یہی رائے ہے۔ کسی موسمی چیز پر تنقید کرنا گویا تخلیق پر تنقید ہے مالک کے ہر کام میں حکمت ہے بشرطیکہ اس کا استعمال صحیح ہو، البتہ غلط استعمال سے وہ غلط شمار کی جائے گی۔

موت کا مراقبہ میرے دوستو! دنیا کی زندگی ختم ہونے والی ہے، ہر چیز میں اختلاف ہے، مگر مرنے میں کوئی اختلاف نہیں اس پر ہمارا ایمان ہے مگر جو زندگی دائمی ہے اس کے لئے کام کرنے کی ہمیں فرصت نہیں، روٹی کے لئے وقت نکل آتا ہے مگر ذکر کے لئے وقت نہیں نکلتا، ہندوستان و پاکستان کی تقسیم نے ہمیں سمجھا دیا کہ کوئی چیز ساتھ جانے والی نہیں، حج کے سلسلے میں مشائخ نے لکھا ہے کہ اس میں پورا نقشہ موت کا ہے کپڑے اتار کر ایک لنگی و چادر پہننی پڑتی ہے حاجی کو کوئی اسٹیشن تک پہونچانے جاتا ہے کوئی بمبئی تک پہونچا کر واپس چلا آتا ہے، روپے پیسے جائیداد سب ساتھ چھوڑ دیں گی۔

ارشاد فرمایا: گھنٹہ کی آواز سن کر ایک ندا آئی ہے۔

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی
گردوں نے گھڑی عمر کی ایک اور گھٹا دی

ہمیں ہر وقت سوچتے رہنا چاہیئے کہ عمر ختم ہو رہی ہے بزرگوں سے ہم نے یہ بھی سنا ہے کہ سوتے وقت ہمیں اس کا محاسبہ کر لینا چاہیئے کہ کتنی چیزیں ایسی ہیں جو ساتھ جانے والی ہیں اور کتنی چیزیں ایسی ہیں جن کو یہاں چھوڑ کر جانا ہے، موت کو خوب یاد کرو، حدیث میں بھی آیا ہے: "اکثروا ھاذم اللذات" ایک جنازہ جا رہا تھا، ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ کس کا جنازہ ہے۔ انہوں نے فرمایا "تیرا" اس کو تعجب ہوا تو فرمایا تیرا نہیں تو میرا ہی ہے، بیماری، موت یہ ساری چیزیں عبرت کے لئے ہیں۔ ہم پر غفلت کے پردے پڑے ہوئے ہیں دوسروں کو دیکھ کر تعجب کرتے ہیں۔ حدیث کی کتابوں میں "کتاب الرقاق"، "کتاب الزھد"، پڑھتے وقت دھیان نہیں کرتے، فقہی بحث تو خوب ہوتی ہیں مگر ان کو یونہی اڑا دیتے ہیں، سوتے وقت آدمی کو تھوڑا سا موت کا مراقبہ بھی کر لینا چاہیئے۔

"اکثروا ذکر ھاذم اللذات"

ستائیسویں مجلس

۲۷ر رمضان المبارک

اسباب کا اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں

ارشاد فرمایا: ایک صاحب تقسیم سے پہلے پٹیالہ میں ملازم تھے اور ہمارے حضرت رائپوریؒ سے بیعت تھے انھیں تبلیغ سے بھی جوڑ تھا، ایک مرتبہ ایک شب کے لئے وہ میرے یہاں مہمان ہوئے انھوں نے مجھ سے کہا کہ آپ کی "فضائل صدقات" دیکھ کر میں نے ملازمت چھوڑ دی، میں نے ان سے کہا کہ اس میں تو کہیں یہ نہیں لکھا ہوا ہے ہمارے اکابر ملازمت تو چھڑواتے نہیں۔

حضرت تھانویؒ کانپور میں ملازم تھے، ان کا خط حضرت گنگوہیؒ کے نام آیا کہ میں ملازمت چھوڑنا چاہتا ہوں تو حضرت نے منع فرمایا، دوبارہ اس سلسلہ میں پھر خط آیا، تو اس مرتبہ بھی حضرت نے منع فرمایا، میرے والد صاحبؒ نے عرض کیا کہ جب وہ چھوڑنا چاہتے ہیں تو کیوں منع فرماتے ہیں، حضرت نے فرمایا کہ تم اپنی طرف سے لکھ دو میری رائے منع ہی کی ہے، تیسری مرتبہ خط آیا کہ میں نے ملازمت چھوڑ دی اور تھانہ بھون آگیا ہوں، اس پر مسرت کا اظہار فرمایا اور بڑی دعائیں دیں۔

ہمارے اکابر کبھی یہ رائے نہیں دیتے کہ مسلمان بالقصد اپنے نفس کو توکل مستحب کے امتحان میں ڈالے، ہاں جن اصحاب کی طبائع قوی پاتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ مشاق و صعوبات پر صبر کر سکتا ہے، اس کو اشارتاً ایسا فرمایا کرتے ہیں کہ اسباب معیشت سے مستغنی ہو کر متوکل

بن کر بیٹھ جاؤ۔

ارشاد فرمایا: میرے چچا جان نے اسباب کے طور پر بکریاں پال رکھی تھیں، اتفاقاً سب مرگئیں، فرمایا "مقدر کی بات اسباب اختیار کرنا چاہتا ہوں، مگر وہ راس نہیں آتے"۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے "الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین" میں اپنے اور اپنے والد صاحب کے منامات کو لکھا ہے بڑی اچھی کتاب ہے۔ تصوف کے اعتبار سے بھی اور علم کے اعتبار سے بھی، اس میں چالیس منامات ذکر کئے ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ "ایک مرتبہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ترکِ اسباب کی درخواست کی تو آپؐ نے میری طرف ایک توجہ فرمائی جس سے میرا دل تمام اسباب سے سرد ہوگیا، نہ تجارت، نہ بیوی نہ اولاد کسی سے کوئی علاقہ نہیں رہا پھر دوبارہ توجہ ڈالی تو ظاہر اسباب کے ساتھ رہا اور باطن ان سے الگ ہوگیا۔

میرے پیارو! ملازمت وغیرہ ضرور کرو حکم ہے مگر دل اس میں نہ لگاؤ بلکہ تقدیر پر اعتماد کرو، اس صورت میں اگر تنخواہ کم ہوگی، جب بھی پریشانی نہ ہوگی، مالک سے مانگنے کی عادت ڈالو۔

ارشاد فرمایا: بڑوں کے زمانے میں یہ اخبارات ولغویات نہیں تھیں، اکابر کی سوانح و ملفوظات خوب پڑھو میرے ملفوظات چھپوانے کے قابل نہیں جب تک کسی مفتی کو دکھا نہ لو یہ کتابیں جو یہاں مجلس میں پڑھی جارہی ہیں ان کو خوب غور سے سنو بھائی دنیا کمانے سے میں منع نہیں کرتا۔ مگر موت کا مراقبہ کرتے رہو ہمارے بڑوں نے یہی نسخہ بتایا ہے۔ غمِ امروز کے بجائے غمِ فردا کرو، بھائی اب دو دن اور باقی رہ گئے ہیں، کچھ کرلو۔

کاروبار زندگی میں مشغول رہ کر بھی آدمی ولی بن سکتا ہے

ارشاد فرمایا: "مرقاۃ شرح مشکوٰۃ" میں ملا علی قاری نے ایک بزرگ کا قصہ لکھا ہے کہ وہ حج کو گئے وہاں انہوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ بیت اللہ کا پردہ پکڑ کر زار و قطار رو رہا ہے یہ بزرگ فرماتے ہیں کہ میں اس کے قلب کی طرف متوجہ ہوا تو وہ ایک لمحے کے لئے بھی اللہ سے واصل نہیں تھا۔ اس کے بعد منیٰ گیا۔ ایام منیٰ تاجروں کی شدید مشغولیت کے ہوتے ہیں وہاں میں

نے ایک تاجر کو دیکھا کہ اس نے ہزاروں کا کپڑا فروخت کیا جب میں اس کے قلب کی طرف متوجہ ہوا تو وہ اپنی اس مشغولیت میں بھی ایک لمحہ کے لئے بھی اللہ سے غافل نہیں تھا۔

ارشاد فرمایا:۔ ایک مرتبہ میرے حضرت "مثل" لکھوا رہے تھے میرا ذہن کہیں اور تھا۔ فرمایا "من باتومشغول وتو باعمر وزید"۔ میں پانی پانی ہوگیا۔

فرمایا۔ تقسیم سے پہلے یہاں سہارنپور میں رات میں کثرت سے فقراء آتے تھے اور عجیب عجیب صدائیں لگاتے تھے میں اس زمانے میں رمضان میں سویا نہیں کرتا تھا اب تو معذور ہوں معلوم نہیں وہ کہاں گئے ان کی صداؤں میں کبھی بڑی عبرت و نصیحت کی باتیں ہوا کرتی تھیں۔

ذکر اگر آداب سے کیا جائے تو رذائل دور ہو جائیں گے

ایک صاحب نے سوال کیا کہ ذکر بالجہر افضل ہے، یا ذکر بالسر؟ جواب میں ارشاد فرمایا۔ میرے نزدیک وہی افضل ہے جو میں کراتا ہوں، میری بات یاد رکھو، اندر سے جوڑ لگالو اسی کو نسبت کہتے ہیں، اسی کو یاد داشت کہتے ہیں۔

ع — از دروں شو آشنا و از بیروں بے گانہ شو

ہمارے اکابر کے یہاں تو یہی ہے کہ ذکر اگر پورے آداب سے کیا جائے تو سارے رذائل خود بخود نکل جائیں گے، پہلے زمانے میں ایک مدت دراز تک رذائل کو زائل کرنے میں وقت صرف ہوتا تھا اس کے بعد ذکر بتایا جاتا تھا۔ مگر حضرت حاجی صاحبؒ اور ہمارے اکابر نے دیکھا کہ اتنی طویل مدت کا صرف کرنا موجودہ دور میں مشکل ہے اس لئے پہلے ذکر ہی تجویز کرتے تھے، بشرطیکہ ذکر ذکر ہو، ذکر کے مختلف درجات ہیں اسی اعتبار سے اس کے اثرات ہوتے ہیں۔

آج تراویح کے بعد حدیث مسلسل "بالتمر والماء" کو پڑھ کر لوگوں کو اجازت مرحمت فرمائی اور مجمع میں چھوارے تقسیم کئے گئے۔

اٹھائیسویں مجلس

۲۸ر رمضان المبارک

سہارنپور کی دینداری

ارشاد فرمایا:- میری نوجوانی میں ایک سیاح کلکتہ سے چلے. تقریباً ساٹھ سال ہوئے ہوں گے ان کا سہارنپور بھی اترنا ہوا انہوں نے اتر کر لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کون سا شہر ہے؟ لوگوں نے نام بتایا تو انہوں نے کہا کہ یہ نام تو میں نے نہیں سنا تھا مگر اسٹیشن پر چاروں طرف داڑھیاں ہی داڑھیاں نظر آ رہی تھیں. معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ مکہ ہے لوگوں نے بتایا کہ اس کے چاروں طرف اکابر کی خانقاہیں ہیں. گنگوہ، تھانہ بھون، دلیو بند وغیرہ اس پر یہاں سے جا کر اس نے ایک مضمون لکھا تھا کہ "میں نے ہندوستان میں بھی ایک مکہ دیکھا ہے" میرے بچپن میں غیر مسلموں کو بھی رمضان المبارک میں راستے میں کھانے کی ہمت نہیں ہوتی تھی یہاں تک کہ کچہری کے حکام لنچ وغیرہ پردے میں کیا کرتے تھے اس قدر رمضان کا احترام تھا، مولوی منفعت علی صاحب وکیل تھے اور میرے ابا جان کے شاگرد تھے اخیر میں مفتی محمود صاحب سے ہدایہ پڑھی تھی. مجھ سے بہت اچھے تعلقات تھے انہوں نے مجھے ایک زوردار خط لکھا کہ آپ کا گھر سہارنپور میں سارے باغیوں کے ٹھیرنے کی جگہ ہے حضرت مدنیؒ، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری وغیرہ سب یہیں ٹھیرتے تھے وہ زمانہ انگریزوں سے سخت مخالفت کا چل رہا تھا، انہوں نے اپنے خط میں سیاست کے بارے میں میری رائے معلوم کی تھی، میں نے ان کو جواب دیا کہ سیاست تو میں جانتا نہیں، مگر اتنی بات ضرور ہے کہ جس شہر کو لوگ مکہ سمجھتے تھے، وہاں طاقت کے زور سے دین مٹایا جا رہا ہے اور جہاں اپنی حکومت ہے وہاں اپنے ہاتھوں سے مٹایا جا رہا ہے ایک

صاحب بنارس سے پیدل حج کے لئے روانہ ہوئے اور یہ طے کیا کہ ہر چند قدم پر دو رکعت نماز پڑھوں گا ان کا کراچی تک جانا تو معلوم ہے اس کے بعد کی خبر نہیں وہ جہاں قیام کرتے وہاں ان کے اعزا ملاقات کے لئے آتے رہتے وہ سہارنپور آکر ٹھرے تو ان کے ایک عزیز جو ماسٹر تھے وہ آگرہ سے ملاقات کے لئے آئے انہوں نے سہارنپور کے کسی حجام سے داڑھی مونڈنے کے لئے کہا تو اس نے کہا کہ آج تک تو میں نے کسی کی داڑھی نہیں مونڈی،

فرمایا۔ مجھ سے کئی حجام بیعت تھے جنہوں نے داڑھیاں مونڈنا چھوڑ دیا۔ دین اگر پکا ہو جائے تو سب آسان ہے۔ یہ سکھ اپنی داڑھیاں چھوڑتے ہیں اور اسلام میں تو یہ شعائر میں داخل ہے۔ سکھوں کے بارے میں ہم نے تو یہ نہیں سنا کہ ان کے کسی افسر نے داڑھی مونڈی ہو۔

حضرت گنگوہیؒ کا نماز عید کے لئے تشریف لے جانا

ارشاد فرمایا:۔ میں نے حضرت گنگوہیؒ کے پیچھے عید کی نماز پڑھی ہے۔ حضرتؒ عیدگاہ پالکی پر تشریف لے جاتے حضرت شیخ الہندؒ بھی پالکی اٹھانے والوں میں شامل ہوتے۔ حضرت مجھے بھی اپنی پالکی پر بٹھا کر لے جاتے تھے، حضرت کا سفید عمامہ اور چوغا بڑا ہی عجیب معلوم ہوتا۔ بعضوں پر لباس سجے اور بعضوں پر نہیں۔ مشائخ پر خوب سجتا تھا۔ حضرت تھانویؒ کو دیکھا۔ بڑے حضرت رائپوریؒ اور حضرت چھوٹے رائپوریؒ کو دیکھا۔ جمال اندر کی چیز ہے جو صباحت سے چمکتا ہے، صابن پوڈر ملنے سے جمال نہیں آتا۔

حضرت مدنی کے ساتھ اکثر میں نے جمعہ کی نماز پڑھی ہے۔ جب وہ خطبہ کے لئے منبر پر تشریف لے جاتے تو بہت بھلا معلوم ہوتا۔ متنبی کا شعر ہے۔

حسن الحضارة مجلوب بتطلية ۔۔۔ وفی البداوة حسن غیر مجلوب

"شہر کا حسن بناوٹ کا اور دیہاتی حسن قدرتی ہوتا ہے" اللہ کا مجھ پر یہ کرم ہے کہ بزرگوں کو اور ان کے آپس کے تعلقات کو خوب دیکھا،

حضرت مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب مجددیؒ بھوپالی کی سہارنپور تشریف آوری،

ارشاد فرمایا:۔ مولانا عمران خان صاحب کا بھوپال سے مفصل خط

آیا کہ حضرت صاحب نور اللہ مرقدہٗ اپنی ضرورت سے سہارنپور آنا چاہتے ہیں حضرت کے وہاں عزیز و اقارب بھی ہیں اور معتقدین بھی ہیں لیکن حضرت اپنی بعض مصالح کی بنا پر وہاں قیام کا ارادہ نہیں رکھتے اور مدرسے میں قیام چاہتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ کھانے کا انتظام حضرت خود فرمائیں گے، آدمی اپنا ہوگا۔ اپنی مرضی سے جو چاہے، جب چاہے کھائیں گے۔ انہوں نے لکھا کہ "میں آپ کی جانب سے نیابتاً وکالتاً پیشکش کر چکا ہوں، مگر حضرت نے بغیر اس شرط کے قیام منظور نہیں فرمایا۔ اگر آپ کو یہ شرط منظور نہ ہو تو قیام کا کہیں اور انتظام کیا جائے"۔ میں نے اس کے جواب میں لکھا کہ سر آنکھوں پر ضرور تشریف لائیں، لیکن میری طرف سے درخواست ہے کہ اس شرط پر نظر ثانی کی گنجائش ہو تو ضرور فرمالیں، ان کا جواب آیا کہ اس پر نظر ثانی کی بالکل گنجائش نہیں۔ میں نے لکھا کہ ضرور تشریف لائیں اور جو شرطیں حضرت منظور فرمائیں۔ اس زمانے میں مدرسہ کا مہمان خانہ یہ بڑا کمرہ نہیں تھا بلکہ اس کے بالمقابل کے کتب خانہ کا چھوٹا کمرہ مہمان خانہ تھا جو اب کتب خانہ کا جزو بن گیا۔ اس میں حضرت اقدس رائپوریؒ کا قیام تھا۔ مولانا عمران خان صاحب کا تار آیا کہ کل حضرت صاحب پہونچ رہے ہیں۔ ان کے اس تار پر مجھے سناٹا سا آگیا اس لئے کہ مہمان خانہ کا وہی ایک کمرہ اور اس میں حضرت رائپوریؒ کا قیام، حضرتؒ سے یہ کہنا کہ تشریف لے جائیں ایک بہت اہم مہمان آرہے ہیں بہت مشکل اور حضرت شاہؒ کی آمد پران سے یہ عرض کرنا کہ آج تو مہمان خانہ خالی نہیں۔ مدرسہ کی سہ دری میں قیام کریں، کل شام تک خالی ہو جائے گا، اس سے زائد دشوار، لیکن یہ ناکارہ حضرت رائپوریؒ کے کشف و کرامات کو بارہا دیکھ چکا تھا۔ حضرتؒ نے اگلے دن صبح کو از خود کہا کہ اجازت ہو تو آج واپسی کا خیال ہے حالانکہ دہ دن حضرت رائپوریؒ کے قیام کا تھا۔ تین دن کے ارادے سے تشریف لائے تھے، حضرتؒ کے اس ارشاد پر غیرت کے ساتھ ہنسی آگئی اور میں نے کہا کہ حضرت ضرور تشریف لے جائیں، حضرتؒ نے ضرور اور ہنسنے کی وجہ پوچھی، تو میں نے سارا قصہ سنا دیا۔ حضرتؒ نے تھوڑے سے تکدر سا چہرے سے یہ ارشاد فرمایا کہ میرے سے کیوں تکلف کیا۔ مجھ سے بے تکلف کہہ دینا چاہئے تھا۔ چونکہ تار میں کسی ٹرین کی تعیین نہیں تھی اس لئے اسٹیشن پر کوئی نہ جا سکا کہ وقت معلوم نہ تھا، لیکن آنا

مرچ اور بے مرچ دونوں طرح کا دو آدمیوں کے بقدر تیار کرالیا، ظہر تک انتظار رہا، جب میں ظہر کی نماز پڑھ کر واپس ہوا، اس زمانے میں جلدی سے مسجد سے آنا ہوتا تھا تو مولانا یحییٰ صاحب کھنجاری مسجد کے در میں ملے، ان سے پہلے کی واقفیت تھی اور یہ بھی معلوم تھا کہ ان کا قیام بھوپال میں ہے۔ ان سے مصافحہ پر میں نے حضرت شاہ کے متعلق دریافت کیا انہوں نے کہا کہ تشریف لے آئے مسجد میں ہیں، میں صف پر بیٹھ گیا، حضرت شاہ صاحبؒ سے نماز سے فراغت کے بعد اٹھ کر مصافحہ کیا، مصافحہ کے بعد میں نے عرض کیا کہ کھانا تو نہیں کھایا یہ بات میں پہلے مولانا یحییٰ صاحب سے معلوم کر چکا تھا، حضرتؒ نے فرمایا "کھایا تو نہیں ہے مگر ابھی کچھ رغبت بھی نہیں"۔ میں نے عرض کیا کہ ظہر تک اگر رغبت نہیں ہے تو پھر کب ہوگی، جناب کی شرط کے خلاف تو ذرا اصرار نہیں، لیکن ہم طالب علموں کو تکلف تو آتا نہیں، بے تکلف عرض ہے کہ کھانا پرہیزی و بے پرہیزی یعنی مرچ و بے مرچ کا تیار ہے جو میں نے احتیاطاً تیار کرالیا تھا۔ حضرتؒ نے کچھ سکوت فرمایا۔ میں نے مولوی یحییٰ سے کہا کہ تمھاری تو کوئی شرط نہیں، تم تو کھالو اور حضرتؒ کو رغبت ہوگی تو ایک آدھ لقمہ نوش فرمالیں گے۔ مجھے اس وقت کا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا تبسم سے زائد ضحک آمیز فقرہ خوب یاد ہے، کہ "بہت اچھا"۔ تو معاً میں نے دوسرا فقرہ وہیں بیٹھے بیٹھے کہا کہ حضرت دوسری درخواست اور ہے کہ میرے پاس تو اس وقت حدیث پاک کا سبق ہے یہ مولوی شفیق گنگوہی ثم بھوپالی ان سے آپ بھی واقف ہوں گے اس وقت ان کا قیام سہارنپور میں مستقل تھا اور حضرت شاہ صاحب کے معتقد تھے، یہاں موجود ہیں حضرت تو مہمان خانہ تشریف لے چلیں یہ مولوی شفیق صاحب وہیں کھانا لاکر حضرت کو کھلا دیں گے۔ ان شاء اللہ عصر بعد ملونگا اس پر حضرت نے بہت اظہار مسرت فرما کر "بہت اچھا بہت اچھا" فرمایا اور یہ بھی فرمایا "ایسی بے تکلفی بہت اچھی"۔ میں مولوی شفیق کو ساتھ لاکر ان کے ہمراہ دونوں طرح کے کھانے روانہ کرکے اپنے کام میں لگ گیا، حضرت نے کھانا کھاکر آرام فرمایا، عصر میں ملاقات ہوئی میں نے تحقیق کی حضرت نے کچھ نوش فرمایا یا نہیں معلوم ہوا کہ چونکہ ظہر کے بعد کھانا ہوا تھا اس لئے اس وقت رغبت نہیں ہے اس وجہ سے اس وقت کوئی انتظام

نہیں فرمایا۔ عصر کے بعد چائے کی مجلس میں شرکت ہوئی، کچھ میرے گستاخانہ فقرے کچھ حضرت کے شفقت آمیز فقرے ہوتے رہے۔ مغرب کے قریب میں نے عرض کیا حضرت میرا معمول سالہا سال سے صرف ایک وقت کھانے کا ہے، شام کو تو ہے نہیں اس لیے صبح کو ان شاء اللہ آپ کی معیت میں کھاؤں گا اور اس وقت مجھے تو مشغولی ہے اور آپ کو بھی اپنے اوراد و وظائف میں مشغولی ہوگی اس لئے اوپر تشریف لے جائیں، میں تھوڑا سا کھانا بھائی یحییٰ کی نیت سے بھیج دوں گا۔ آپ کو خواہش ہو تو آپ بھی نوش فرمالیں، اس پر بھی تبسم فرمایا اور اوپر تشریف لے گئے، میں نے حسب معمول مولوی شفیق کے ہاتھ کھانا بھیج دیا، معلوم نہیں نوش فرمایا یا نہیں نوش فرمایا۔ میں نے پھر دریافت نہیں کیا۔ صبح کی چائے میں میں نے حضرت کے لئے دو انڈے بنوائے، حضرت نے انڈوں کے خلاف بڑا زوردار وعظ فرمایا میں نے وہ رکابی اٹھا کر اور چمچے سے اسے ہٹاتے ہوئے عرض کیا کہ یہ قول شاذ ہے، (اطبائے یونان ڈاکٹر ہومیو پیتھک والے اجماعاً اس کے کھانے پر متفق ہیں) چائے سے فراغ کے بعد میں نے کہا کہ حدیث کا ارشاد ہے "الضیافۃ ثلاث" لہٰذا تین دن تو آپ بمقتضائے حدیث آپ میرے مہمان ہیں، اس کے بعد آپ آزاد ہوں گے حضرتؒ بہت ہنسے اور فرمایا "میں نے پہلے ہی سے سن رکھا تھا، تصدیق ہوگئی" ایک ہفتہ سے زائد حضرت کا قیام رہا اور میرے مہمان رہے۔ دوسرے دن سے میرے سبق کے اندر بھی بہت اہتمام سے تشریف لے جانے لگے۔ یہاں پر حضرتؒ کی طبیعت ایسی لگی کہ جانے کے وقت فرمانے لگے، "آپ کے پاس سے جانے کا جی نہیں چاہتا"۔ اسباق میں بھی بہت دعائیں دیتے اور مسرت کا اظہار فرماتے یہاں کے تشریف بری کے بعد ابتداءً بہت سے خطوط بلانے کے آتے رہے۔ مگر مقدر کی حاضری نہ ہوسکی اور حضرتؒ کا وصال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی سے ایک ملاقات

ارشاد فرمایا: مجھے مولانا مناظر احسن گیلانی کی زیارت کبھی نہیں ہوئی مگر ان کا اسم گرامی کثرت سے سنتا رہا۔ اور ان کے علمی و تالیفی حالات بھی مجھے معلوم ہوتے رہے وہ دار العلوم دیوبند

کے ممبر تھے اور مجلس شوریٰ میں ہمیشہ تشریف لاتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت ناظم صاحب مولانا عبدالطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا میرے پاس آدمی پہونچا کہ مولانا مناظر احسن گیلانی حیدرآبادی تشریف لائے ہوئے ہیں اور وہ تجھ سے ملنا چاہتے ہیں، میں ان کا نام سن کر بہت مرعوب ہوا ملاقات کا بالکل جی نہیں چاہتا تھا اس لئے کہ میں بڑے آدمیوں سے ملاقات کرتے ہوئے ہمیشہ گھبراتا رہا لیکن چونکہ پیام یہ تھا کہ وہ تجھ سے ملنے آئے ہیں اس لئے فوراً حاضر ہوا، مولانا مرحوم نے بڑے تپاک سے اٹھ کر مصافحہ و معانقہ کیا اور فرمایا کہ "تجھ سے ملنے کا کئی سال سے بہت ہی اشتیاق تھا، اس لئے کہ میری جسمانی ملاقات اگرچہ کہیں نہیں ہوئی مگر روحانی ملاقات روزانہ ایک گھنٹہ ہمیشہ رہتی ہے۔ جب سے الکوکب الدری طبع ہوئی ہے۔ ترمذی پڑھانے کے لئے ایک گھنٹہ اس کا مطالعہ بہت اہتمام سے کرتا ہوں گویا آپ کی مجلس میں رہتا ہوں۔ یہ کتاب طالب علموں سے زیادہ مدرسین کے لئے زیادہ مفید ہے۔ ترمذی پڑھانے والے کے لئے اس کے بغیر چارہ نہیں۔ اھ ملفضلہ جہاں تک یاد ہے ایک دو گھنٹہ کے بعد چائے وغیرہ سے فارغ ہو کر ڈیڑھ بجے وہ آئے تھے اور ۶ بجے واپس دیوبند تشریف لے گئے۔

جو دنیا سے بے تعلق رہتا ہے اسکے پاس یہ ذلیل ہو کر آتی ہے

ارشاد فرمایا:۔ ایک سیاح تھا۔ وہ سیاحت کرتا ہوا ایک جنگل بیابان میں پہونچا، وہاں ایک مسجد تھی، اس کے تینوں کونے پر تین آدمی بیٹھے ہوئے تھے، یہ جاکر چوتھے کونے پر بیٹھ گیا اور ان لوگوں کی فراغت کا انتظار کرتا رہا۔ دوپہر ہو چکی تھی اور خوب بھوک لگی تھی اتنے میں ایک خوبصورت عورت، (دنیا جو عورت کی صورت میں آئی) کھانے کا خوان سر پر لئے ہوئے آئی، اس عورت نے آکر تین خوان مسجد کے تینوں کونوں پر لاکر رکھا، کھانے کی خوشبو پوری مسجد میں پھیل گئی اس نے ہر ایک کے سامنے پلیٹ پیالے وغیرہ لگائے اور ہر ایک سے خوشامد کرتی رہی کہ حضرت کھانا کھالیں مگر کوئی متوجہ نہیں ہوتا تھا، اس آدمی کو تعجب ہو رہا تھا کہ کیا بات ہے، بہت خوشامد کے بعد ہر ایک کا ہاتھ دھلایا۔ پس ان لوگوں نے کھانا شروع کیا اور ہڈی نکال نکال کر اس عورت کے منہ پر مارتے جاتے تھے اس نے اپنے دل میں کہا کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے مگر اجنبی ہونے کی وجہ سے خاموش رہا چنانچہ ان تینوں نے کھانے سے فراغت حاصل کی تو اس عورت نے ان کے ہاتھ دھلوائے اور نہایت عمدہ رومال سے ان کے ہاتھ صاف کئے اس کے بعد وہ اس آدمی کے پاس آئی اور کہا کہ کھانا کھالو اور جلدی کرو اس نے بھی ہڈی سے اس عورت کو مارنا شروع کیا تو اس نے طمانچہ کھینچ کر اس کو لگایا تو سیاح نے کہا کہ یہاں کا یہ دستور نہیں ہے، اس عورت نے کہا کہ "میں ہوں دنیا، یہ لوگ مجھ سے بے تعلق تھے۔ اس لئے مجھے ان کی خوشامد کرنی پڑی، اور تم شروع سے گھور رہے تھے اس لئے تمہارے لئے یہی ہے (حدیث میں دنیا کے عورت کی صورت میں آنے کا ذکر ہے) اس نے کہا، کہ چونکہ ان بزرگوں کے پاس بیٹھے ہوئے، اس لئے ان کی برکت سے یہ بھی اس طرح مل گیا ورنہ تجھے کوئی نہ پوچھتا،" هم القوم لا یشقی بهم جلیسهم " ان کے خانے کا محروم بھی محروم نہیں ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اچھے لوگوں کے پاس بیٹھنے والوں کی مثال عطر فروشوں کی طرح ہے کہ ان کے پاس بیٹھنے والوں کو خوشبو محسوس ہوتی رہتی ہے اور برے ہمنشین کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بھٹی جلانے والے کے پاس بیٹھے یا تو وہ تمہارے کپڑے جلائے گی یا تم اس کا دھواں پاؤگے۔

تیسویں مجلس

یکم شوال۔ عید مبارک

عید کی نماز کا اعلان:۔ ۲۹ رمضان المبارک کو رویت ہلال کا ثبوت ہو گیا۔ اس لئے اعلان کیا گیا۔ کہ یہاں مسجد میں عید کی نماز ۱/۲ ۷ بجے ہو گی، اور عید گاہ میں ۱۱ بجے ہو گی۔

ارشاد فرمایا:۔ ایک زمانہ ایسا تھا۔ جب کہ میری عمر ۷، ۸ سال کی تھی، عید کی خوشی دو تین دن پہلے سے شروع ہو جاتی تھی، اور ایک زمانہ ایسا آیا۔ کہ یہ تمنا رہتی ہے کہ کاش ۲۹ کے بجائے ۳۰ کا چاند ہو جائے۔ حج سے فراغت کے بعد لوگوں کو گھر بہت یاد آتا ہے، وہاں میں نے بہت سمجھایا کہ یہاں کے ایام کو غنیمت سمجھو، مگر منیٰ سے واپسی کے بعد واپس جانے کے تقاضے شروع ہو جاتے ہیں، وہی منظر آج یہاں ہے۔

مولانا نور محمد صاحب ام المجالس کے ناظم اعلیٰ تھے، وہ رائے پور رہا کرتے تھے۔ کم گو تھے، مگر بات میں مسخرہ پن تھا۔ وہ آ کر بڑے حضرت رام پوریؒ کو سنا جاتے، کہ فلانے نے چاند دیکھا، اور فلانے نے دیکھا، دس بارہ آدمیوں کے نام گنا جاتے، حضرت فرماتے کہ تم نے بھی دیکھا تو کہتے نہیں

مربی حقیقی حق تعالیٰ ہے شیخ صرف وسیلہ ہے

ارشاد فرمایا: حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے جس وقت تھانہ بھون میں قیام فرمایا، اس وقت وہاں سہ دری نہ تھی، حضرت میاں جیو نور محمد جھنجھانوی قدس سرہ العزیز بھی وہاں تشریف لایا کرتے تھے، وہاں ایک خاندان تھا ان کی زمین ضبط ہو گئی تھی، اور وہ لوگ کوشش کر رہے تھے حضرت

میاں جیوؒ کے پاس وہ لوگ دعا کے لئے آتے، تو حضرت میاں جیوؒ نے فرمایا، کہ میرے حاجی کو بیٹھنے کی تکلیف ہے، یہاں ان کے لئے سہ دری بنوا دو، میں دعا کروں گا، انہوں نے اس کا وعدہ کر لیا، وہ مقدمہ الہ آباد میں جا کر موافق ہو گیا، جس کی اطلاع ایک خاص خط سے ہوئی، انہوں نے حضرت میاں جیوؒ سے تذکرہ کیا، تو حضرتؒ نے فرمایا، کہ وعدہ بھی یاد ہے" انہوں نے کہا، حضرت سہ دری بنوانے کی قوت نہیں، آدھی بنوا دیں گے"، حضرت نے فرمایا، بہت اچھا آدھی سہی، پھر الہ آباد سے باضابطہ حکم آیا"، ناحیات تو معاف تمہارے بعد پھر ضبط"، پھر انہوں نے آ کر حضرت سے عرض کیا۔ حضرت نے فرمایا "تمہیں نے تو آدھا کیا ہے۔ میں کیا کروں"۔

فرمایا "اِنَا عِندَ ظَنِ عَبدِی بِی" کے مطابق اللہ جل شانہٗ معاملہ فرماتے ہیں، پیر بھی کچھ نہیں، تربیت کرنے والا اللہ ہے ؎

دیر و حرم میں روشنی شمس و قمر سے ہو تو کیا　　　ہم کو تو تم پسند ہو اپنی نظر کو کیا کروں

بیعت کے تعلق کو اللہ تعالیٰ نے دارالاسباب میں تربیت کا سبب بنایا ہے۔ حق تعالیٰ ہر ایک کی تربیت کرنا چاہیں، وہ دین و دنیا دونوں دینا چاہتے ہیں۔ خوب مانگو، اس کریم کے ہاں کمی نہیں۔

اخلاص و خوشامد سے مانگنے کی لذت

فرمایا: حق تعالیٰ بے حساب دینا چاہتا ہے وَمَا کَانَ عَطَاءُ رَبِّکَ مَحظُورًا کیمیا سیکھنے والے بادشاہ کا قصہ سن چکے ہو۔ اخلاص و خوشامد سے مانگنے میں لذت ہے، تبلیغ والوں کی ان باتوں کا میں مخالف ہوں۔ جو یہ کہتے ہیں" کہ ایک چلہ لگا دو تو فلاں کام ہو جائے گا"۔ یہ کہو کہ اخلاص سے کام کرو، پھر دیکھو۔

ایک مولوی صاحب کہیں وعظ کے لئے گئے۔ انہوں نے اپنے وعظ میں کہا "دہ در دنیا ستر در آخرت" اللہ کے راستے میں خرچ کرنے پر دس گنا بدلہ دنیا میں اور ستر گنا آخرت میں ملتا ہے، بھائی ہم مولویوں کی صورت بھی صورت سوال ہے۔ ایک غریب آدمی تھا۔ اس نے محنت و مشقت سے سو روپے اکٹھا کئے تھے۔ اس نے پوری رقم لا کر مولوی صاحب کو دے دی اور واپس جا کر منتظر رہا کہ کب ایک ہزار ملتے ہیں

رات میں جہاں ذرا کھٹکا ہوا، وہ سمجھا کہ شاید کہیں سے کوئی رقم لا رہا ہے۔ بالآخر صبح ہوئی، اس کو بہت پریشانی ہوئی، اور پیٹ کی شکایت ہوگئی، دست آنے شروع ہو گئے، شام تک یہی حالت رہی چلنا پھرنا مشکل ہوگیا۔ اس نے اس واعظ مولوی کو بہت بُرا بھلا کہا، مولوی صاحب یہاں سے وعظ کہہ کر آگے چلے گئے تھے۔ اس نے اپنے گھر والوں سے کہا، مجھے جنگل میں ڈال دو، چنانچہ ڈال دیا گیا۔ وہاں وہ ڈھیلے سے استنجا کرتا رہا اور ریت سے کھُرچ کھُرچ کر ٹھیکرے تلاش کرتا رہا، بالآخر اس کو ایک موٹا ٹھیکرا ملا۔ اس کو کھودنے میں ایک آواز سی آئی۔ اس کو سن کر اس کے جان میں جان آئی۔ اور کھودا تو اس کو روپے کی ایک ہانڈی مل گئی۔ اس میں ایک ہزار روپے تھے۔ بہت خوش ہوا۔ کچھ دنوں کے بعد پھر وہ مولوی صاحب وعظ کہنے آئے، تو اس نے ان سے کہا، مولوی جی! تمہاری بات تو سچ ہے مگر تم نے یہ نہیں بتایا تھا، کہ اس راستے میں اس قدر مصیبت بھی برداشت کرنی پڑتی ہے"۔

روپے کا نشہ ارشاد فرمایا: سَو روپے میں ایک بوتل شراب کا نشہ ہوتا ہے۔ ایک حجام تھا، وہ ایک بادشاہ کی حجامت بنانے کے لئے اس کے سرہانے بیٹھا اور کچھ متمنی رہا تھا کہ گھر کے گھر ہی میں ہو جائے میرا لڑکا اور ان کی لڑکی یعنی دونوں کی شادی ہو جائے، بادشاہ کو سن کر بڑا غصہ آیا۔ اس نے اپنے وزراء کو جمع کیا کہ اس حجام کو پھانسی دی جائے۔ ایک تجربہ کار وزیر نے کہا، کہ ابھی اس کو سزا نہ دیں، دوسری جگہ بیٹھ کر حجامت بنوائیں، چنانچہ ایسا ہی کیا۔ تو یہ حجام خاموش رہا۔ اس کے بعد پھر اس وزیر نے کہا کہ اب پہلی جگہ تشریف لائیں، وہاں بیٹھنے کے بعد وہی قصہ پیش آیا"۔ اس وزیر نے کہا کہ آپ کے سرہانے خزانہ پوشیدہ ہے"۔ یہ اس پر بیٹھنے کا اثر ہے۔ چنانچہ اس جگہ کی کھودائی ہوئی، تو خزانہ برآمد ہوا۔

ارشاد فرمایا: جو کچھ آخرت کے بنک میں جمع کرنا ہے۔ جمع کر دو، بدنظری، بد کرداری ہر طرح کی معاصی میں علماء و مشائخ مبتلا ہیں، غیبت کو تو ہم لوگ کچھ سمجھتے ہی نہیں۔ "اعتدال" کا باب قابل مطالعہ ہے ؎

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا   کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

اکابر کے طریقہ کو لازم پکڑو ارشاد فرمایا: ہمارے بزرگوں کی ایک ایک ادا دانتوں سے پکڑنے کے قابل ہے۔ جب سے میں نے سنا ہے، کہ حضرت گنگوہی قدس سرہ، تیس تاریخ کو الم ترکیف سے تراویح پڑھتے تھے، اگر آج چاند نہ ہوا ہوتا، تو میرا بھی ارادہ تھا، کہ عبدالرحیم سے کہوں کہ الم ترکیف سے تراویح پڑھاوے۔

فرمایا: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لاتعداد لاتحصیٰ احسانات ہیں، اس لئے کثرت سے درود پڑھتے رہو، اور کلمہ سوم کا ورد رکھو۔

عید کی صبح کو نماز سے پہلے حضرت اقدس مدفیوضہم نے حدیث مسلسل بالاولیتہ کو پڑھ کر ہر سال کے دستور کے مطابق اس کی اجازت مرحمت فرمائی، عید کی نماز حضرت مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہی مدظلہ نے پڑھائی، حق تعالیٰ اس رشد و ہدایت کے سرچشمہ حضرت اقدس مدفیوضہم کے سائے کو ہمارے سروں پر باقی رکھنا دیر قائم و دائم رکھے، آمین۔

ضمیمہ " آئندہ کے صفحات پر ۱۳۹۱ھ کے رمضان المبارک کے ملفوظات کو خصوصیت سے نیز اس کے علاوہ کے ملفوظات کو بھی ہدیۂ ناظرین کر رہا ہوں البتہ مکررات کو حذف کر دیا ہے اور مضامین میں ترتیب قائم کر دی ہے "!

تبلیغی جماعت اور مدارس: تبلیغی جماعت سے حضرت اقدس مدفیوضہم کا جو سرپرستی کا تعلق ہے، اس کو حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے سوانح یوسفی رح میں اس طرح بیان فرمایا ہے۔

" حضرت شیخ الحدیث صاحب کی سرپرستی، فکرمندی و دل سوزی صاحبِ سوانح اور دعوت تحریک کے جسم و جان و رگ و ریشہ میں اس طرح پیوست ہو گئی ہے۔" ع شاخِ گل میں جس طرح بادِ سحر گاہی کا نم "

حضرت اقدس نے ارشاد فرمایا: میں نظام الدین کی تبلیغ کا بہت معتقد ہو گیا ہوں، چچا جان رح

کے زمانے میں کم اور مولوی یوسف مرحومؒ کے دور میں اس کا بہت معتقد ہو گیا ہوں. اس لئے اپنے تمام متعلقین کو ہدایت کرتا ہوں کہ جہاں تک ہو سکے اس میں تعاون کیا جاتے. صحیح بخاری میں شب قدر کے سلسلے میں آیا ہے. "قد تواطات" خوابوں کا اتفاق ہو گیا ہے. اسی طرح تبلیغ کے سلسلے میں بھی بہت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبشرات ہیں. تبلیغ کے سلسلے میں ایک بات یہ کہی جاتی ہے، کہ "تبلیغ والے مدارس کے مخالف ہیں" مگر یہ بات صحیح نہیں، مجھ سے کلکتہ و بمبئی کے سینکڑوں آدمیوں نے بیان کیا، کہ ہمارا علماء، مدارس سے کوئی تعلق نہیں تھا، مگر اس کام کے ذریعہ تعلق پیدا ہوا، اس کام کی برکت سے ہزاروں آدمیوں نے بلکہ لاکھوں آدمیوں نے شراب چھوڑ دی اور تائب ہوئے چونکہ اس کام میں بہت سے شرابی وغیرہ تائب ہو کر لگتے ہیں اس لئے ان کی طرف سے بے اعتدالیاں ہو جاتی ہیں، ان کو مناسب انداز میں ٹوکنے کی کوشش کرنی چاہیئے، اگر تم یہ نہ کر سکو تو ہم کو لکھو، ہم تو بڑے بڑوں کو ٹوکتے ہیں، مجھے اپنے چچا جانؒ سے تبلیغ کے بارے میں کئی چیزوں میں اختلاف تھا، مگر وہ فرماتے تھے کہ جتنا تبلیغ کا یہ مخالف ہے اور کوئی نہیں، مگر اس کے باوجود جتنا نفع اس سے پہنچا اور کسی سے نہیں، ایک مرتبہ چچا جان نے خواب دیکھا کہ آگے آگے چچا جان اور ان کے پیچھے میں ہوں اور میرے پیچھے حضرت سہارنپوریؒ. اس خواب کو چچا جانؒ نے حضرت رامپوریؒ سے بیان کیا. حضرت نے اس کی تعبیر یہ بتائی. کہ آپ کی تقویت حضرت شیخ سے ہے اور ان کی پشت پر حضرت سہارنپوریؒ ہیں".

ارشاد فرمایا، ہمارے یہاں سکوت ہے اور نظام الدین کے حضرات کے یہاں حرکت، حضرت مولانا انعام الحسن صاحب مدظلہ نے ایک خواب سنایا کہ کسی بزرگ نے خواب میں فرمایا کہ تبلیغ صرف زبان و دماغ و کاغذ سے نہیں چلے گی، بلکہ مجاہدے اور جان و مال کو نچھاور کرنے اور دعاؤں سے چلے گی. حضرت اقدس نے فرمایا کہ انہوں نے صحیح کہا.

مشاجراتِ صحابہ کرام تکوینی طور پر تکمیل دین کے لئے پیش آئے

ارشاد فرمایا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عملی تعلیم کے لئے مبعوث ہوئے تھے، اور یہی ضرورت نبیؐ کی ہوتی ہے کہ امت کے لئے جو احکام نازل ہوں وہ اُن کو عملی جامہ پہنا کر جاری کر جائے: تاکہ بعد والوں کو یہ

کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ ان پر عمل کیسے ہو سکتا ہے ایسی حالت میں قوانین دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو شان نبوت کے منافی نہیں، ان کا صدور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اطہر سے ہوا. یہی وجہ ہے کہ "لیلتہ التعریس" میں صبح کی نماز کے لئے آنکھ نہیں کھل سکی. یہ واقعہ ایک مرتبہ تو قطعاً پیش آیا. اور محققین کی رائے یہ ہے کہ ایک مرتبہ سے زیادہ دو تین مرتبہ پیش آیا. چونکہ یہ فعل شانِ نبوت کے منافی نہ تھا، اس لئے حضورؐ کی ذات سے صادر ہوا، اسی طرح نماز میں سہو ہو جانا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد بار پیش آیا، جس کے بارے میں خود حضورؐ کا ارشاد ہے۔ "انی لا انسی ولکن انسی الخ" (موطا مالک) میں بھولتا نہیں ہوں، بلکہ بھلایا جاتا ہوں۔ تاکہ سنت (طریقہ) جاری کر جاؤں، حضرت بریرہؓ کے قصہ میں آیا ہے، کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کو خرید کر آزاد کرنا چاہتی تھیں مگر حضرت بریرہؓ کے آقا اپنے لئے ولاء کی شرط لگاتے تھے، جب حضورؐ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا اشتری واشترطی لبعض علما نے اس روایت میں اشترطی پر کلام کیا ہے. کیونکہ بیع میں اس طرح کی شرط لگانا ناجائز ہے جبکہ دوسری روایت میں "الولاء لمن" آگیا ہے، مگر میری رائے ہے، یہ بالکل صحیح ہے، ایک بیع باطل ہے اور ایک بیع فاسد، حنفیہ کے نزدیک شرط لگانے سے بیع فاسد ہو جاتی ہے، مگر مفید ملک ہے. اس حدیث سے بیع فاسد کا جواز بتایا گیا ہے.

اس طرح کے افعال حضورؐ سے بیان جواز کے لئے تعلیماً صادر ہوتے، اس پر عمل کرنے سے آپ کو پورا ثواب ملتا تھا.

اسی طرح جو افعال شان نبوت کے منافی تھے. وہ صحابہ کرامؓ سے کرائے گئے! انہوں نے خود اس کے لئے اپنے کو پیش کیا. کہ ہمارے ذریعہ اپنے دین کی تکمیل کر لیں، ہم سنگسار ہونے کے لئے تیار ہیں، ہاتھ کٹوانے کے لئے تیار ہیں. ان افعال کی قباحت میں کمی نہیں، حضرت ماعزؓ و حضرت غامدیہ کو سنگسار کیا گیا. اور ان لوگوں کے ذریعہ دین کی عملی تکمیل کی گئی. ع

تو مشق ناز دو عالم کہ میری گردن پر

اسی طرح صحابہ کرامؓ کے مشاجرات، جنگ جمل و صفین وغیرہ سب تکوینی طور پر پیش آئے حضورؐ کے زمانے میں حکومت پر لڑائی کرنا کفر تھا. کیونکہ جس جانب حضورؐ کا فیصلہ ہوتا، وہ قطعی تھا

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت میں اس کا موقع دیا گیا کہ حضورؐ کے وصال کے صدمے کا صحابہ کرامؓ سے تحمل ہو جائے۔ اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں فقہی لحاظ سے دین کی تکمیل کی گئی۔ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں اختلافات شروع ہوئے۔ حضرت علیؓ کے زمانے میں لڑائیاں ہوئیں، تاکہ دونوں طرف کے اصول وضوابط معرض وجود میں آجائیں۔ اور اس طرح دین کی تکمیل ہو سکے۔ ہم نے صحابہ کرامؓ کو نہیں سمجھا۔ وہ ہم کو حکومت وسیاست کے اصول وغیرہ ہر چیز کر کے دکھلا گئے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الاعتدال ص۲۲۹۔

علماء کا اختلاف اچھی چیز ہے اور مخالفت بری ہے ارشاد فرمایا: میرے والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ علماء کا اختلاف اچھی چیز ہے۔ میں نے ۱۳۴۰ھ سے حدیث کی کتاب پڑھانی شروع کی تھی۔ اور آج تک ہر سبق میں اس کو بیان کرتا ہوں۔ (آج کل معذوریوں کی وجہ سے سبق کا سلسلہ بند ہو گیا ہے) میرے والد صاحبؒ ایک قصہ سنایا کرتے تھے۔ ایک صاحب بڑے عالم بلکہ علامہ تھے سینکڑوں شاگرد اور ہزاروں مرید تھے، ان کا ایک لڑکا تھا۔ لیکن اس نے کوئی علمی کمال نہیں پیدا کیا جب ان کا انتقال ہونے لگا تو انہوں نے اس کو بلا کر کہا کہ جب تم سے کوئی مسئلہ دریافت کرے تو اس سے کہہ دینا کہ اس مسئلہ پر علماء کا اختلاف ہے۔ بلکہ جماع کے وقت کی دعا تک میں اختلاف ہے کہ ازار بند کھولنے سے پہلے پڑھنا چاہیئے یا بعد میں، مدت حمل، نماز جنازہ کی تکبیرات تک میں علماء کا اختلاف ہے اس لئے ضابطہ تو انہوں نے صحیح بتایا، اختلاف ائمہ مجھے پسند ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا مقولہ گذر چکا، کہ صحابہ کرامؓ کے کسی مسئلہ میں اتفاق سے مجھے اتنی خوشی نہیں ہوتی، جتنی اختلاف سے کیونکہ اختلاف کی وجہ سے گنجائش رہتی ہے، یہ اختلاف بڑی مبارک چیز ہے۔ البتہ مخالفت بری چیز ہے۔ میرے والد صاحبؒ کو حضرت گنگوہیؒ اور حضرت سہارنپوریؒ سے جو تعلق تھا وہ سب کو معلوم ہے۔ مگر بعض مسائل میں ان حضرات سے اختلاف بھی تھا۔ میرے حضرت سہارنپوریؒ بعض لوگوں سے خود فرماتے ہیں کہ فلاں چیز میرے نزدیک جائز نہیں لیکن مولوی یحییٰ صاحبؒ کے نزدیک جائز ہے۔ تیرا دل چاہے اوپر جا کر ان سے پوچھ لو، اور اس کے موافق عمل کرو، خود میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرتؒ کے آخیر رمضان المبارک میں شعبان کے گڑبڑ سے یہ بحث شروع

ہوئی، کہ آج مطلع صاف ہے، تیس روزے پورے ہو جانے کے بعد اگر شام کو رویت نہ ہوئی تو کل روزہ رکھنا چاہیئے یا نہیں؟ حضرت کا ارشاد مبارک تھا کہ شعبان کے چاند میں جس شہادت پر مدار تھا بعض وجوہ سے شرعی حجت نہ تھی، اس لئے روزہ ہے، اور میرا ناقص خیال تھا کہ وہ حجت شرعی سے صحیح تھی۔ اس لئے کل کا روزہ نہیں ہے، دن بھر بحث رہی، شام کو چاند نظر نہ آیا، حضرتؒ نے طے فرما دیا، کہ میں روزہ رکھوں گا، میں نے عرض کیا میرے لئے کیا ارشاد ہے؟ فرمایا کہ میرے اتباع کی ضرورت نہیں، سمجھ میں آگیا ہو تو روزہ رکھو ورنہ نہیں، بالآخر حضرتؒ کا روزہ تھا اور میرا افطار، حضرتؒ کے خدام میں متعدد ایسے تھے جنہوں نے افطار کیا اور متعدد نے روزہ رکھا حضرتؒ نے ان سے دریافت بھی نہ فرمایا۔ کہ تم نے افطار کیوں کیا، گو مجھے اب تک قلق ہے، کہ میں نے اپنی سمجھ کو حضرتؒ کی رائے کے مقابلہ میں کیوں قابل اعتنا سمجھا، مگر حضرتؒ نے ذرا بھی اشارۃً کنایۃً کچھ بھی نہیں فرمایا۔ بلکہ تصویب ہی فرمائی۔

چار رکعت نماز میں میں نے اختلاف ائمہ کو مشکوٰۃ شریف کی تدریس کے زمانے میں شمار کیا تھا۔ تو ان کی تعداد سوا دو سو ۲۲۵ پہنچ گئی تھی، بخاری کی تدریس کے زمانے میں ان کی تعداد پونے تین سو پہنچ گئی ہوگی، جزو اسباب اختلاف ائمہ حضرت کا مستقل رسالہ ہے جو اب طبع ہو چکا ہے، الاعتدال میں بھی اس پر گفتگو فرمائی ہے۔

فرمایا: علامہ شعرانی نے اپنی کتاب میزان الکبریٰ میں ائمہ اربعہ کے مذاہب کے درمیان تطبیق دینے کی کوشش کی ہے، اور یہ ثابت کیا ہے کہ ہر امام نے اپنے اپنے دور کے لحاظ سے کہا ہے، جس کو لوگ اختلاف سمجھ رہے ہیں، مگر نقل مذاہب میں ان سے تسامح بھی ہوا ہے۔

فرمایا، رام پور میں ایک دعوت تھی اور وہاں ختنہ بھی تھا، سب اکابر نے شرکت فرمائی۔ مگر عین وقت پر حضرت تھانویؒ نے انکار کر دیا۔ لوگوں کو تعجب ہوا، حضرتؒ نے فرمایا۔ کہ ان اکابر کو اپنے علو شان کے باوجود ان مفاسد کا علم نہیں، جو مجھے معلوم ہیں اس لئے سد اللباب میں حاضر نہیں ہوا۔

نوٹ:- ایک طالب علم نے دو قرآن ختم کر کے حضرت اقدسؒ کو ایصال ثواب کیا تھا۔ اس پر حضرتؒ نے اظہارِ مسرت فرمایا۔ مولانا عبد المنان دہلوی نے عرض کیا، کہ میں نے اسی طرح ایک طواف حضرت رائے پوریؒ کے لئے کیا تھا۔ حضرتؒ سے ذکر کیا تو فرمایا اس کو ذکر نہ کرنا چاہیئے۔ اس میں

اظہار احسان ہے۔ حضرت اقدس نے بھی اس کی تصویب فرمائی۔

آپس کے اختلافات میں راہِ اعتدال ارشاد فرمایا: آج جمعیت و مشاورت وغیرہ ہے! اخلاص سے جس راستہ کو چاہو اختیار کرو، آپس میں ایک دوسرے پر تنقید نہ کیا کرو، گاندھی و مالویہ کے حالات سے سبق لو، دونوں میں تضاد تھا مگر ایک دوسرے کی تعریف کرتے رہتے تھے۔ ہمارے اکابر میں تضاد تھا۔ مگر ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے۔ حضرت مدنیؒ کو ایک مرتبہ دلی جانے کی حکومت برطانیہ کی طرف سے ممانعت تھی، حضرتؒ کو وہاں جانے پر اصرار تھا۔ فرمایا دلی جاؤں گا، قانون توڑوں گا۔ شور ہوا، چنانچہ دلی کے لئے روانہ ہوتے۔ مظفر نگر پہنچے تھے۔ کہ راستے میں اتار لیے گئے اور سیدھے جیل خانہ پہنچا دیئے گئے۔ اس واقعہ کا علم جب حضرت تھانویؒ کو ہوا، تو ظہر کے بعد کی مجلس میں حضرت مدنی کی گرفتاری پر نہایت ہی رنج وغم اور تعلق کا اظہار فرماتے رہے، اور یہ بھی فرمایا کہ مجھے ایسا معلوم نہیں تھا کہ مولانا حسین احمد مدنیؒ سے مجھے اس قدر محبت ہے۔ اس پر ایک شخص نے حاضرین مجلس میں سے عرض کیا کہ "حضرت وہ تو از خود گئے تھے" حضرت تھانوی قدس سرہ نے فرمایا، آپ مجھے اس فقرے سے تسلی دینا چاہتے ہیں۔ حضرت امام حسینؓ بھی تو یزید کے مقابلے کے لئے از خود تشریف لے گئے تھے، یزید نے ان کو جبراً تو قتل نہیں کیا تھا لیکن حضرت امام حسینؓ کا غم ساری دنیا آج تک نہیں بھولی۔

حضرت مدنیؒ ہر ہفتہ بلکہ اس سے زیادہ یہاں تشریف لایا کرتے تھے، ایک مرتبہ اچانک تشریف لائے اور فرمایا، "تمہارا درشن کرنے آیا ہوں" میں نے کہا کہ مجھے ان مبارک ہونٹوں سے یہ الفاظ اچھے نہیں لگتے، فرمایا کہ تھانہ بھون جا رہا ہوں، اور تمہارے ساتھ، میں نے عرض کیا کہ میرے سر میں بال نہیں، یہ وہ زمانہ تھا، جب "الاعتدال" لکھی گئی تھی، زمانہ جیم (اختلاف) کا تھا فرمایا، ہمارے اکابر میں تو دو ہی رہ گئے ہیں۔ چنانچہ حضرت مدنیؒ تشریف لے گئے، رات کا وقت تھا۔ خانقاہ بند تھی، باہر مسجد میں آرام کیا صبح حضرت تھانویؒ کو اطلاع ہوئی، تو فرمایا کہ اگر آپ کی آمد کی اطلاع پہلے سے ہوتی، تو میں کسی کو اسٹیشن بھیجتا۔ یہ ہمارے اکابر کے حالات تھے مولانا عطاء اللہ صاحب بخاری فرمایا کرتے تھے۔ کہ یہ مکان مشترک پلیٹ فارم ہے۔ مولانا عطاء اللہ صاحب اور مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی احراری تھے، یہ سب میرے ہی یہاں مہمان ہوتے تھے۔ حضرت تھانویؒ بھی اپنی علالت سے پہلے میرے یہاں مہمان ہوتے تھے حضرت سہارنپوریؒ کو اپنا بڑا بھائی سمجھتے تھے

اسی وجہ سے میرے ساتھ تعلق تھا، اور میرے والد صاحبؒ سے بھی بے تکلفی کے تعلقات تھے۔ جب حضرت سہارنپوریؒ سفرِ حج کے لئے تشریف لے گئے، تو میرے والد صاحبؒ کے نام حضرت تھانویؒ کا خط آیا، کہ ہر ماہ ایک مرتبہ تم مجھکو زیارت کرایا کرو، ایک مرتبہ والد صاحبؒ نے حضرتؒ کو سہارنپور آنے کی دعوت دی حضرت کے ہاں قانون وضابطہ بہت تھا، جواب آیا کہ میں ادھر سفر پر آرہا ہوں، سہارنپور سے تھانہ بھون تک میرا اور میرے خادم کا کرایہ دینا پڑے گا اور ایک ہانڈی اُڑد کی دال دینی پڑے گی۔ حضرت کو اُڑد کی دال بہت پسند تھی اور میری والدہ صاحبہ بہت اچھی پکاتی تھیں۔ والد صاحبؒ کے انتقال کے بعد میں نے حضرت کو خط لکھا کہ حضرت کا جو دستور تھا، اس میں میراث جاری ہوگی یا نہیں؟ تو جواب اپنی شفقت سے دیا کہ ضرور جاری ہوگی۔ اس کے بعد سے مستقل قانون ہوگیا۔ کہ سہارنپور میں میرے ہی مہمان ہوتے تھے۔ میری وجہ سے یہاں کی آمد تو یاد نہیں۔ البتہ اگر کسی ضرورت سے سہارنپور آمد ہوتی تو میرے ہی مہمان ہوتے۔

فرمایا:۔ ایک مرتبہ مولانا ظفر احمد تھانوی شیخ الاسلام پاکستان میرے ہاں مہمان ہوئے۔ یہ زمانہ اختلاف کا تھا۔ اتفاقاً آدمی آیا اور اس نے کہا کہ حضرت مدنیؒ تشریف لائے ہیں۔ مجھے فکر ہوئی کہ دوپہر کو دونوں کو دسترخوان پر ایک ساتھ کس طرح جمع کروں، مولانا ظفر احمد صاحب کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ حضرت مدنیؒ تشریف لائے ہیں پہلے انہیں کھانا کھلادوں، کیونکہ تھوڑی دیر کے بعد واپس چلے جائیں گے۔ اس کے بعد آپ کے لئے دسترخوان بچھاؤں گا! انہوں نے فرمایا کہ ہمارا اختلاف سیاسی ہے۔ حضرت ہمارے دینی پیشوا ہیں۔ ہم تو ساتھ کھانا کھائیں گے۔ پھر میں نے حضرت سے عرض کیا۔ حضرت نے بھی فرمایا، کوئی حرج نہیں ساتھ کھانا کھائیں گے چنانچہ دسترخوان پر دونوں حضرات تشریف لائے، اِدھر اُدھر کی بے تکلفی کی باتیں کرتے رہے مگر سیاست کا کوئی ذکر تک نہیں کیا۔

ارشاد فرمایا۔ جمعیت ومشاورت کی لڑائیاں مجھے اچھی نہیں لگتیں۔ ایک صاحب نے اپنا خواب لکھا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ آپ غصہ میں ہیں اور فرما رہے ہیں کہ علی میاں بھی میرے ہیں اور اسعد میاں بھی میرے ہیں۔ آنکھ کھل گئی، میں نے کہا کہ تعبیر واضح ہے۔ دونوں مخلص ہیں۔ تم لوگ آپس میں لڑائیاں کر کے اپنی عاقبت خراب نہ کرو، یہ اختلاف ویسا ہی ہے۔ جیسے لیگ و کانگریس کا تھا۔ اگر کوئی ان میں سے کسی رائے

کو اخلاص سے اختیار کرنا چاہے تو کرلے، ورنہ میری طرح الگ تھلگ ہوکر تسبیح پڑھتا ہے۔

ارشاد فرمایا: علماء کا اختلاف اگر کسی مسئلے میں ہوتا ہے تو گنجائش نکل آتی ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا مقولہ ہے کہ جس مسئلے میں صحابہ کرامؓ کا اختلاف نہیں ہوتا، اس میں مجھے تنگی نظر آتی ہے"۔

ہمارے اکابر کی طبائع میں تضاد تھا مگر اس کے باوجود ایک تھے ارشاد فرمایا: میں نے اپنے اکابر کو خوب دیکھا، ان کی طبائع میں تضاد تھا، مگر سب ایک تھے۔ ہر ایک دوسرے کی چیزوں کو سراہتا تھا۔ حضرت اقدس تھانویؒ کے یہاں قوانین کا زور تھا۔ خانقاہ میں ایک بڑی تختی قواعد کی لٹکی رہتی تھی۔ حضرت رائے پوریؒ کے یہاں تواضع کا غلبہ تھا۔ حضرت تھانویؒ ایک مرتبہ رائے پور تشریف لے گئے تو فرمایا: "اللہ اکبر یہاں کے پتہ پتہ سے تواضع ٹپکتی ہے"۔ بڑے حضرت رائے پوریؒ کے زمانے میں ہر شخص اپنے کو دوسرے سے کمتر سمجھتا تھا۔ بڑے حضرتؒ کے زمانے کے بعد مولانا شاہ عبدالقادر صاحبؒ، منشی رحمت علی صاحب وغیرہ چمکے۔ حضرت کے زمانے میں معلوم نہیں ہوتا تھا۔ کہ یہ بھی کوئی چیز ہیں۔ حضرت رائے پوریؒ و حضرت مدنیؒ کے یہاں دلداری و نرمی تھی۔

اللہ والوں سے ڈرتے رہنا چاہیئے ارشاد فرمایا: میرے والد صاحبؒ کے انتقال پر اللہ نے مجھے بہت صبر دیا تھا۔ چنانچہ بعض لوگوں نے یہ سمجھ لیا، کہ باپ کے انتقال پر پابندیاں ختم ہوگئی ہیں، شاید اسی لئے خوشی ہوئی ہے۔ انتقال کے بعد کثرت سے مہمان آئے۔ میں نے کوئی ایک ڈیڑھ سو روپے کی پوڑیاں منگوا کر لوگوں کو کھلائیں، ایک بزرگ جو میرے والد کے دوست اور مخلص خدام میں سے تھے۔ وہ بڑے صاحب کشف تھے کشف قبور میں بہت بڑھے ہوئے تھے۔ وہ والد صاحبؒ کے انتقال کے دوسرے دن ان کی قبر پر حاضر ہوئے والد صاحبؒ نے ان سے تین باتیں فرمائیں۔

(۱) والد صاحبؒ کے مخالفین بہت تھے۔ فرمایا کہ مولوی زکریا سے کہہ دیجئے کہ ان کی فکر نہ کرو یہ خود اپنا نقصان اٹھائیں گے۔

(۲) والد صاحبؒ پر قرض بہت تھا۔ اس کے مانگنے والے بہت تھے۔ والد صاحبؒ نے فرمایا کہ اس کی فکر نہ کرو (الحمدللہ سب ادا ہو گیا)

(۳) بزرگوں سے ڈرتے رہنا۔ ان کی الٹی بھی سیدھی ہے۔

ارشاد فرمایا، کہ مخالفت تو ہر ایک کی ہوتی ہے۔ کوئی ایسا آدمی نہیں کہ سب اس کی تعریف کریں یا سب اس کی مذمت کریں۔ دنیا جو چاہے سمجھے۔ مگر اللہ سے معاملہ صاف رکھو، لوگ ہمارے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ یہ نہ دیکھو، بلکہ اللہ سے مانگو، اور ان کے حقوق ادا کرتے رہو۔

لوگ سمجھیں مجھے محروم وقار و تمکین   وہ نہ سمجھیں کہ میری بزم کے قابل نہ رہا

میرے حضرت سہارنپوریؒ نے اپنے ۱۳۴۴ھ کے سفر حج کے موقع پر مولانا عبداللطیف صاحب کو مدرسہ کا ناظم تجویز کیا تھا۔ حضرت اقدس کے ساتھ سفر میں میں بھی تھا۔ حضرت کے مدینہ منورہ قیام کے زمانے میں کچھ لوگوں نے حضرت ناظم صاحب کی شکایات لکھیں، میں ان کو غلط سمجھتا تھا۔ اس لئے وقتاً فوقتاً تردید کرتا رہتا تھا۔ حضرت اقدس رائے پوریؒ بھی اس سفر میں حج کے لئے تشریف لائے تھے۔ جب واپس ہونے لگے تو حضرت نے ان کے ذریعہ ناظم صاحب کو یہ پیغام بھیجا کہ فلاں فلاں سے معاملہ اچھا رکھنا۔ جب مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ نے ناظم صاحب کو یہ پیغام پہنچایا، تو انہوں نے تردید کی کہ یہ شکایات بالکل جھوٹ ہیں، جن لوگوں کی ناظم صاحب مدارات کرتے تھے۔ ان لوگوں نے بھی شکایات لکھی تھی کہ ہم لوگوں کا وقت ضائع کرتے ہیں ؎

عین الرضا عن کل عیب کلیلۃ   کما ان عین السخط تبدا المساویا

بہرحال حضرت رائے پوریؒ کو جب حقیقتِ حال کا علم ہوا، تو انہیں عجیب تاثر ہوا، مجھے جب یہ معلوم ہوا، تو اس موقع پر اپنے والد صاحب کی بات یاد آگئی کہ "اللہ والوں کی الٹی بھی سیدھی ہے"۔ میرے حضرات نے یوں فرمایا: ان اللہ والوں کو اگر کسی بات سے تکدر پیدا ہو جائے تو آدمی کو مصیبت میں پھانس دے۔ بڑے حضرت رائے پوریؒ نے فرمایا کہ اولیاء اللہ کی صحبت اکسیر ہے۔ بشرطیکہ دل میں کوئی خدشہ نہ آئے اس کی تفسیر میرے نزدیک یہ ہے کہ دل میں تنقید کا جذبہ نہ پیدا ہو۔

میں یہ نہیں کہتا کہ ہر شخص کے معتقد ہو جاؤ، یا مرید ہو جاؤ، حضرت مدنی سے کسی نے ایک صاحب کی شکایت کی، تو حضرت نے فرمایا "بھائی تقصیر سے اس زمانے میں کون خالی ہے"۔ یہ چودھویں صدی ہے اکابر بھی اسی صدی کے ہیں، ہر بزرگ سے اعتقاد ضروری نہیں، مگر ان کی مخالفت نہ کرو، من عادیٰ لی ولیاً

فقد آذنتہ بالحرب. اگر تمہارا کسی بزرگ سے میل نہیں ہے تو ان کے پاس نہ جاؤ، مگر مخالفت نہ کرو۔ واللہ یعلم المفسد من المصلح آج کل خطوط کی کثرت ہے کہ فلاں فلاں میں آپ اتحاد کیوں نہیں کرا دیتے، میں کہتا ہوں کہ حضرت گنگوہیؒ کے دور سے یہ دیکھتا چلا آ رہا ہوں، ہر ایک کے لئے کلمۂ خیر کہتا ہوں، پارٹی سے الگ رہو

اکابر کے حالات معلوم کرنے کا اشتیاق

ارشاد فرمایا: میرا ہمیشہ کا یہ دستور رہا ہے کہ بزرگوں کے معمولات معلوم کرتا رہتا ہوں، چنانچہ فضائل رمضان میں میں نے اپنے اکابر بالخصوص حضرت رائے پوریؒ حضرت سہارنپوریؒ، حضرت مدنیؒ کے معمولات لکھے ہیں، ان بزرگوں کے حالات سنانے کا میرا بہت جی چاہتا ہے، کتابوں میں ان کے حالات پھول کے گلدستہ کی طرح معلوم ہوتے ہیں، الاعتدال میں ان کے حالات لوگ توجہ سے نہیں سنتے، حالانکہ یہ بہت اہم ہیں۔ ان بزرگوں کی طبائع میں اختلاف تھا، مگر اس میں مجھے بڑا مزہ آتا ہے۔ میرے والد صاحب کا بھی ان اکابر کے ساتھ بہت گہرا تعلق تھا۔ حضرت رائے پوریؒ کے ساتھ عظمت اور حضرت تھانویؒ کے ساتھ بے تکلفی کا۔

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

ارشاد فرمایا: سر رحیم بخش صاحب جو ریاست بہاولپور کے اہم ذمہ دار تھے۔ ہمارے اکابر سے ان کے تعلقات تھے۔ اکثر ان حضرات کو بلایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت سہارنپوریؒ، حضرت تھانویؒ، حضرت شیخ الہندؒ کو اپنے ہاں مدعو کیا، جب یہ حضرات تشریف لے گئے۔ تو سر رحیم بخش صاحب نے ہر ایک کے لئے الگ الگ نذرانہ پیش کیا۔ ان دونوں بزرگوں نے قبول فرما لیا۔ مگر حضرت تھانوی نے فرمایا، کہ آپ کے ہم لوگوں پر بہت احسانات ہیں۔ اس کی ضرورت نہیں، مگر جب انہوں نے بہت اصرار کیا۔ تو حضرت تھانویؒ نے فرمایا، جب آپ نے ہم کو بلایا تھا۔ اسی وقت مجھے خیال ہوا تھا کہ آپ کچھ ہدیہ دیں گے۔ اس میں اشراقِ نفس ہے۔ اس لئے واپس کر رہا ہوں۔ ہمارے اکابر کے حالات عجیب ہیں۔ انہوں نے بالکل تامل نہیں کیا۔ واپس لے لیا۔

؎ محبت تجھ کو آدابِ محبت خود سکھا دے گی۔"

چنانچہ یہ حضرات جب وہاں سے واپس ہونے لگے، تو انہوں نے ایک ملازم ساتھ کر دیا۔ اور اس کو ایک لفافہ دیا۔ اس میں رقم بھی تھی اور خط بھی تھا۔ اور اس سے کہہ دیا۔ کہ تین چار اسٹیشن کے بعد حضرت

تھانوی کو دے دینا، حضرت جو جواب دیں وہ مجھے بتا دینا، چنانچہ اس نے حضرتؒ کو تین چار اسٹیشن کے بعد اس لفافہ کو پیش کیا۔ حضرتؒ نے خوشی سے قبول کر لیا۔

بڑوں سے انتساب اس وقت اچھا معلوم ہوتا ہے جب آدمی میں کوئی ذاتی کمال ہو

ارشاد فرمایا، ہم نے بچپن میں یہ سنا تھا کہ مشہور ہے کہ گیدڑوں کا سردار کہا کرتا ہے" پدرم سلطان بود" تو دوسرے گیدڑ کہتے ہیں۔ "ترا چہ" ہماری مثال بھی ایسی ہی ہے۔ کچھ کرنے سے ہوتا ہے۔ اگر آدمی میں کوئی کمال نہ ہو تو والد صاحب کیسے تھے، ہوتے رہیں ؎

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی — کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کے بارے میں اللہ میاں نے کہہ دیا۔ "انّہ لیس من اھلک"

بڑوں سے انتساب اسی وقت اچھا معلوم ہوتا ہے۔ جب آدمی کچھ ہو۔ ع: مشک آنست کہ خود ببوید

پریشانی کا سبب کوئی معصیت ہوتی ہے

ایک ڈاکٹر صاحب ایک مقدمہ میں پریشان تھے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا اللہ کی قدرت کے کارخانے عجیب ہیں۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کو ایک مہینہ ہوا خط لکھا تھا۔ جب آدمی کوئی کام نہیں کرتا تو بیٹھ کر سوچا کرتا ہے۔ ایک قصہ ہے ایک آدمی نے ایک ملازم رکھا۔ دونوں ایک سفر پر روانہ ہوئے ان کے ساتھ ایک گھوڑا تھا۔ اس نے ملازم سے کہا کہ دور کا سفر ہے، آدھی رات میں جاگوں گا اور آدھی رات تم جاگو، گھوڑے کے بارے میں فکر ہے، کہ کہیں چوری نہ ہو جائے۔ میں سوتا ہوں، جب آدھی رات ہو جائے تو تم مجھ کو جگا دینا۔ چنانچہ ایک منزل پر وہ آدمی آدھی رات تک سوتا رہا، اور آدھی کو از خود اٹھ گیا، دیکھا تو ملازم سو رہا تھا۔ اس نے ملازم سے کہا کہ تم سو رہے ہو ملازم نے کہا کہ نہیں، میں پڑا پڑا سوچ رہا ہوں۔ اس نے کہا کیا سوچ رہے ہو؟ اس نے کہا کہ میں یہ سوچ رہا ہوں کہ بکریاں پتے کھاتی ہیں تو پھر یہ دودھ کہاں سے آتا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے بھی کہا کہ میں ابھی سوچ رہا ہوں، اتنے میں معلوم ہوا کہ گھوڑا چوری ہو گیا، ڈاکٹر صاحب کا پریشانی کا خط آیا۔ میں نے سوزِ کران کو جواب لکھا کہ زندگی میں کسی پر ظلم تو نہیں ہوا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ عرصہ ہوا، میں نے ایک بے قصور کو قید کرا دیا تھا،

"ما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم الخ"

فرمایا: میرے پیارو! خدا کے یہاں دیر ہے، اندھیر نہیں۔ آج کل مجلس میں یں تے الاعتدال شروع کرا رکھی ہے۔ آج کل زبانوں پر گالیاں اور بدگمانیوں کے سبب لڑائیاں ہو رہی ہیں۔ آدمی کو خدا کی طرف سے ڈھیل ملتی رہتی ہے، جب آدمی توبہ نہیں کرتا، تو کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ آدمی کہتا ہے کہ یہ کوئی جرم تو نہیں کہ مصیبت آئے، ہم سوچتے نہیں۔

اکثر مصائب کا سبب زبان درازیاں ہیں

فرمایا، اکثر زبانوں کی بے احتیاطیوں کے سبب مصیبتیں آتی ہیں۔ حدیث میں بھی آیا ہے هل یکب الناس الا حصائد السنتهم زبان درازیوں کے سبب اوندھے منہ جہنم میں ڈالا جائے گا۔ حضورؐ کے ارشادات بہت اہم ہیں۔ ہم مولوی پڑھتے پڑھاتے ہیں مگر عمل نہیں کرتے، ایک حدیث ہے "احبب حبیبک هونا ما عسیٰ ان یکون بغیضک یوما ما الخ" اگر تمہاری کسی سے دوستی ہو، تو ہلکی ہلکی، ممکن ہے کہ وہ کسی دن تمہارا دشمن ہو جائے۔ اسی طرح اگر کسی سے عداوت ہو تو اس میں بھی اس کا خیال رہے کہ شاید کسی دن اس سے دوستی ہو جائے۔ آج کل لوگوں نے راہ اعتدال چھوڑ دی ہے۔

"آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا"

حضرت اقدس بہت کثرت سے اپنے سبق میں بیان فرماتے تھے کہ یہی قرآن و حدیث صحابہ کرام رضؓ کے زمانے میں تھا۔ اور یہی ہمارے زمانے میں بھی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ صحابہ کرامؓ کا ان پر ایمان قلبی و حقیقی تھا! اور ہمارا زبانی ان حضرات کو حضورؐ کے ارشادات و قرآن پر اتنا زیادہ قطعی یقین ہوتا تھا۔ کہ اس میں کسی قسم کے تردد کا شائبہ بھی نہیں ہوتا ہے۔ اور ہم لوگوں کی زبان پر سب کچھ ہے۔ اور دل میں کچھ بھی نہیں اس قسم کے مختلف واقعات سناتے رہتے تھے۔ سبق کے علاوہ یہ مضمون اور اس کے نظائر حضرات کی مجالس میں بہت کثرت سے آتے ہیں۔ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا۔

ہمارے مدرسہ مظاہر علوم کے بانیوں میں ایک حافظ فضل حق صاحب تھے۔ جن کے صاحبزادے

حافظ زنارہ حسین مرحوم تھے۔ ان کا تکیہ کلام "اللہ کے فضل سے" تھا، درحقیقت انہوں نے اپنے والد حافظ فضل حق صاحب سے اس کو لیا تھا۔ حافظ زنارہ حسین صاحب کو دیکھنے والے تو اب بھی بہت سے لوگ موجود ہیں، اسی لئے میں بھی ان کا نام لیا کرتا ہوں، حافظ فضل حق صاحب حضرت مولانا مظہر صاحب نانوتوی نور اللہ مرقدہٗ کے جاں نثاروں میں تھے! اور انہیں کی کوشش سے مدرسہ مظاہر علوم قاضی کے محلہ سے یہاں آیا تھا۔ ایک روز حافظ صاحب حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت اللہ کے فضل سے آج رات اللہ کا غضب ہوگا۔ حضرت مولانا ہنس پڑے اور پوچھا، حافظ جی! اللہ کے فضل سے اللہ کا غضب کیا ہوا؟ کہنے لگے حضرت جی! آج رات تین چار چور میرے مکان میں داخل ہوئے، میں ان کو دیکھ کر بیٹھ گیا۔ اور میں نے ان سے پوچھا ارے تم چور ہو؟ کہنے لگے، ہاں ہم چور ہیں۔ میں نے کہا سنو! میرے بارے میں سب کو معلوم ہے کہ سہارنپور کے رؤسا میں میرا شمار ہے اور مدرسہ کا خزانہ بھی میرے ہی پاس ہے اور یہ سارا اس کوٹھری میں ہے، جس پر تم بیٹھے ہو، وہ مدرسہ کے خزانچی بھی تھے۔ اس میں صرف چھ پیسے کا معمولی تالا لگا ہوا ہے۔ مگر یہ تالا تم سے کیا تمہارے باپ دادا سے بھی نہیں ٹوٹے گا۔ صبح تک ٹھوکتے رہو حضرت جی! میں تو جا کر سو گیا، اور وہ صبح تک ٹھوکتے رہے، میں نے ان سے کہا کہ میں نے مولوی جی (حضرت مولانا مظہر صاحب نانوتوی) سے سنا ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ دے دی جائے وہ مال اللہ کی حفاظت میں ہو جاتا ہے۔ اور میں نے اس مال کی پوری زکوٰۃ دے رکھی ہے بلکہ اس سے کچھ زائد، پس اللہ کے فضل سے وہ صبح تک ٹھوکتے رہے۔ حافظ جی فرمایا، کہ میں تو سو گیا۔ یہ بھی حافظ صاحب کے یقین واعتقاد کی بات تھی۔ ورنہ گھر میں چوروں کی موجودگی میں کون سو سکتا ہے۔ حافظ جی نے کہا کہ جب سحر کے وقت میں بیدار ہوا۔ تو دیکھا کہ وہ ٹھوک رہے ہیں۔ تو میں نے ان سے کہا، کہ میں نے تو کہہ دیا تھا۔ کہ تم لوگوں سے کیا تمہارے باپ سے بھی نہیں کھلے گا۔ چنانچہ وہ چور بھاگ گئے۔

ارشاد فرمایا: کہ مرزا پور بلیوں میں انگریزوں کی پہلے کثرت سے تجارتی کوٹھیاں اور بنگلے تھے۔ جن میں وہ آ کر کبھی کبھی رہا کرتے تھے۔ ورنہ عام طور پر وہ کلکتہ، بمبئی یا دتی رہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ وہاں آگ لگ گئی ایک انگریز کا مسلمان ملازم بھاگا ہوا دتی آیا اور اپنے افسر سے کہا کہ وہاں سارے مکانات میں آگ لگ گئی ہے اور

وہ جل رہے ہیں، آپ کا مکان بھی جل گیا ہوگا۔ وہ انگریز کچھ لکھ رہا تھا۔ وہ بدستور اپنے کام میں مشغول رہا، اور اس نے کہا کہ میرا مکان محفوظ ہے۔ کیونکہ میں مسلمانوں کے طریقہ کے مطابق اپنے مال کی زکوٰۃ نکالتا ہوں اور میں نے سن رکھا ہے اور مشاہدہ بھی ہے کہ جو دینِ محمدیؐ کے مطابق زکوٰۃ نکالے اس کا مال ہر طرح کی آفات سے محفوظ رہتا ہے اس لئے میرا بنگلہ محفوظ ہے۔ چنانچہ بعد میں تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ وہاں سارے بنگلے جل گئے سوائے اس انگریز کے بنگلہ کے، یہ قصہ بچپن میں میں نے سنا تھا۔

ارشاد فرمایا:۔ یقین و اعتقاد پر سب کچھ ہونا۔ ہمارے بابو عیاض مرکز نظام الدین کے ایک مبلغ کا قصہ ہے کہ ۱۹۴۷ء کے ہنگامہ میں جو قیامت صغریٰ دہلی میں برپا تھی۔ ایسی حالت میں باہر کسی کی آمد و رفت مشکل اور دشوار تھی اس زمانے میں میرا قیام بھی نظام الدین میں تھا۔ راشن سبزی منڈی میں ملتا تھا، جہاں کوئی مسلمان نہیں تھا، سارے سکھ آباد تھے۔ بابو عیاض اس کو لینے کے لئے تنہا سبزی منڈی گئے واپسی میں انہوں نے ایک تانگہ کیا۔ اس پر تین سکھ بیٹھے ہوتے تھے، وہ آپس میں اشارہ کرنے لگے کہ اس کا کام تمام کر دیا جائے۔ بابو جی نے ان کی باتوں کو سن کر کہا کہ تم کیا کہہ رہے ہو، تین کے بجائے تیس ہوتے۔ جب بھی تم لوگ میرا کچھ نہیں کر سکتے تھے، وہ سکھ حیرت زدہ و مرعوب ہو گئے۔ اور آپس میں باتیں کرنے لگے جب نظام الدین قریب آیا۔ تو اس وقت بھی بابو جی نے کہا کہ اب بھی جو کرنا چاہتے ہو کر لو آگے میرا علاقہ ہے۔ مگر وہ خاموش رہے، نظام الدین پہنچ کر بابو جی تانگے سے اترے، تو ان سکھوں نے کہا کہ ملا جی! ہم تمہیں مار تو نہیں سکے لیکن ایسی حالت میں اس طرح بے خوف ہو کر کس طرح بات کر رہے ہو؟ بابو جی نے کہا کہ یہ میں کھڑا ہوں، اب بھی جو کچھ کرنا چاہتے ہو کر لو، مگر ان کی ہمت نہیں ہوئی، جب انہوں نے آکر ہم کو یہ قصہ سنایا، تو ہمیں بھی حیرت ہوئی۔ انہوں نے کہا، حضرت جی! آپ نے دعا بتلائی تھی "اللھم انا نجعلک فی نحورھم ونعوذبک من شرورھم" بس جب کہیں جاتا تھا۔ تو آتے جاتے ہر وقت یہی دعا پڑھتا ہوں۔ اس لئے اطمینان تھا۔

ارشاد فرمایا:۔ اگر واقعی یقین و اعتقاد سے عمل کیا جائے، تو اب بھی ان دعاؤں میں وہی تاثیر ہے۔

اضافہ از مرتب:۔

آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایمان پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستان پیدا

ٹائم ٹیبل کا قصہ

ارشاد فرمایا:۔ کہ اللہ کے مجھ پر اور ہر شخص پر بہت سے احسانات ہیں۔ "وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا۔" (اور اگر تم لوگ اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو، تو ان کا احصار نہیں کر سکتے) اللہ کا شکر ہے، کہ یہ غ (آپس کے اختلافات) کے باوجود لوگوں کو مجھ پر اعتماد رہا ہے، چچا جان (حضرت مولانا محمد الیاس صاحب بانی تبلیغ نور اللہ مرقدہ) کے انتقال کے بعد لکھنؤ ندوۃ العلماء میں ایک تبلیغی اجتماع رکھا گیا، مولانا علی میاں اور مولانا منظور نعمانی کی آمد چچا جان کے زمانے سے تھی۔ یہ حضرات دل و جان سے چچا جانؒ کے معتقد تھے اور مولانا یوسف سے بھی ایسے ہی رہے۔ ان لوگوں کی کوشش سے ندوہ میں تبلیغ آئی۔ آج کل مظاہر و دیوبند سے زیادہ وہاں تبلیغی کام ہوتا ہے۔ البتہ علی گڑھ سے کم ہے جو واقعہ میں سنانا چاہتا ہوں، وہ اس زمانے کا ہے۔ کہ جب مشاورت وغیرہ شروع نہیں ہوئی تھی اور سیاست کے میدان میں ان دونوں حضرات نے قدم نہیں رکھا تھا۔ جب ان دونوں نے اس میدان میں قدم رکھا، تو میں نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ تمہارے بس کا یہ کام نہیں ہے (بعد کے واقعات سے اس کی تصدیق بھی ہو گئی، از مرتب) مگر ملکی حالات سے یہ مجبور تھے۔ مولانا یوسف صاحبؒ سے ان سارے واقعات کے باوجود بعض چیزوں میں ان حضرات کو اختلاف بھی تھا۔ وہ یہ کہ مولانا یوسف صاحب کے یہاں کوئی نظام نہیں تھا اور یہ حضرات نظام و قواعد سے کام کرنا چاہتے تھے، میں بھی ان دونوں کے ساتھ تھا۔ لکھنؤ کے اجتماع سے پہلے علی میاں یہاں بڑی عقیدت سے تشریف لاتے۔ اور کہا کہ ہم لوگ اجتماع کر رہے ہیں۔ اور یہ طے کیا گیا ہے، کہ جماعتیں پہلے آجائیں اور مولانا یوسف صاحب تیسرے دن اجتماع میں شریک ہوں، تاکہ اس سے پہلے ہم لوگ وہاں کی فضا کو ہموار کر دیں، میں نے مولوی یوسف سے کہہ دیا کہ جلسہ میں تیسرے دن شریک ہونا، میں نے قصداً علی میاں کا نام نہیں بتایا۔ مگر شاید وہ سمجھ گئے، وہ ہمیشہ میری باتوں کا لحاظ کرتے تھے اور اسی پر عمل کرتے تھے۔ چنانچہ مولوی یوسف تیسرے دن شریک ہوتے اور ان کی پہلی

ہی تقریریں سنو نام آتے، سب کو تعجب ہوا، یہ ایک اصولی بات ہے، کہ کام قواعد سے ہونا چاہیئے، مگر اکثر بے قاعدہ ہی ہوتا ہے۔ علی میاں جب مصر تبلیغ کے لیئے گئے تو ان کا خط آیا، کہ یہاں آکر سب قواعد غائب ہوگئے

انسان کے مقدر میں جو کچھ ہوتا ہے وہ مل کر رہتا ہے

ارشاد فرمایا۔ میں نے سکھ کے آس پاس ایک رسالہ "التقدیر" پر لکھا تھا، کہ جو آدمی کے مقدر میں ہوتا ہے وہ مل کر رہتا ہے، ورنہ اس سے کم ملتا ہے۔ اس میں میں نے بہت سی مثالیں لکھی تھیں، میرے مکان کے سامنے جو نیا مکان ہے، وہاں پر ایک بڑا مکان تھا شہر میں جو ڈپٹی کلکٹر آتا تھا۔ اس میں رہتا تھا۔ ایک خانسامہ تھا وہ نہیں بدلتا تھا اس سے میرے تعلقات ہوگئے تھے۔ اس سے میں پوچھتا تھا، کہ کیا پکتا ہے، وہ بتاتا تھا، کہ میں یہ چیزیں کھاتا ہوں، اگر اللہ نے کرم فرمایا اور کوئی دینی تفوق عطا فرمایا تو پیر بن کر کھائے گا یا ڈپٹی کلکٹر بن کر ورنہ خانسامہ بن کر کھائے گا، تعویذوں کی بدولت ہر آنے والے کے گھر کے حالات پوچھ لیتا تھا کہ کیا آمد ہے اور کیا کھاتے ہو، وہ یہ سمجھ کر کہ تعویذ میں اس کی ضرورت ہے۔ سب بتلا دیتا تھا۔ اس زمانے میں ایک بچے یہاں آیا اس کی والدہ بیمار رہا کرتی تھیں، وہ میرے یہاں تعویذ لینے آیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ گھر میں کیا پکتا ہے۔ اس نے کہا کہ ارہر کی دال اور روٹی، والدہ صاحبہ بیمار رہیں۔ ایسی صورت میں اور کیا پکے گا۔ اس زمانے میں کلکتہ سے ایک اخبار نکلتا تھا اس میں ایک دفعہ لکھا تھا کہ ایک انگریز جو ایک بڑی کمپنی کا مالک تھا ایک گھنٹہ میں ہزاروں کی آمدنی کرتا تھا۔ لیکن اس کی صحت خراب تھی، ڈاکٹروں نے اس کے لیئے ارہر کی دال کا پانی بے نمک کے تجویز کر رکھا تھا۔ اس رسالہ میں میں نے لکھا تھا کہ کار پر چڑھنا اگر مقدر میں ہے تو حضرت جی بن کر بیٹھے گا۔ یا لیڈر بن کر چنانچہ ایک مرتبہ ہمارے حضرت رائے پوری دلی تشریف لے گئے، تو ۱۲، ۱۳، کاریں ساتھ رہتی تھیں۔ اگر یہ نہ ہوگا تو کم از کم ڈرائیور بن کر بیٹھے گا۔

جیل خانہ اگر مقدر میں ہے، تو حضرت مدنی بن کر جائے گا، یا چور بن کر جائے گا۔ بہر حال جانا پڑے گا۔ اس رسالہ میں میں نے کچھ آدمیوں کے اندازے لکھے تھے (۱) بعض آدمیوں کی غذا ۱۲، ۵ آنے تک ہوتی ہے۔ (۲) بعض آدمیوں کی غذا ۸، ۱۰ آنے، (۳) اور بعض لوگوں کی ایک روپیہ دو روپیہ ہوتی ہے۔ جب آدمی معمولی آمدنی پاتا ہے تو اپنا کام خود کر لیتا ہے، کپڑے خود دھو لیتا ہے۔ اگر اس کی آمدنی ۵۰۔ ۶۰ روپے سے

زائد ہوئی تو دھوبی کے یہاں کپڑے بھجوائے گا اور اگر سو، ڈیڑھ سو روپے آمدنی ہوئی تو اسی اعتبار سے ضروریات زندگی بڑھاتا جائے گا۔

ایک رئیس کا لڑکا تھا، باپ کا انتقال ہو گیا تھا۔ ماں کے قابو میں نہیں تھا۔ وہ لڑکا منچلا تھا۔ اور اس کو اپنی ریاست کا بھی گھمنڈ تھا۔ گلستان کا ایک شعر آیا، جس کا مطلب یہ تھا کہ جو کچھ مقدر میں ہو گا وہ مل کر رہے گا۔

اس لڑکے نے اپنے استاد سے کہا، مولوی صاحب! اگر میں کھانا نہ کھانا چاہوں تو کون مجھے کھلائے گا؟ غرور و گھمنڈ تو تھا ہی، ماں کے پاس آیا اور کہا کہ کتاب جھوٹی ہے، اس میں لکھا ہے کہ اگر مقدر میں ہے تو جوتا کھا کر کھانا ملے گا۔ اب میں کھانا نہیں کھاتا، مجھے کون کھلائے گا۔ ماں نے اپنی محبت سے اس کی خوشامد کی مگر وہ خفا ہو کر گھر سے باہر قبرستان میں شام کو چلا گیا۔ ماں کو فکر ہوئی، کہ کہاں ہے، تلاش کرایا۔ لوگوں نے بتایا کہ وہاں قبرستان میں ایک درخت کے نیچے ہے۔ چنانچہ ماں نے شام کو نہایت خوشبودار پلاؤ پکایا اور رات میں اس کے قریب لے کر گئی اس کی بہت خوشامد کی مگر کسی طرح کھانے کے لئے تیار نہ ہوا، اور نہ وہاں سے گھر آیا۔ بالآخر ماں وہاں سے واپس آگئی۔ خوشبو اس کے آس پاس آرہی تھی۔ آدھی رات کو ڈاکوؤں کی ایک جماعت آرہی تھی۔ وہ آپس میں کہنے لگے۔ اجی یہاں پلاؤ کی خوشبو آرہی ہے۔ قریب جا کر دیکھا تو وہاں ایک لڑکا ہے اور اس کے قریب پلاؤ ایک برتن میں رکھا ہوا تھا۔ ان سبھوں نے اس لڑکے سے پوچھا کہ یہ پلاؤ کیسا ہے؟ اس نے کہا بہت اچھا آپ لوگ کھالیں مگر ان ڈاکوؤں کو اس جواب سے شبہ ہوا کہ کہیں اس میں زہر نہ ملا ہو، اس لئے اس لڑکے کو پہلے اس میں کھا لینا چاہیئے۔ جب اس سے کھانے کے لئے کہا تو اس نے انکار کیا۔ ان کو اس سے اور بھی شبہ بڑھا۔ ایک نے جوتا نکالا اور ایک گال پر ایک جوتا لگایا کہ کھاؤ اس نے کھایا۔ پھر دوسرے گال پر لگایا۔ کہ ادھر سے کھاؤ پھر تیسرا لگایا کہ نیچے سے بھی کھاؤ غرض جوتا لگا لگا کر چاروں طرف سے اور اندر کا پلاؤ بھی اس کو کھلایا۔ اس کے بعد ان سبھوں نے کھایا۔ وہ لڑکا خالی برتن لے کر ماں کے پاس آیا۔ اور کہا کہ اماں! پلاؤ بھی کھایا۔ اور جوتے بھی کھائے۔ کتاب سمجھ میں آگئی۔ اب پڑھنے جاؤں گا۔

ارشاد فرمایا: میرے دوستو! یہ ہنسنے کی چیزیں نہیں۔ کیوں مالداروں اور مدرسہ کے مہتمموں

کی خوشامد کرتے ہو؟ ہر دانہ پر لکھا ہوا ہے کہ یہ کس کے منہ میں جائے گا۔

کابل سے ایک صاحب نے انگور کی ایک ٹوکری پشاور کے ایک صاحب کے یہاں ہدیہ بھیجی، انہوں نے لاہور اپنے ایک دوست کو بھیج دی، وہ صاحب میرے چچا جانؒ کے مرید تھے! انہوں نے مستقل ایک آدمی کے ذریعے چچا جانؒ کے پاس نظام الدین بھیجی اور چچا جانؒ نے اس کو میرے پاس بھجوا دیا۔ میں نے مولوی نصیر کی پہلی بیوی کے پاس اس میں سے چند دانے بھیج دیئے۔ پھر میں نے غور کیا کہ اللہ نے اس اجنبی گمنام کے پاس بھیجنے کا کس طرح انتظام فرمایا اور اس کے مقدر کا حصّہ کس طرح پہنچایا۔

ارشاد فرمایا:۔ ہم نے یہ سنا ہے کہ روزی کے ہر ہر دانہ پر مہر لگی ہوئی ہے جس کے جو مقدر میں ہوگا۔ وہ اگر رہے گا۔ کاش یہ باتیں ہمارے دل میں اتر جاتیں۔

ایک صاحب ایک مسجد میں گئے اور ملّا سے کہا کہ رات میں تمہاری مسجد میں گذارنا چاہتا ہوں۔ ملّا کو نئے آدمی کی فکر ہوتی ہے۔ ملّا کے پاس محلہ سے کھانا آیا تھا۔ اس نے ان صاحب کو کھانے میں شرکت کی دعوت دی، انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا، کہ میں مرغ پلاؤ کھایا کرتا ہوں۔ تم اپنا کھانا کھاؤ۔ ملّا کو بہت غصّہ آیا، اس نے کہا کہ مرغ پلاؤ کے انتظار میں رات بھر بھوکے رہو، دیکھو کہاں سے تمہیں مرغ پلاؤ ملتا ہے۔ نصف رات کو ایک آنے والے نے آکر مسجد کے دروازے کو دستک دی، دروازہ کھولا تو دیکھا کہ ایک صاحب طباق میں مرغ پلاؤ لئے ہوئے ہیں انہوں نے کوئی منت مانی تھی جس کو پورا کرنے کے لئے اس وقت لائے تھے۔ چنانچہ ملّا حیران، ان صاحب کو جگایا، انہوں نے کھانا کھایا۔ اور اس میں ملّا بھی شریک رہا۔ صبح کو بچے ہوئے حصّہ کو ملّا نے کہا کہ ساتھ لیتے جاؤ، راستے میں ضرورت پڑے گا۔ انہوں نے کہا کہ میری جو روزی ہے وہ مل کر رہے گی جیسے یہاں ملی ہے۔

نوٹ:۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ صاحب عارف باللہ اور متوکل تھے۔ ایسے لوگوں کے اس طرح کے بکثرت واقعات ہیں۔

ارشاد فرمایا:۔ ایک بزرگ تھے! انہوں نے ایک مسجد میں آکر ملّا سے کہا کہ میں مسجد میں اعتکاف کرنا چاہتا ہوں۔ ملّا نے کہا کہ اعتکاف تو کرو گے مگر کھاؤ گے کیا۔؟ انہوں نے فرمایا روزی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ملّا سے مناظرہ ہوتا رہا، اتنے میں امام صاحب بھی آگئے۔ جو کچھ پڑھے لکھے تھے۔ وہ بھی

اس مناظرے میں ملا کے ساتھ ہو گئے۔ بالآخر بزرگ مسجد سے باہر آئے، مسجد کے نزدیک ایک ہوٹل والے کے یہاں جتنے دن کا اعتکاف کرنا چاہتے تھے۔ ان کے کھانے کا انتظام ہو گیا۔ چنانچہ وہ مسجد میں واپس آئے اور امام و ملا سے کہا کہ میرا نظم ہو گیا ہے۔ امام صاحب خوش ہوئے۔ انہوں نے کہا اچھا آپ میری مسجد میں اعتکاف ضرور کریں۔ اس پر ان بزرگ کو غصہ آیا اور امام کے منہ پر تھوک کر چلے آئے کہ ایسی مسجد کے امام کے پیچھے میں نماز نہیں پڑھوں گا اور نہ یہاں اعتکاف کروں گا جس امام کو اللہ جل شانہٗ کی ذات عالی پر اعتماد نہ ہو اور ہوٹل والے پر اعتماد ہو۔

بے شک دنیا دار الاسباب ہے مگر توکل کی یہ باتیں دل میں اتارنے کی ہیں، ہمارے اکابر ترک اسباب کا حکم نہیں دیتے، بلکہ یہ فرماتے ہیں دینے والا مالک کو سمجھا جائے اور تھوڑا بہت ہاتھ مار لیا جائے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اپنے رسالہ "الدر الثمین" میں تحریر فرمایا ہے۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک روحانی سوال کیا کہ توکل و اسباب میں کیا افضل ہے؟ آپ نے ایک روحانی توجہ مجھ پر ڈالی، اس کا یہ اثر ہوا کہ دنیا کے اسباب میں سے کسی چیز سے تعلق نہ رہا۔ حتیٰ کہ اہل و عیال کی طرف بھی التفات نہ رہا۔ طبیعت ہٹ گئی، گویا توکل تام کا ظہور ہوا اس کے بعد دوسری بار آپ نے توجہ ڈالی، تو اس کا اثر یہ ہوا کہ باطن تو وہیں رہا، البتہ ظاہر میں اسباب اختیار کرنے کا حکم دیا گیا۔ یہ مضمون حضرت گنگوہیؒ نے بھی بیان فرمایا ہے اس لئے میرے دوستو! بہت غور سے اس کو دل میں اتارو، تم حضرات اسی مقصد کے لئے یہاں آئے ہو۔ خاص طور سے علماء کرام کو خطاب فرمایا۔ اس کے بعد کیمیا والے کا قصہ سنایا، جو اس سے پہلے گذر چکا ہے۔

تقدیر و تدبیر کی لڑائی

ارشاد فرمایا:۔ ایک کہانی میں نے اپنے والد صاحب سے سنی تھی، ایک مرتبہ تقدیر و تدبیر کی آپس میں لڑائی ہوئی، تدبیر کہنے لگی، لوگ بدتمیزی و بد سلیقگی سے کام کرتے ہیں اگر کوئی انتظام سے کھائے تو کیوں بیمار ہو، اور اس کے فوائد بتائے۔ تقدیر سنتی رہی، آخر میں اس نے چپکے سے کہا بشرطیکہ میں بھی ساتھ ہوں، درمیاں میں ایک کہانی اور سن لو، ایک صاحب گھوڑا خریدنے گئے تھے۔ وہاں ان کے ایک دوست مل گئے۔ ان سے کہا کہ کل ہم گھوڑا خرید ہی لیں گے! انہوں نے کہا ان شاء اللہ تو وہ کہنے لگے کہ ان شاء اللہ کیا کرے گا۔ کل تو میں گھوڑا

خریدوں گا۔ رات میں سوتے۔ کسی نے جیب کاٹ لی دوسرے دن بازار لگا۔ توبہ افسوس کرتے ہوئے وہاں سے واپس آئے۔ کسی نے پوچھا کہاں سے آرہے ہو کہنے لگے انشاءاللہ گھوڑا خریدنے گیا تھا۔ انشاءاللہ جیب کٹ گئی۔ انشاءاللہ گھر افسوس کرتے ہوئے واپس جارہا ہوں۔ بہرحال تقدیر نے کہا کہ لشبر طیکہ میں بھی ساتھ ہوں، دونوں میں مناظرہ ہوا، اور تین دن کی شرط قرارپائی کہ دیکھا جائے کہ کون غالب آتی ہے۔ ایک آدمی مچھلی فروش تھا۔ تدبیر آدمی کی صورت میں اس کے پاس آئی۔ اور کہا کہ تم کیوں مارے مارے پھرتے ہو، میں تمہیں ایک ہیرا دیتا ہوں اس کی قیمت کوئی بادشاہ دے سکتا ہے یا کوئی بہت بڑا جوہری اور اس سے تم کو لاکھوں مل جائیں گے، اس نے سوچا کہ پہلے نہالوں اور کپڑے بدل لوں، جب بادشاہ یا جوہری کے پاس جاؤں گا۔ دریا کے کنارے اس موتی اور کپڑے کو رکھ کر نہا رہا تھا کہ دریا میں جوش آیا وہ موتی اور کپڑے سب پانی میں چلے گئے۔ اس نے رونا چلانا شروع کیا۔ چنانچہ دوسرے دن تدبیر پھر آدمی کی صورت میں آئی اور اس کو سونے کا ہار دیا، اور اس کو بہت تاکید کردی کہ کل کی طرح حماقت نہ کرنا۔ دیکھو نہانا نہیں یہ بڑا قیمتی ہار ہے۔ چیل لال چیز کو گوشت سمجھتی ہے۔ میرے ساتھ بھی یہ واقعہ پیش آیا ہے۔ جس سال چچا جانؒ کا انتقال ہوا، اس سال میں رمضان کا اعتکاف کرنے نظام الدین گیا، ۲۹ رمضان کو مغرب کی پہلی رکعت میں میں بے ہوش ہو کر گر پڑا، اٹھارہ دن تک خوب بخار آتا رہا۔ اس سے پہلے میں دور کی عینک بھی لگاتا تھا اور سر پر عمامہ بھی رہتا تھا۔ حضرت ثانی کی اقتداء میں سردی میں کھدر کا اور گرمی میں ململ کا کرتا ہوتا تھا، پھولوں کا شوق تھا۔ احباب کثرت سے لایا کرتے تھے، میں اپنے کالے دوپٹے میں پھول ڈال کر سر پر عمامہ باندھا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اسی طرح عمامہ باندھ کر ابوداؤد شریف پڑھانے چلا، چیل آئی۔ اور اچک لے گئی، پھول بھی گر گئے اور دور جاکر دوپٹہ بھی چھوڑا، بخاری شریف پڑھانے والے ایک بچی کے ہار کا قصہ جانتے ہوں گے

بہرحال چیل آئی، اور ایک جھپٹ مار کر ہار لے اڑی، تیسرے دن تدبیر پھر آئی اور اس سے کہا کہ تم بڑے نالائق ہو اور اس کو خوب زجر و تنبیہ کی اور نصیحت کر کے سو روپے دیئے کہ اس سے تجارت کرو چنانچہ وہ اپنے کپڑے میں باندھ کر گھر آیا۔ معلوم ہوا کہ اہلیہ محترمہ کسی اور کے گھر گئی ہیں۔ اس نے جلدی سے چولہے کے درمیان سے آگ ہٹا کر اس میں روپے رکھ کر بیوی کی تلاش میں چلا گیا۔ اس زمانے میں روپے

چاندی کے ہوا کرتے تھے، اتنے میں پڑوس کی ایک عورت آگ لینے آئی اور سب کچھ اٹھا کر اپنے ساتھ لے گئی، یہ واپس آیا تو معلوم ہوا کہ روپے غائب ہیں، پریشان ہوا۔

اب تدبیر کی ناکامی ظاہر ہوگئی۔ بیوی نے کہا کہ یہ سب کچھ چھوڑو، گھر میں کھانے کے لئے کچھ نہیں ہے۔ مچھلی مار کر لایا اور جلانے کے لئے جنگل میں لکڑیاں کاٹنے گیا، وہاں ایک گھونسلہ ملا۔ اس میں وہ چیل والا ہار مل گیا۔ مارے خوشی کے شور کرتے ہوئے گھر آیا، پڑوسن نے سمجھا شاید میری چوری کا حال معلوم ہو گیا۔ اس نے لاکر سو روپے واپس کئے اور کہا کہ کہیں اس طرح رکھا کرتے ہیں۔ جب مچھلی کا پیٹ پھاڑا تو اس میں موتی بھی مل گیا۔ اس پر تقدیر نے کہا کہ ہمارا کام تو چٹکیوں میں ہوتا ہے۔

میرے دوستو! اسباب بضرورت اختیار کرو، مگر مالک پر نظر رکھو، دینے والا وہی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اسباب اختیار نہ کیا جائے۔ مگر اس کو مقصود و اصل نہ سمجھو۔

منجانب اللہ سفرِ حج کے انتظامات اور مدرسہ کی تنخواہ نہ لینے کا واقعہ ارشاد فرمایا: مقدر میں جو ہونا ہے وہ مل کر رہتا ہے۔ میں نے اتنی مرغی کھائی ہیں شاید ہی کسی بزرگ یا رئیس کو نصیب ہوئی ہوں گی ۱۳۳۸ھ میں حضرت اقدس سہارنپوریؒ کے ساتھ سفر حج میں جانا ہوا، پہلے سے کوئی ارادہ نہیں تھا۔ عین وقت پر اللہ نے انتظام فرما دیا۔ میرا ہر سفر ایسا ہی ہوا ہے کہ جا رہا ہوں یا نہیں پندرہ شعبان کو وہاں قرعہ میں نام لکھ دیا جاتا ہے۔ جس کا نام لکھ دیا جاتا ہے وہ جا کر رہتا ہے۔

۱۳۴۴ھ میں میرا سفر حج کا ارادہ بالکل نہیں تھا۔ چونکہ حضرت سہارنپوری کا ایک سال کے لئے حجاز مقدس میں قیام کا ارادہ تھا، شعبان ۱۳۴۴ھ میں حضرت قدس سرہ نے اپنی غیبت کے لئے جو انتظامات لکھوائے اس میں اس سیہ کار کو صدر مدرس بنایا، اور حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب مرحوم کو ناظم مدرسہ، مجھے اتفاقاً اس تحریر کو دیکھنے کا موقع مل گیا، بناوٹ سے نہیں کہہ رہا ہوں، اس کو دیکھ کر میں چکرا گیا۔ میرے ذہن میں یہ تھا کہ یہ میرے بس کا نہیں ہے۔ صدر مدرس کے فرائض بہت سخت تھے۔ حضرتؒ کے سفر میں چار پانچ دن باقی رہ گئے تھے۔ میں نے موقع پا کر حضرت کی خدمت میں عرض کیا۔ حضرت! بذل کا کیا ہوگا؟ فرمایا تمہارے بغیر تو میں لکھ نہیں سکتا۔ اور تمہارے جانے کی کوئی صورت نہیں، میں نے

صدر مدرسی سے بچنے کے لئے عرض کیا کہ میں بھی قرض لے کر چلوں گا۔ مجھے خوب یاد ہے، حضرت کا چہرہ اس وقت خوشی سے کھل گیا حضرت نے فرمایا کہ تمہاری مدرسہ میں تنخواہ بھی کچھ جمع ہے اس کی شرح یہ ہے کہ ۳۵ھ میں جب میں ملازم ہوا تھا تو اس وقت میری تنخواہ ۱۵ روپے تھی، یہ میرے ساتھ خصوصیت برتی گئی تھی۔ مولانا منظور احمد صاحبؒ کی ابتدائی تنخواہ چار روپے تھی، اس وقت بڑے حضرت رائے پوری قدس سرہٗ نے میرے لئے سفارش کی کہ یہ تنخواہ کم ہے کم از کم پچیس۲۵ روپے ہونی چاہیئے اور مجھ سے یہ فرمایا کہ جب اللہ توفیق دے تو تنخواہ چھوڑ دیجیو۔

حضرت اقدس رائے پوری کے ارشاد پر میرا جی چاہتا تھا کہ تنخواہ لینا چھوڑ دوں مگر میرے ذمہ قرض تھا اور میرے حضرت بھی تنخواہ لیتے تھے، میرے والد صاحب نے کبھی نہیں لی، اس لئے اس کے چھوڑنے میں ایک طرح کی بے ادبی معلوم ہوتی تھی، اس لئے کسی مہینے میں لیتا تھا اور کسی مہینے میں ترک کر دیتا تھا حضرت نے فرمایا، کہ تمہاری تنخواہ رُکی ہوئی ہے۔ میری تنخواہ کے تو سو سینتالیس روپے جمع تھے۔ اس زمانے میں حج کے اخراجات زیادہ سے زیادہ چھ سو روپے تھے، میں نے عرض کیا، کہ جس مہینے میں میں نے تنخواہ نہیں لی ہے اس میں اسی نیت سے میں نے پڑھایا ہے۔ حضرت نے فرمایا تم اجیر تھے اور مدرسہ مستاجر، تمہیں یکطرفہ فسخ اجارہ کا کیا حق تھا حضرت ناظم صاحب بھی وہاں تشریف فرما تھے! انہوں نے عرض کیا کہ حضرت میں ان کو سمجھا دوں گا، حضرت بہت خوش ہوئے، حضرت سے مجھے بات کرتے میں تکلف تھا مگر حضرت ناظم صاحب سے خوب مناظرہ ہوا، میں نے کہا کہ آپ اپنی طرف سے دینا چاہیں دے دیجیئے، آپ مدرسہ کے امین ہیں، حضرت اقدس تھانویؒ کے سرپرستوں میں سے تھے۔ اور مولانا ظفر احمد صاحب تھانہ بھون کے مفتی اعظم میری ان سے بے تکلفی تھی، میں نے ان سے کہا کہ جب حضرت کے یہاں مدرسہ کے کاغذات آئیں تو میری تنخواہ نامنظور کرا دیجیئے مگر حضرت تھانویؒ نے لکھا کہ ان کو تنخواہ ضرور ملنی چاہیئے، مولانا عاشق الٰہی صاحب بھی سرپرستوں میں سے تھے، انہوں نے بھی اس کی تائید کی،

حضرت نے مجھ سے فرمایا، کہ میں نے تمہاری جمع شدہ تنخواہ مدرسہ سے لے لی ہے۔ چنانچہ مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد حضرت رائے پوریؒ کی نسبت کا اثر کچھ ایسا غالب آیا تھا۔ کہ میں نے سب سے پہلے

مہتمم صاحب کو ایک خط لکھا جس میں تنخواہ کا تو کوئی ذکر نہیں تھا. البتہ یہ لکھا کہ میرا ارادہ ایک عرصہ سے مدرسہ کے ان حقوق کے معاوضہ میں جو مجھ پر ہیں، مدرسہ میں ایک بڑی رقم پیش کرنے کا ہو رہا ہے مگر آپ کو معلوم ہے کہ مجھ سے اس رقم کا جمع ہونا ناممکن ہے اس طرح بالفعل میری طرف سے صرف ایک ہزار روپے کا وعدہ، اس طرح تحریر فرمالیں، کہ اس ماہ جمادی الاولیٰ سے مبلغ پانچ روپے ماہانہ میری واپسی تک میرے کارکن مولوی نصیر الدین سے اور بعد واپسی کے خود مجھ سے وصول فرماتے رہیں. اگر اس کے پورا ہوجانے سے قبل میرا انتقال ہوجائے تو اس وقت جس قدر رقم باقی ہو، وہ میری وصیت ہے جو کہ متروکہ سے وصول کی جائے، الخ محررہ از مدینہ منورہ ۵ جمادی الاولیٰ ۴۵ھ اللہ کے فضل سے جب یہ رقم ادا ہوگئی تو مجھے سائیوی جذبہ سے یہ خیال ہوا کہ اس سے پہلے زمانہ میں جو تنخواہیں لی ہیں، وہ بھی واپس کردی جاویں، اللہ نے وہ بھی واپس کرادیں، فللہ الحمد والمنۃ، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو آپ بیتی نمبر ۲"

۸۴ھ سے پہلے مولوی یوسف مرحوم کے اصرار پر سفر حج ہوا تھا. اس نے کہا، کہ آپ کا جانا ضروری ہے میں نے کہا کہ تم تو خود مستقل ہو، میری کیا ضرورت؟ مگر ان کے اصرار پر جانا ہوا ۱۳۸۶ھ کا سفر حج اس طرح ہوا تھا کہ میں نظام الدین مولوی انعام کو پہنچانے کے لئے آیا، اور ان کی روانگی کی رات میں سفر طے ہوا ٹکٹ مولوی سلیم نے رمضان ہی میں بھیج دیا تھا، میں نے انکار کیا، پاسپورٹ بھی کھو گیا. مگر اسی دن سب کچھ نظم ہوگیا، قصہ یہ ہوا کہ بھائی سلیم نے خواب دیکھا کہ میں مکہ مکرمہ گیا اور جبل ابی القبیس پر ٹھہر گیا. انہوں نے خود ہی یہ تعبیر نکالی، کہ مولوی انعام و ہارون آرہے ہیں، ان کا ٹکٹ نہیں بھیجا گیا، اس لئے خفا ہو کر الگ ہیں فوراً ٹکٹ بھیج دیا.

میں یہ بیان کررہا تھا مقدرات پورے ہو کر رہیں گے. جس کے مقدر میں مرغ کھانا ہے وہ مرغ کھاتا رہے گا.

۱۳۴۵ھ کے سفر حج میں حضرت رائے پوری اپنے خدام کے ساتھ تھے. اور میں اپنے قافلہ کے ساتھ ایک جگہ پڑاؤ ہوا، میں حاضر ہوا تو کچھ کھانے کا تذکرہ ہوا، میں نے عرض کیا کہ ہمارے قافلہ میں کھچڑی پکی تھی حضرت نے فرمایا، میں نے مرغ کھایا تھا. میں نے اس کا گلہ کیا تو حضرت نے فرمایا، کہ ہم اس کا کفارہ ادا

کریں گے، میں نے عرض کیا، حرم کی ایک نماز ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔ یہاں کے مرغ کا کفارہ ایک مرغ سے نہیں ادا ہو سکتا۔ فرمایا اچھا ہم ادا کریں گے۔ چنانچہ واپسی کے سفر میں ان خدام سے جو ملنے آتے رہے۔ مزاحاً فرماتے رہے، کہ شیخ کے ایک لاکھ کے مرغ میرے ذمے ہیں، مجھے کفارہ ادا کرنا ہے، چنانچہ ہر جگہ کثرت سے مرغ پک پک کر آتے تھے۔ یہاں سے میرے مرغ کھانے کی ابتدائی ہوئی اور خوب کھایا، اب تو ہم کھانے کے قابل نہ رہے۔

اضافہ: گذشتہ سفر حجاز مقدس میں حضرت اقدس مدفیوضہم کی خصوصی مجلس عشاء بعد ہوتی تھی اس وقت حضرت اقدس کبھی کسی چیز کو تناول فرماتے یا بطور تفکہہ کے کوئی چیز چکھ لیتے تھے۔ بفضلہ تعالیٰ بیس بائیس قسم کی چیزیں اکٹھا ہو جاتیں جو لوگوں میں تقسیم کی جاتیں۔ یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت اقدس مدفیوضہم کے شام کے وقت کھانا کھانے کا معمول نہیں ہے اس موقع پر ایک صاحب نے فرمایا کہ ہم نے بہت سے بزرگ دیکھے ہیں مگر یہ کہیں نہیں دیکھا کہ رزق چاروں طرف سے امڈتا ہوا آرہا ہو، حضرت اقدس مدفیوضہم کی واپسی کے بعد کچھ مخلصین نے حضرت کی یاد میں اس مجلس کو باقی رکھنے کا فیصلہ کیا۔ دو چار روز تک لوگ اپنے اپنے گھروں سے کھانے کی چیزیں لاتے اور ساتھ بیٹھ کر کھا لیتے۔ پھر یہ دیکھا کہ اپنا اپنا کھانا لانا اور ساتھ بیٹھ کر کھانا اگر صرف یہی ہے تو اس سے بہتر اپنے گھروں پر ہی کھا لینا ہے مجلس ختم کر دی گئی۔

روزی انسان کو تلاش کرتی ہے

ارشاد فرمایا: ہم نے خوب سنا ہے کہ دنیا سے جس قدر کوئی بھاگے گا اسی قدر وہ آتی ہے اور جس قدر قریب جائے گا۔ اسی قدر وہ بھاگتی ہے، یہ میرا اشکال ہے۔ حضرت مفتی محمود صاحب نے عرض کیا "حضرت دنیا کو دین بنا کر حاصل کیا جائے تو اس میں کیا حرج"؟

اس کے بعد ایک قصہ سنایا کہ میرے والد صاحبؒ کے پاس کئی خادم رہتے تھے، اب تو طلباء کرام ذرا اونچے ہو گئے، بھائی سعید صاحب گنگوہی کے یہاں بھی کئی خادم رہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ میرا دیوبند جانا ہوا، تو وہاں کوئی نظر نہیں آیا، میں نے کہا کہ خادم کہاں گئے۔ تو انہوں نے کہا کہ اب نہیں ہیں۔ پہلے زمانے میں طلباء اساتذہ کی خدمت کو کار ثواب سمجھتے تھے، تو دوڑے دوڑے پھرتے تھے۔ تقسیم سے پہلے یہاں پشاوری

طالب علم کثرت سے آیا کرتے تھے! ور قریب کی مسجد بہادران میں ٹھہرا کرتے تھے۔ میرے والد صاحب ایک دفعہ گرمی کے موسم میں کنویں کے قریب بیٹھے ہوئے غسل کررہے تھے اور یہ طلباء کنویں سے پانی کے ڈول نکال نکال کر ڈال رہے تھے ایک وکیل صاحب اتفاقاً وہاں آگئے انہوں نے کہا کہ حضرت جی یہ اسراف نہیں؟ والد صاحب نے فرمایا جی نہیں؟ ہم مولویوں کے لئے اسراف نہیں ہے اور تمہارے لئے ہے۔ مولوی دنیا کو دین بنا کر کام کرتا ہے، یہ غسل برائے تبرید تھا۔ اگر غسل مسنون ہوتا تو تین ہی مرتبہ پانی ڈالتے، اس فرق کو وکیل صاحب نہیں جانتے تھے۔

میں نے جو کچھ کہا کہ دنیا سے جو جس قدر بھاگے گا۔ اسی قدر وہ پیچھے آئے گی۔ اس پر طالب عالمانہ اشکال وجواب نہیں آتا ہے۔ میں نے مقدر والا قصہ سنایا تھا۔ آدمی کے مقدر میں جو کچھ ہوگا وہ مل کر رہے گا۔ اور دلنے دانے پر مہر لگی ہوئی ہے، پھر ہم دنیا کے پیچھے کیوں پڑے ہیں؟ کیوں یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم بھیک مانگیں تو ملے گا۔ ورنہ نہیں ملے گا۔

حضرت مولانا نانوتوی کا قصہ ہے حضرت دار العلوم میں تشریف فرما تھے ایک صاحب میرٹھ سے آئے اور حضرت کی خدمت میں اس زمانے کے دو سو روپے پیش کرنے چاہیں۔ حضرت نے انکار کردیا وہ خوشامد کرتے رہے اور یہ عرض کیا کہ حضرت طلباء میں بانٹ دیں۔ حضرت نے فرمایا کہ تم خود کیوں نہیں بانٹ دیتے، مجھے یہ کام نہیں آتا وہ خوشامد کرتے رہے جب مجلس سے اُٹھے تو وہ روپے حضرت کے جوتوں میں پڑے ہوئے تھے۔ حضرت نے اسے جھٹکار دیا۔ بھائی دنیا سے جو بھاگتا ہے، وہ جوتوں میں آکر گرتی ہے ہمارے اکابر اور مولوی یوسف میں یہ بات تھی۔

مولانا محمد یوسف صاحب کے استغناء کا ایک قصہ

چچا جان کے زمانے میں اور ان کے انتقال کے بعد میں نظام الدین میں ماہ رمضان میں اعتکاف کیا کرتا تھا۔ اور پورے مہینے کا اعتکاف کیا کرتا تھا۔ ایک رمضان میں غربی جانب میرا معتکف تھا۔ اور شرقی جانب مولوی یوسف صاحب کا، حاجی وجیہ الدین صاحب میرٹھ کے ایک بڑے تاجر تھے۔ دلی میں بھی ان کا ایک مکان تھا۔ ان سے ہم لوگوں کے خاندانی تعلقات تھے۔ وہ مسجد میں آئے اور مولوی یوسف کو کچھ پیش

کیا عزیز موصوف نے پھینک دیا اور کہا کہ مجھے تو آپ کی ضرورت ہے، روپے نہیں چاہئیں، وہ خوشامد کر رہے تھے مگر عزیز موصوف نے قبول نہیں کیا، میں یہ منظر دیکھ رہا تھا اور غصہ بھی آرہا تھا کہ جا کر ڈانٹ دوں، بہر حال وہ مولوی یوسف کے معتکف سے باہر نکلے تو میں اپنی جگہ سے اٹھ کر باہر آیا۔ اور حاجی صاحب کی خوشامد کی کہ وہ روپے آپ مجھے عنایت فرمادیں، آپ جس طرح چاہیں گے، میں خرچ کردوں گا۔ مگر وہ خفا ہو کر چلے گئے، میں نے مولوی صاحب سے کہا کہ ہر شخص سے ایسا برتاؤ نہ کیا کرو، یہ خواص میں سے ہیں، میرے حضرت ان کے لئے اپنے گھر سے کھانا لایا کرتے تھے، چچا جان بھی ان کا اعزاز و اکرام کیا کرتے تھے اور مجھ سے بھی ان کے ایسے ہی تعلقات ہیں دوبارہ میں دلی گیا، چچا جان کے زمانے میں اور مولوی یوسف کے زمانے میں بھی جب میں دلی جاتا تو رشید الدین کو فون کر دیا جاتا، چنانچہ وہ اور مولوی یوسف بھی اسٹیشن پر آتے، میں نے کہا کہ آج پہلے حاجی وجیہ الدین صاحب کے مکان پر چلنا ہے۔ ہم لوگ وہاں گئے، میں نے کہا آج مولوی یوسف آپ سے معافی مانگنے آئے ہیں، ان کو ہمارے اور آپ کے تعلقات کا علم نہیں تھا۔ حاجی صاحب نے فرمایا۔ اس وقت تو واقعی رنج ہوا تھا مگر اس کے بعد آپ کی معذرت کا مجھ پر اتنا اثر نہیں جتنا مولوی یوسف کے واپس کرنے کا ہے اس وقت سے آج تک کوئی تبلیغی اجتماع ایسا نہیں ہوا، کہ میں نے شرکت نہ کی، ارشاد فرمایا بھائی! مگر یہ استغناء دل سے ہو،

کرنل اقبال صاحب کا قصہ بھوپال کے کرنل اقبال صاحب ایک وجیہہ و خوبصورت فوجی آدمی تھے، میرا صبح کا وقت ایسا ہوتا ہے کہ اس وقت کسی کا آنا گوارا نہیں ہوا، سوائے حضرت مدنیؒ، چچا جان، اور حضرت رائے پوری کے (اس سلسلہ میں میرٹھ کے وکیل صاحب کا قصہ سنایا، جو اس سے پہلے نقل ہو چکا ہے) فرقان بھاگا بھاگا اوپر آیا کہ ایک بہت بڑے آدمی آئے ہیں۔ وہ ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا بھاگ یہاں سے ساڑھے گیارہ بجے ملاقات ہوگی، انہوں نے کہلوایا کہ مجھے ابھی رائے پور جانا ہے، صرف ملاقات مقصود ہے، چنانچہ اوپر سے نیچے اتر کر مہمان خانہ میں آیا، میں اپنے سادہ لباس میں تھا۔ انہوں نے کہا کہ مجھے شیخ الحدیث صاحب سے ملاقات کرنی ہے، میں نے کہا کہ مجھی کو لوگ شیخ الحدیث کہتے ہیں، وہ جلدی سے اٹھے اور ملاقات کی، میں نے کہا کہ دوپہر کا کھانا کھا کر رائے پور جائیے گا، بہر حال وہ کھانا کھا کر رائے پور گئے۔ دوسرے دن واپس

آئے، اللہ کی شان اس دن دستر خوان پر کھانا خوب آیا تھا کہیں ولیمہ تھا، وہاں سے پلاؤ وغیرہ بھی آگیا تھا۔ میں نے کہا کہ کھانا کھائیے، کھانا کھا چکے تو کہنے لگے کہ آپ کے اخلاق کو دیکھ کر ایک بات عرض کرنی ہے، کسی نے میری جیب کتر لی، کرایہ کے لئے تیس روپے کی ضرورت ہے، میں نے ان کو روپے دیدیئے۔ انہوں نے جا کر تیس روپے اور تین سو روپے مزید ہدیۃً بھیجے۔ میں نے جواب میں لکھا کہ اتنا سود نہیں ہوتا، بہر حال اصرار کے بعد میں نے قبول کر لیا۔ اس کے بعد مجھ سے تعلقات ہو گئے انہوں نے ایک وقف سوا لاکھ کا دیوبند، مظاہر علوم، تبلیغ اور جمیعت علما کے لئے کیا تھا۔ مدرسہ والوں نے ان کا خوب شکریہ ادا کیا اور مولوی یوسف نے ٹھوکر مار دی اور کہا کہ ہمیں آپ کا وقت چاہیئے۔ انہوں نے میرے ذریعہ مولوی یوسف سے سفارش کرانی چاہی، میں نے کہا کہ میں حکم نہیں دے سکتا، مشورہ دے دوں گا کہ قبول کر لیں، چنانچہ جب میں نے مولوی صاحب سے کہا تو انہوں نے کہا کہ طبیعت نہیں چلتی، ویسے آپ کا حکم، میں نے کہا کہ تمہاری طبیعت کے خلاف میں حکم نہیں دے سکتا۔ ان کے واپس کرنے کے بعد تینوں اداروں نے کوشش کی کہ یہ رقم ہم کو مل جائے۔ اتفاقاً میرا دلی جانا ہوا، وہاں ان سے ملاقات ہو گئی، وہ بہت خوش ہوئے، میں نے کہا کہ مجھے بھی خوشی ہوتی، ہمارے یہاں کی شوریٰ نے فیصلہ کیا تھا کہ ایک وفد آپ کی خدمت میں شکریہ کے لئے جائے۔ اس میں میں بھی شرکت کروں، مگر اچھا ہوا کہ آپ سے یہیں پر ملاقات ہو گئی۔

داد او ر قابلیت شرط نیست

ارشاد فرمایا: کہ مالک جس کو نوازنا چاہیں راستہ چلتے نواز دیتے ہیں۔ "فضائل صدقات" میں ایک قصہ لکھ چکا ہوں۔

ڈاکوؤں کی ایک جماعت کہیں جا رہی تھی۔ راستہ میں دیکھا کہ دو درخت ہیں۔ ایک انگور کا سرسبز درخت ہے اور دوسرا کیکر کا خشک، ایک بلبل بار بار انگور کے درخت سے اس کا دانہ چونچ میں لے کر درخت پر جا رہا تھا۔ ڈاکوؤں کے سردار کو اس پر بڑا تعجب ہوا، دیکھا تو کیکر کے درخت پر ایک اندھا سانپ منہ کھولے ہوئے ہے وہ بلبل دانہ لا کر اس کے منہ میں ڈال دیتا ہے۔ اس نے غور کیا، کہ ایک اندھا سانپ کی روزی کا اللہ جل شانہ نے یہ انتظام فرما رکھا ہے۔ تو کیا وہ ہمارے لئے نہ کرے گا۔ یہ واقعہ اس کی ہدایت کا بہانہ بن گیا۔ اس سردار نے اور اس کے ساتھیوں نے توبہ کی اور لوگوں کا سامان وغیرہ سب واپس کر دیئے۔ یا مالک کے نہ ملنے پر خیرات

کر دیتے، وہاں سے یہ عہد کیا کہ مکہ مکرمہ چل کر توبہ کریں گے، اور چل دیتے، راستہ میں ایک عورت ملی، وہ اس جماعت کو تلاش کر رہی تھی، جس میں ابراہیم ہو، اس سردار کا نام ابراہیم ہی تھا۔ اس بڑھیا نے کہا کہ میں ابراہیم ہی کو تلاش کر رہی ہوں، اس نے کہا کہ یہ نام تو میرا ہے اس عورت نے کہا کہ دو روز سے میں تمہارے لئے کھانا پکا رہی ہوں اور آج بھی یہ عمدہ مرغن کھانا پکایا ہے۔ اس عورت نے کہا کہ پرسوں رات میرے لڑکے ابراہیم کا انتقال ہو گیا، مجھے بہت صدمہ ہو رہا تھا، میں نے خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، آپ فرما رہے ہیں کہ بڑا صدمہ تمہیں ہو رہا ہے ایک میرا ابراہیم بھی آ رہا ہے۔ اس لئے میں نے یہ کھانا تیار کیا ہے اور اپنے لڑکے کے کپڑے وغیرہ سب اس کے حوالہ کئے

ماثورہ دعاؤں کی تاثیر

۱۹ رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ، ارشاد فرمایا:۔ ہمارے دادا کے زمانے میں اتفاقاً نظام الدین کا گھنٹہ بند ہو گیا۔ شور ہوا، تو حضرت نے فرمایا، کسی چیز کی ضرورت نہیں بسم اللہ سمیت الحمد شریف، آیۃ الکرسی، قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس، تین تین بار پڑھ کر دم کر دیا جائے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، وہ چلنے لگا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کا مشہور واقعہ ہے کہ یرموک کی جنگ میں ایک راہب کے شرط لگانے پر بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمہ شیئ الخ پڑھ کر زہر پی لیا۔ اور کوئی اثر نہ ہوا، اس راہب نے عیسائیوں سے کہا کہ اس قوم سے مقابلہ ممکن نہیں۔

آج کا قصہ یہ ہوا کہ پانی گرم کرنے کا چولہا گرم نہیں ہوتا تھا۔ حضرت نے متعدد آدمی دوڑائے، ایک صاحب نے یہ شبہ ظاہر کیا کہ کسی بنگالی نے کچھ کر دیا ہے۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ جو لوگ ادھر جائیں بسم اللہ سمیت الحمد شریف، آیۃ الکرسی، معوذتین تین تین مرتبہ دم کریں، چنانچہ اس کے بعد وہ چلنے لگا۔

ایک خصوصی سوال

ارشاد فرمایا:۔ میرے مخاطب خاص طور سے علی میاں اور مولانا منظور صاحب ہیں (یہ حضرات بھی مجلس میں حاضر تھے) میں نے ایک سوال خاص خاص لوگوں سے تحریراً بھی کیا تھا۔ گذشتہ سال بھی خواص سے سوال تھا۔ اور اس سال بھی کہ مجمع جتنا زیادہ ہوتا ہے، اتنی ہی کیفیت میں کمی محسوس ہوتی ہے، امسال کے بارے میں مولانا انعام صاحب نے کہا، کہ بہتر حالت ہے، مولانا علی میاں نے بھی اس سے اتفاق کیا۔

ایک صاحب نے یہ جواب دیا کہ مجمع کی کثرت جتنی حج میں ہوتی ہے۔ کیفیات میں کمی ہو جاتی ہے یہی رائے مولانا منظور صاحب کی بھی تھی۔ حضرت نے فرمایا، ماحول کے اثرات ہیں ورنہ مجمع کی کثرت کیا اثر ڈالتی، جب میں پہلی مرتبہ مکہ مکرمہ حاضر ہوا، تو ایک صاحب نے طواف کے لئے کہا، تو میں تھر تھرا گیا، میں نے کہا کہ میں حضرت کے ساتھ کروں گا چنانچہ حضرت کے ساتھ کیا اس وقت کیا کیفیات تھیں، بیان نہیں کر سکتا۔ میرے والد صاحب فرماتے تھے۔ کہ اپنے تدریس حدیث کے زمانے میں ہر رمضان کے بعد شوال میں جو جماعت دورۂ حدیث میں آتی ہے۔ اس میں اور پہلی جماعت میں زمین و آسمان کا فرق ہو جاتا ہے۔ پچاس سال سے میں بھی اس کو دیکھ رہا ہوں۔

سند سے زیادہ استعداد مطلوب ہے

ارشاد فرمایا۔ ہمارے مدرسہ مظاہر علوم میں مولانا عنایت الٰہی کے دور اہتمام میں مدرسہ کی سند نہایت معمولی تھی۔ اس کے بعد اس میں ترقی ہوئی اور آج کل زرق برق تعزیہ کی طرح ہو گئی ہے۔ اس پر دستخط کرائے جاتے ہیں۔ پہلے یہ دستور تھا کہ بہت سے لوگ لیتے نہیں تھے۔ چنانچہ مولانا ظفر احمد تھانوی رنگون ملازمت پر گئے۔ حالانکہ مشہور تھے۔ ان کا وہاں سے سند کے لئے خط آیا۔ اتفاقاً حضرت ناظم صاحب کے علاوہ سب ان کے شاگرد تھے۔ میں نے ناظم صاحب سے کہا کہ آپ بھی اپنی سند نیو الیں، شاید آئندہ شاگرد در شاگردوں کو دستخط کرنے کی ضرورت پڑے، ہمارے نوجوانوں میں سے شاید کسی نے لی ہو، ہم لوگوں نے بالکل نہیں لی تھی۔ اصل تو یہ ہے کہ

ع: عنبر آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید۔

ایک شب میں ختم قرآن

ارشاد فرمایا:۔ ہم نے سنا ہے، کہ رات نفلوں و تراویح میں حافظ زبیر نے چھبیسؔ پارے پڑھے ہیں؟ میرے لئے یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ میرے چچا جانؒ بہت نحیف و ضعیف تھے۔ سہارنپور سے کاندھلہ تراویح سنانے جاتے، تو دو رات میں ایک قرآن ختم کر دیتے۔ مفتی صاحب نے بتایا کہ ایک گھنٹہ میں آٹھ پارہ پڑھ ڈالتے، حضرت امام اعظمؒ و امام شافعیؒ کا قصہ ہم نے سن رکھا ہے روزانہ دو قرآن ایک رات میں اور دوسرا دن میں ختم کر ڈالتے۔ ایک حافظ کے لئے ایک گھنٹہ میں چھ پارے پڑھنا آسان ہے۔ ایک رمضان میں میں نے اپنے بعض دوستوں کو ۱۱ قرآن ختم کرنے کے لئے لکھا۔ میرے

دوستوں نے کوشش کی، مولوی انعام نے ۶۱ قرآن سنائے، ایک نے ۵۶ اور بعض لوگوں نے ساٹھ ساٹھ ختم کئے۔ اب ہم قویٰ کے کمزور ہونے کی وجہ سے نہیں کر سکتے۔ باقی جہاں تک ہو سکے کوشش کرتے رہنا چاہیئے۔

میری دادی جان کا روزانہ اپنے وظائف کے ساتھ رمضان المبارک میں چالیس پارہ ختم کرنے کا معمول تھا۔ "تذکرۃ الخلیل" میں ان کے حالات مذکور ہیں، حالانکہ ہمارے خاندان میں اس زمانے میں خادمہ کھانے پکانے کے لئے نہیں ہوتی تھی۔ اگر فکر لگ جائے اور موت کا استحضار ہو تو سب آسان ہے۔

حفظ قرآن

دستور کے مطابق ماہ مبارک میں کئی آدمیوں نے حضرت کے سامنے حفظ قرآن کی نیت سے قرآن مجید کا آغاز کیا، اور دعاء کی درخواست کی، دعاء کے بعد حضرت نے ارشاد فرمایا: یہ نہ صرف محنت سے ہوتا ہے، اور نہ کوشش سے، بلکہ دعاء مانگنے سے یہ دولت ملتی ہے۔ فضائل قرآن میں ایک مجرب عمل اس کا بتایا گیا ہے۔ جس کو خصوصیت سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو بتایا تھا کہ اس پر عمل کرنے والوں کے کثرت سے خطوط آئے کہ اس کی برکت سے قرآن حفظ ہو گیا، مولانا امیر احمد صاحب نے اپنا قصہ خود سنایا، کہ وہ یہاں شاخ میں مدرس تھے۔ آٹھ، دس روپے تنخواہ پاتے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ تجربہ کرنے کے لئے میں نے اس پر عمل کیا۔ صبح کو آدھ پون گھنٹہ مدرسہ جاتے ہوتے راستے میں یاد کرتے تھے۔ اور اسی طرح دوبارہ عصر کے بعد تفریح میں یاد کرتے تھے۔ بقیہ اوقات میں گنجائش نہیں تھی! اسی طرح مدرسی کرتے ہوتے سات مہینے میں پورا قرآن حفظ ہو گیا، ان کے چھوٹے بھائی دورہ حدیث میں تھے، میں نے ان کو غیرت دلائی، چنانچہ اس نے دورہ پڑھتے پڑھتے یاد کر لیا۔

ہمارے ہاں کاندھلہ میں میرے بچپن میں موذن کے سوا سب حافظ تھے۔ لوگ کہا کرتے تھے۔ اُو ملا تو نے روک رکھا ہے اگر تو نہ ہوتا تو ساری مسجد کے لوگ حافظ ہوتے۔

اپنے مشائخ کیلئے ایصال ثواب کی خصوصی تاکید

ارشاد فرمایا: اکابر کے لئے ایصال ثواب ضرور کیا کرو اس سے ان کی ارواح متوجہ ہوتی ہیں اور ان کے فیوض وبرکات ملتے ہیں۔ حاجی عبد الرحمٰن صاحب نومسلم میرے تایا ابا کے زمانے میں اسلام لائے تھے ان کی بہت سی خصوصیات ہیں (جو سوانح محمد الیاس میں مذکور ہیں) اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک خاص بات

عطا فرمائی تھی کہ ان کے ذریعہ بہت سے آدمی اسلام لائے۔ ایک مرتبہ دتی میں ایک تانگہ والے کے پاس گئے اس نے کہا کہ میری گاڑی میں جگہ نہیں ہے، بہر حال بہت جھگڑنے کے بعد تانگہ والے نے بٹھا لیا۔ اللہ کی شان دتی سے نظام الدین پہنچے کہ وہ مسلمان ہو گیا۔ انھوں نے میرے چچا جانؒ کے انتقال پر ایک معمول یہ بنایا تھا کہ سورۂ یٰسین پڑھ کر اور دو رکعت نفل پڑھ کر ایصال ثواب کیا کرتے تھے۔ ایک روز خواب میں دیکھا کہ چچا جانؒ نے فرمایا کہ میرے اکابر کو چھوڑ دیتے ہو، مجھے اس سے شرم آتی ہے۔ بہر حال اکابر کے لئے ایصال ثواب کا خصوصی اہتمام کرنا چاہیئے: تا کہ ان کے سامنے سرخروئی ہو سکے۔

ہمارے اکابر کے یہاں اخفا ہے

ارشاد فرمایا: ہمارے بزرگوں میں امیر خان صاحبؒ امیر الروایات ہیں، وہ حج پر گئے، وہاں ایک نقشبندی بزرگ سے بہت متاثر ہوئے، ایک مرتبہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر کوئی کام نہیں کیا۔ جب امیر خان واپس آئے تو گنگوہ حاضر ہوئے اور حضرت اقدس گنگوہیؒ کا یہ دن دیا رہے تھے۔ حضرتؒ کو یہ قصہ سنایا مگر حضرتؒ نے کوئی توجہ نہیں کی، تو انہوں نے دوبارہ دریافت کیا۔ حضرت اقدس گنگوہیؒ نے فرمایا کہ سنو، دس سال پہلے تک تو میں حضرت حاجیؒ صاحب سے (جو مکہ معظمہ میں تھے) دریافت کیا کرتا تھا اور اس کے بعد براہ راست حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتا ہوں، یہ جو تم نے سنایا وہ اکابر نقشبندیہ کے دل بہلانے کے لئے ہے، حضرت نے ارشاد فرمایا: شیخ سے محبت و تعلق کی برکت سے یہ سب ہو سکتا ہے ہمارے اکابر ذرا کھل کر کہنے سے احتیاط برتتے ہیں۔

اکابر کی دعا کے ساتھ حرکت کی ضرورت ہے

ارشاد فرمایا: اللہ والوں کے منہ سے کوئی بات نکل جاتی ہے، وہ اکثر اثر کرتی ہے۔ مگر ہر وقت نہیں۔ اس کے خاص خاص مواقع ہوتے ہیں۔ ایک حدیث کا مضمون ہے کہ ایک صحابیؓ نے حضورؐ کے لئے وضو کا پانی رکھا اس پر آپ خوش ہوئے اور دعا دی اور فرمایا۔ اعنی علیٰ ذٰلك بكثرة السجود حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ کے پاس ایک شخص اولاد کے لئے تعویذ مانگنے آیا۔ تو حضرتؒ نے فرمایا تعویذ تو ہے۔ مگر کچھ کمر کا زور لگانے کی ضرورت ہے، نری دعا بغیر عمل کے کام نہیں کر سکتی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر امت

کے لئے اور کون مانگنے والا ہو سکتا ہے۔ البتہ اگر ذراسی حرکت آدمی اللہ کے لئے کرے گا. تو ادھر سے بہت کچھ ملے گا۔

ارشاد فرمایا:۔ آہ بھی کیا کرو، حضرت حاجی صاحبؒ کا شعر ہے۔

ہے عبادت کا سہارا عابدوں کے واسطے اور تکیہ زاہد کا ہے زاہدوں کے واسطے
ہے عصائے آہ مجھ بے دست و پا کے واسطے (فضائل رمضان)

ایک تاجر کا کارنامہ

ارشاد فرمایا:۔ دلی میں ایک بزرگ حافظ محمد اسمٰعیل تھے وہ بڑے تاجر تھے، ان کی کئی دکانیں تھیں. کئی کارخانے تھے۔ اللہ کی دین جس کو چاہیں دیں۔ ان کا ہم پر بھی احسان ہے انہوں نے ایک میل سوا لاکھ روپے میں خریدا اور از راہ شفقت و محبت ہمارے مدرسہ میں خط لکھا کہ یہ میل غرباء کے لئے خریدا ہے، ان کے لئے سو روپے کا حصہ رکھا ہے تاکہ ان کی تنخواہ کی کمی پوری ہو جائے، چنانچہ ہمارے مدرسہ میں مدرسین نے دو تین، پانچ تک کے حصے خریدے، ان تاجروں کا جس طرف رُخ ہو جائے، طبیعت خوب چلتی ہے۔ اس میل میں بہت سے لوگوں نے حصہ لیا۔ یہاں تک کہ ملانے بھی حصہ لیا۔ چھ مہینے کے بعد اس میل کو توڑ دیا۔ مگر جس کے سو تھے اس کے دو سو ہو گئے۔ ان کے چار لڑکے تھے انہوں نے آخر زندگی میں اپنی ملکیت ان چاروں میں تقسیم کر دی تھی، اور کچھ حصہ اپنے پاس رکھا تھا انہوں نے اپنے مکان کے سامنے ایک مکتب قائم کیا تھا میرا بھی، چچا جان کے ساتھ اور تنہا بھی ان کے یہاں کثرت سے جانا ہوا، مجھے خوب یاد ہے۔ چند برس میں اس مکتب سے تقریباً سو حفاظ نکلے، وہ خود بھی قرآن سنا کرتے تھے۔ اپنی لڑکیوں تک کو حافظ کر دیا تھا۔ اللہ جل شانہٗ جس کو دینا چاہے دیتا ہے

اصل علاج رُوح کا ہے

ارشاد فرمایا:۔ اس وقت ڈاکٹر غلام کریم صاحب علاج کے بہت شوقین ہیں۔ اس وقت میں ان سے کہہ رہا تھا کہ نہ میری نبض دیکھنا اور نہ دوا دینا، آپ ڈاکٹروں کی بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی، خفا نہ ہونا اگر کوئی روٹی نہ کھائے تو کہتے ہیں، کہ ضعف آگیا ہے ہم لوگوں کو فکر ہوتی ہے۔ خمیرہ چاہیئے۔ دوا چاہیے، اور اد و وظائف رُوح کی غذا ہیں۔ مگر ان کے چھوٹنے پر افسوس نہیں ہوتا۔ حالانکہ اصل رُوح ہے. رُوح کے ضعف کی فکر نہیں ہوتی، اور جسم کی فکر

ہوتی ہے، رُوح اصل ہے، اسی سے جسم کا قوام ہے۔ رُوح میں اگر قوت ہے تو سب کچھ ہے۔ میرے چچا جانؒ کو دلّی کے مشہور ڈاکٹر نے دیکھا اور ریبت سے آلات لگا کر دیکھا۔ اور کہا کہ یہ زندہ کس طرح ہیں، جسم میں قوت نہیں ہے، صرف رُوح کی قوت سے زندہ ہیں، ہمارے شہر کے مشہور ڈاکٹر، ڈاکٹر برکت مرحوم حضرت مدنیؒ کو دیکھنے جاتے تھے۔ ان کے ساتھ میں بھی جاتا تھا۔ انہوں نے کئی دفعہ مجھ سے کہا کہ میں نے بہت سے آلات کے ذریعہ حضرتؒ کا اچھی طرح معائنہ کیا، طبی اصول سے ان کو زندہ نہیں رہنا چاہیئے۔ ان کے معدہ اور جگر وغیرہ نے جواب دے دیا ہے۔ البتہ دل بہت قوی ہے اس میں ضعف نہیں ہے"۔ اس لیے کہ رُوح کو غذا ملتی رہتی ہے چنانچہ انتقال سوتے سوتے ہو گیا، حضرت کو دل کی بیماری بتائی گئی تھی۔ اس لئے ڈاکٹر نے کہا تھا کہ تیمم کریں، اور بیٹھ کر نماز پڑھیں، مگر ہمیشہ کھڑے ہو کر نماز پڑھی کبھی تیمم کر لیتے اور کبھی وضو میرے چچا جانؒ نے تو آخیر تک وضو سے نماز پڑھی، میرے چچا جانؒ نے انتقال کے وقت آخر رات میں فرمایا تھا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ خوب غسل کروں، اچھے کپڑے پہنوں اور خوشبو لگاؤں، یہ بھی فرمایا تھا کہ آج میری آخری رات ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اچھی طرح رہوں"۔

ارشاد فرمایا:۔ ایک بزرگ تھے۔ ان کی فجر کی جماعت فوت ہو گئی۔ صبح سے رنج و غم میں دوپہر تک بیٹھے رہے، فرمانے لگے کہ"بے حسی کی کوئی حد بھی ہے، اگر میرے لڑکے کا انتقال ہو جاتا تو بہت لوگ میرے یہاں تعزیت کے لئے آتے اور نماز کی جماعت چھوٹ جانے پر کوئی تعزیت کے لئے نہیں آتا"۔

میرے دوستو! خوب کر لو، دنیا و آخرت دونوں جگہ کام آئے گا۔ روح میں اگر قوت آجائے تو بیماری وغیرہ سب لڑھکتی رہتی ہیں۔ اور اگر اس میں ضعف ہے تو مشکل ہے۔ اگر اللہ جل شانہٗ کی ذات پر اعتماد اور توکل پیدا ہو جائے، یہ صرف زبان پر نہیں بلکہ دل میں اتر جائے۔ تو ڈاکٹر وغیرہ کی چنداں ضرورت نہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تبوک کے موقع پر اپنا سارا اثاثہ لے کر حاضر ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آدھا لائے۔ دونوں کا مال آپؐ نے قبول فرما لیا۔ ایک اور صاحب سونے کا ایک ڈلا لے کر آئے۔ اور آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپؐ نے رخ مبارک پھیر لیا۔ دوسری طرف آئے، پھر آپؐ نے رخ

مبارک پھیر لیا، پھر تینری طرف آئے، راوی بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ نے وہ ڈھیلا کھینچ کر پھینک دیا۔ اگر لگ جاتا تو زخمی کر دیتا۔

حضرات شیخینؓ کامل توکل کے مقام پر تھے، اس لئے آپؐ نے قبول فرمایا۔ اور یہ صاحب اس درجہ پر نہیں تھے۔ اس لئے آپؐ نے واپس فرما دیا۔

دنیا مسافر خانہ ہے

حضرت اقدس مدفیوضہم کی طبیعت ناساز تھی، ڈاکٹر غلام کریم صاحب بازار سے دوا خرید کر لاتے تھے فرمایا رکھ دو رمضان کے بعد دیکھیں گے ہمارے حضرت اقدس رائپوریؒ فرمایا کرتے تھے، کہ مردہ کے بدن پر مکھن مل دینے سے قوت نہیں آتی، اس کا ایک زمانہ ہوتا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری مثال ایسی ہے۔ جیسے کوئی تھکا ہوا مسافر کسی درخت کے نیچے تھوڑی دیر آرام کرنے کے لئے ٹھہر جائے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ آدمی کہتا ہے کہ "میرا مال میرا مال"، اس کا مال وہ ہے جو اس نے آگے بھیجا۔

ارشاد فرمایا: ہمیں اس پر غور کرنا چاہیئے، کسی غیر ملک میں باہر جانے والے کے لئے دشواری ہے وہ پیسے نہیں لے جا سکتا، یہی حال عالم آخرت کا ہے، البتہ عالم آخرت کے لئے پیشگی بھیجنا آسان ہے۔ وہاں جو عمل کر کے بھیجے گا، اس کے لاکھوں اور اس سے زائد ملیں گے۔

ارشاد فرمایا: میرے پیارو! بعد میں کوئی کسی کو نہیں پوچھتا، نہ بھائی، نہ بیوی، اور نہ کوئی اور، شاید ہی کوئی تمہارے لئے ایصال ثواب کرے، اس لئے زندگی کو غنیمت سمجھو اور بھیجتے رہو۔

ایک غیبی مدد

۲۶ رمضان المبارک ۸۳ھ کو ڈاکٹر عبدالمنان صاحب مرحوم جن کو تین مرتبہ قلبی دورہ پڑ چکا تھا۔ انہیں ان کے وطن پٹنہ بھیجنا تھا۔ اسٹیشن بھیجنے کے لئے کار کی ضرورت تھی حضرت نے مولوی نصیر صاحب سے کار کے لئے کہا تھا۔ انہوں نے شہر میں تین چار جگہ آدمی بھیجے تھے۔ اتنے میں مراد آباد کے کچھ لوگ کار سے آگئے حضرت نے مولوی نصیر سے کار کے لئے منع

فرمادیا۔ اور مراد آباد والوں کی کار سے ڈاکٹر صاحب کو اسٹیشن بھیجا گیا۔ ڈاکٹر صاحب کے ہمراہ کسی کو بھیجنے کی ضرورت تھی، بڑودھ سے ڈور ریلوے کے ملازم عبد کرنے سہارنپور حاضر ہوئے ان دونوں کے پاس فسٹ کلاس کا پاس تھا۔ چنانچہ وہ دونوں پٹنہ تک ڈاکٹر صاحب کو پہنچانے گئے، اس پر حضرت نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسانات ہیں۔ وہی مربی حقیقی ہے، افسوس یہ کہ ڈاکٹر صاحب کا اپنے وطن پہنچ کر چند دنوں کے بعد قابلِ رشک حالت میں انتقال ہو گیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ارشاد فرمایا: ڈاکٹر صاحب میرے لئے دوائیں تجویز کرتے ہیں۔ مگر رمضان تو میرے لئے دوا کا ہوتا نہیں۔

عادت کو عبادت کا درجہ نہ دیا جائے

چائے کی عادت شام کو ساری زندگی رہی اور رمضان میں تراویح کے بعد چائے پیتا تھا، مگر دو تین دن سے اس کی طرف بھی رغبت نہیں رہی

ارشاد فرمایا: میرے چچا جانؒ چائے کے مخالف تھے۔ اور (مولانا) یوسف و انعام چائے کے عادی تھے۔ دونوں پر خفا ہوتے تھے کہ تبلیغی آدمی کو ہر جگہ چائے کہاں ملے گی، ایک دن گھر میں تشریف لائے تو معلوم ہوا کہ ان دونوں نے چائے چھوڑ دی، بہت خوش ہوئے، لیکن بعد میں بتایا گیا کہ چائے کی پڑیا جو ۳ آنے میں ملتی تھی، اب ۶ آنے کی ہو گئی ہے۔ اس لئے چائے ان دونوں نے چھوڑ دی، فرمایا۔ لاحول ولا قوۃ اس لئے چھوڑ دی، جو مالک ۳ آنے میں دیتا تھا۔ وہ ۶ آنے میں بھی دے گا۔ حضرت اقدس رائے پوریؒ کا جس زمانے میں قیام بھٹ ہاؤس سہارنپور میں تھا۔ میں شام کو سبق پڑھا کر عصر کی نماز پڑھ کر سیدھے بھٹ ہاؤس جاتا تھا۔ وہاں حضرتؒ کو معلوم ہوا کہ عصر کے بعد کی چائے میں نے چھوڑ دی ہے، حضرتؒ نے خدام کو حکم دیا کہ شیخ کے لئے چائے بنائی جائے۔ میں نے عرض کیا کہ تھوڑا سا وقت آپ کی خدمت میں حاضری کا ملتا ہے، عادت کو عبادت کا درجہ کیوں دیا جائے۔ اس پر حضرتؒ کو بہت لطف آیا۔

نماز کے اوقات کے اسرار

ارشاد فرمایا:۔ اللہ جل جلالہ کی حکمتوں اور احکام کے اسرار تک کس کی رسائی ہوسکتی ہے۔ ہر کام میں جتنی حکمتیں پنہاں ہیں وہاں تک ہمارے ذہن نہیں پہنچ سکتے، لیکن بعض احکام کی حکمتیں آشکارا ہوتی جارہی ہیں، جن احکام کی حکمتیں سمجھ میں نہیں آتیں ان کو فقہاء تعبدی کہتے ہیں۔

نماز کے اوقات میں ایک خلجان ہے، کہ صبح کی اور ظہر کی نماز میں ایک طویل فاصلہ ہے اس کے بعد مسلسل چار نمازوں کے اوقات ہیں، یہ عدم تناسب ظاہر کے اعتبار سے ہمیں اپنی طرف متوجہ کرتا ہے کہ اس میں کیا حکمت ہے؟ ہمارے حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ المصالح العقلیۃ فی المسائل ا لکھا ہے اس میں اس کی دو توجیہیں لکھی ہیں، اس کی ایک توجیہ مجھے پسند آئی۔ حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ کو بھی بہت پسند تھی۔

حضرت نے فرمایا:۔ اس میں انسانی زندگی کا ایک حیرت انگیز نمونہ ہے۔ صبح کی نماز اس دنیا میں انسان کی پیدائش کا نمونہ ہے، حدیث میں بھی آیا ہے۔ کہ سوکر بیدار ہونے کے بعد یہ دعا پڑھنی چاہیئے "الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور" اور اس کے بعد کا زمانہ بچپن و عنفوان شباب کا زمانہ ہے، زوال کے بعد ظہر کی نماز رکھی گئی ہے۔ گویا اس میں انسان کی کہولت کی طرف اشارہ ہے، آدمی کو اطلاع دی جاتی ہے کہ عمر ختم ہورہی ہے اور عصر کی نماز گویا اس کا الارم ہے کہ بوڑھاپا آگیا، قبر کی فکر کر، غروب آفتاب موت کی خبر دے رہا ہے، موت کو یاد کرنے کے لئے مغرب کی نماز فرض کی گئی، اور عشاء کی نماز غروب شفق کے بعد پڑھی جائے گی۔ گویا مرنے کے بعد کچھ ذکر و تذکرہ انسان کا باقی رہتا ہے۔ اس میں مشابہت ہے شفق سے، پھر دنیا اس کو بھلا دیتی ہے کہ کون تھا۔ اس کو یاد دلانے کے لئے عشاء کی نماز فرض کی گئی، کہ نام و نشان مٹ جائے گا۔

اضافہ سے

مٹے ناميوں کے نشان کیسے کیسے
زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک توجیہ اور کی ہے، اس پر میں نے حواشی لگائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ

نے انسان کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون
اس آیت کریمہ میں حصر ہے کہ انسان کی پیدائش کا بس ایک ہی مقصد عبادت ہے۔ حق تعالےٰ نے
انسان پر بے شمار احسانات و انعامات کئے ہیں اور مسلسل ان کی بارش ہو رہی ہے! اعضاء انسانی یہ ایسے
انعامات ہیں کہ ان کا احصاء نہیں ہو سکتا، غور کرو اگر تمہاری آنکھیں نہ ہوتیں تو تم بت کی مانند نظر
آتے، اگر کان کی سماعت زائل ہو جائے تو دنیا کی آوازوں سے لطف اندوز نہیں ہو سکتے، اگر ہاتھ
کی انگلیاں کٹ جائیں، تو تم ایک لوٹا تک نہیں اٹھا سکتے۔ اسی لئے قرآن نے کہا ہے "وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا"
حضرت سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ نے فرمایا، نعمت کو واحد استعمال کیا گیا ہے۔ جب ایک نعمت کا
احصاء ممکن نہیں تو خدا کے انعامات بے شمار ہیں، ان کا احصار کیونکر ممکن ہوگا؟ آدمی جب کسی کو نوکر
رکھتا ہے تو اس کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ وہ تمہاری ہر وقت فرمانبرداری کرے، پس اللہ تعالیٰ کے احسانات
کا تقاضا تھا کہ تم ہر وقت عبادت میں مشغول رہو، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہم پر صرف چند
اوقات کی نمازیں فرض کی ہیں۔ گویا ہمارے اوقات کو تقسیم کر رکھا ہے، آدھا اپنے لئے اور آدھا ہمارے لئے
یہ بھی ہو سکتا تھا کہ رات عبادت کے لئے مقرر کی جاتی اور دن کام کے لئے، مگر اس میں ہمارے لئے دشواری
تھی کیونکہ بہت سی ضروریات ہماری رات سے وابستہ ہیں، اسی طرح اس کے برعکس کرتے میں بھی ہمارے
لئے دشواری تھی، اللہ جل شانہٗ نے دن میں آدھا اپنے لئے رکھا۔ صبح سے ظہر تک کام کے لئے اور ظہر سے
مسلسل چار اوقات کی نمازیں ہیں۔ صاحب نور الانوار نے لکھا ہے کہ عزیمت یہ ہے کہ پورا وقت نماز
میں صرف کیا جائے، مگر مالک نے کرم فرمایا، صرف چار رکعتوں کو پورا شمار کر لیا! اس کے بعد فرائض میں
حضورؐ نے تخفیف کو مستحسن قرار دیا، رات کو اللہ تعالیٰ نے آرام کے لئے بنایا اور دن کو مشغولیت کے
لئے رات میں سونا ضروری ہے خواہ تھوڑا ہی ہو، وہ کفایت کرتا ہے۔ برخلاف دن کے سونے کے اسی
لئے عشاء کا وقت مستحب نصف لیل تک ہے، اس کے بعد مکروہ ہے کیونکہ آرام کا وقت ہے۔ اس کے
بعد ایک ضابطہ تیار کیا۔ کہ جس کے صحیفہ میں جس کو روزانہ صبح و شام فرشتہ خدا کی بارگاہ میں پیش
کرتا ہے۔ عبادت ہو، مالک کے کرم سے امید ہے۔ کہ اس کو معاف فرما دیں گے۔ اسی لئے مغرب

کے مقابلہ میں فجر کی نماز رکھی گئی اور صبح و شام تسبیحات کا پڑھنا مسنون ہے، سوتے وقت کی دعا بتائی گئی کہ پڑھ کر چکے سے سوجاؤ تاکہ صحیفہ کے دونوں حصے میں عبادت آجائے! اسی سبب سے ظہر میں تعجیل اگر گرمی کا موسم ہو تو ابراد افضل ہے! اور عصر میں تاخیر افضل ہے کہ صحیفہ کے دونوں طرف عبادت میں آجائے اور درمیان کے حصہ کو مالک اپنے فضل و کرم سے قبول فرمالیں

بہرحال نماز کے اوقات میں اللہ کے احسانات کے مناسب یہی تھا کہ پورے وقت میں نماز ادا کی جاتی مگر ہماری سہولت کے پیش نظر یہ حکم دیا گیا کہ چند رکعتیں خواہ مختصر سہی اگر پڑھ لی جائیں تو مالک قبول کرے گا۔ اس کے علاوہ نوافل کو رکھا گیا، کہ اگر کوئی عزیمت پر عمل کرنا چاہے، تو پڑھ لیا کرے، تہجد و اوابین، چاشت و اشراق کی نمازیں اسی قبیل سے ہیں، میرے ذہن میں اوقات کی تقسیم یہ ہے:۔ ۸ گھنٹے تو سونے اور کھانے وغیرہ کے لئے اور آٹھ گھنٹے عبادت کے لئے اور آٹھ گھنٹے ملازمت و دیگر ضروریات کے لئے۔

مجدد صاحبؒ کے ایک مرید کا واقعہ ہے کہ ایک مولوی صاحب وعظ فرما رہے تھے۔ وہ سادے آدمی تھے مگر نماز کی حلاوت سے آشنا تھے انہوں نے کہا کہ مولوی صاحب! بتاؤ تو صحیح جنت میں بھی نماز ہوگی؟ تو انہوں نے کہا کہ "نہیں" تو انہوں نے کہا کہ پھر ایسی جنت کو لے کر میں کیا کروں گا، ایک بزرگ کی خواہش تھی کہ قبر میں مجھے تلاوت کا موقع ملے، چنانچہ ان کی قبر سے تلاوت کی آواز سنی گئی۔

فکرِ آخرت

ارشاد فرمایا:۔ "عد وانفسکم فی الموتیٰ" اپنے نفسوں کو مردوں میں شمار کرو، یہ تصور قائم ہو جائے تو ہر عمل آسان ہے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے جب انتقال کا وقت قریب آیا۔ تو انہوں نے اپنا سب کچھ مال بانٹ دیا، لوگوں نے کہا کہ اپنے بچوں کے لئے کچھ نہیں چھوڑا، تو فرمایا:۔ اگر میری اولاد صالح ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "واللہ ولی المؤمنین" اللہ تعالیٰ مومنین کا کارساز ہے اور اگر غیر صالح ہے تو ان پر اپنے پیسے کو ضائع نہیں کرنا چاہتا۔

ارشاد فرمایا:۔ اوراد و وظائف کے لئے ہمیں وقت کیوں نہیں ملتا، جب کہ یہ چیزیں کام آنے والی ہیں سب کو معلوم ہے کہ زندگی بہت تھوڑی ہے۔ جیسے خواب کہ اس میں بہت سی چیزوں کو ہم دیکھتے ہیں، مگر جب آنکھ کھلتی ہے، تو کچھ نظر نہیں آتا، اگر اس زندگی میں اچھے اعمال نہیں کئے گئے، تو یہ وبال جان بن جائیگا

ارشاد فرمایا: مدرسہ کا کوئی طالب علم جب انتقال کرتا تھا۔ تو اپنی جوانی میں میں خود اس کو نہلاتا تھا اور مفتی سعید صاحب مرحوم میرے رفیق ہوتے تھے، موت کو کثرت سے یاد کرو، کیونکہ یہ لذتوں کو توڑنے والی ہے، جنازہ کے ساتھ جاتے ہوئے اگر کوئی ہنستا ہے، تو مجھے بہت غصہ آتا ہے، مولانا شبیر علی صاحب تھانوی کی اہلیہ کے انتقال کی خبر پر ایصالِ ثواب کی طرف توجہ دلائی، مجھے بجلی کے بند ہونے پر موت یاد آتی ہے۔

حضرت ولی اللہ صاحبؒ کے والد صاحبؒ کا واقعہ

ارشاد فرمایا: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور سب اکابر کا فاقہ اختیاری تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے الدر الثمین صفحہ میں لکھا ہے کہ میرے والد صاحب نے اپنے ابتدائی دور میں دائمی طور پر روزہ رکھنے کا ارادہ کیا۔ پھر انہیں اس مسئلہ میں علماء کے اختلاف کی وجہ سے تردد ہوا، تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوئے آپؐ کی خواب میں زیارت ہوئی، آپؐ نے ایک روٹی عنایت فرمائی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ "الھدایا مشترکۃ" میں نے ان کے سامنے اس کو پیش کیا! انہوں نے بھی اس میں سے ایک ٹکڑا توڑ لیا۔ پھر حضرت عثمانؓ نے فرمایا: "الھدایا مشترکۃ" میں نے عرض کیا، اگر اس طرح میں تقسیم کرتا رہا، تو اس فقیر کے لئے کیا باقی رہے گی؟ انفاس العارفین میں اتنا اضافہ ہے کہ اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ حضرت ابوبکرؓ سے سلسلۂ سلوک ملتا تھا۔ اور حضرت عمرؓ سے سلسلۂ نسب، اس لئے میں مرعوب ہو گیا! اور حضرت عثمانؓ سے ان دو میں سے کوئی بات نہیں تھی۔ اس لئے میں نے عرض کیا۔

آداب کی رعایت

ارشاد فرمایا: میرے دوستو آداب و مستحبات کی رعایت ضروری ہے مشہور حدیث ہے "من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر جس نے قصداً نماز کو ترک کر دیا۔ اس نے کفر کا ارتکاب کیا۔ صفوں کی درستگی کے بارے میں حدیث میں آیا ہے "لا تختلفوا فتختلف قلوبکم" تم صفوں میں اختلاف نہ کرو، ورنہ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ ظاہر ہے کہ اختلاف کا اثر باطن پر پڑتا ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے فرمایا ہے، جو آداب میں تہاون کرتا ہے۔ کسی ایک ادب کو بیماری یا مشغولی کی وجہ سے چھوڑ دینا ہے۔ ایک تہاون کی بنا پر چھوڑتا ہے۔ سالکین کے لئے آداب کی رعایت عمل کے اعتبار سے وجوب کے درجے میں ہے۔ بہر حال حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے فرمایا ہے۔ کہ جب آدمی تہاون کی وجہ سے آداب کو چھوڑتا ہے۔ اس

پر خدا کی طرف سے ایک عذاب مسلط ہو جاتا ہے اور سنتیں چھوٹنے لگتی ہیں۔ تم دیکھ سکتے ہو، کہ آدمی جب کسی برائی کا عادی ہو جاتا ہے تو پھر وہ عادتیں اس کو اچھی معلوم ہونے لگتی ہیں۔ بہر حال اس پر سنت کے چھوٹنے کا عذاب مسلط ہو جاتا ہے۔ شروع میں ایک دو دفعہ چھوٹنے پر ایک بوجھ معلوم ہوتا ہے مگر جہاں دو چار دفعہ چھوٹیں تو پھر یہ کیفیت بھی جاتی رہتی ہے۔ اس کے بعد اس پر فرائض کے چھوٹنے کا عذاب مسلط ہو جاتا ہے۔ اور جب فرائض چھوٹنے کا عذاب مسلط ہو جاتے تو اس پر معرفت کا حرمان مسلط ہوتا ہے اور سوء خاتمہ کا عیاذا باللہ اندیشہ ہوتا ہے، فقد کفر کا یہی مصداق ہے، ہر خیر خیر کو کھینچتا ہے اور ہر شر شر کو کھینچتا ہے۔ جب آدمی اپنے کسی علم پر عمل شروع کر دیتا ہے۔ تو یہ اس کو دیگر علوم کی طرف کھینچتا ہے۔ آج تمام مدرسین سے ہزاروں فضلاء نکلتے ہیں، مگر ڈھونڈنے پر کوئی مدرس نہیں ملتا، کیونکہ پڑھنے کے زمانے میں آداب کو پیش نظر رکھ کر پڑھنے والے بہت کم ہیں۔ پڑھنے کے زمانے میں اگر آداب کی رعایت رکھ کر پڑھتے تو اس کی برکتیں حاصل ہوتیں۔ پہلے زمانے میں اتنی استعداد ہوتی تھی کہ بے پڑھا ہوا پڑھا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ آج معاملہ برعکس ہے

طالب کیلئے بیعت مفید ورنہ غیر مفید،

ارشاد فرمایا: ہمارے بڑے حضرت رائے پوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ جال لگا رکھا ہے اس امید پر کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ پھنس جائے۔ یہ جب ہوگا جب طلب صادق ہو، بغیر طلبِ صادق کے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ میرا بھی تجربہ ہے جو اپنی رغبت و خواہش سے بیعت ہوا، اس کو تو فائدہ ہوا، اور جس نے کسی سفارش پر بیعت کی۔ اس کو کچھ فائدہ نہ ہوا۔ وکیل عبداللہ مرحوم کو حضرت سہارنپوریؒ سے خصوصی تعلق تھا، میں نے حضرت سے عرض کیا، حضرت جب انہیں ایسا تعلق ہے، کچھ ذکر و شغل انہیں بتادیں تو حضرت نے فرمایا کہ "بلا طلب نہیں بتا سکتا، میں نے عرض کیا کہ میں لکھ دوں، حضرت نے فرمایا، اپنی طرف سے"۔

حضرت سہارنپوریؒ کے صاحبزادے گنگوہ بیعت کے لئے حاضر ہوئے، تو حضرت نے فرمایا مولوی خلیل احمد نے ترغیب دی ہوگی۔ حضرت سہارنپوریؒ نے عرض کیا، اس سے میں نے نہیں کہا ہے"۔ البتہ مولانا یحییٰ وغیرہ ترغیب دیتے تھے، میرے حضرت تو آفتاب ہیں، یہاں ترغیب کی کیا ضرورت،

علماء و مدرسین سے خصوصی خطاب ارشاد فرمایا: کسی کی آبرو ریزی بڑی سخت چیز ہے اگر کوئی کسی کو گرانا چاہے، تو اس کو چاہیئے کہ جواب نہ دے، علماء و مدرسین میں یہ مرض زیادہ ہوتا ہے، وقار کا مسئلہ مولویوں کی جماعت میں زیادہ بڑھ گیا ہے، ہمیں اپنے وقار کو بڑھانے اور دوسروں کو گرانے کی فکر نہ کرنی چاہیئے.. آج کل مدرسین عام طور پر دوسروں کے وقار کو گرانے میں اس قدر لگ گئے ہیں کہ دوسرے تو گرتے نہیں خود گر جاتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "من تواضع لِلّٰہ رفعہ اللّٰہ" جو اللہ کے لئے تواضع اختیار کرے اللہ اس کو اونچا کرتا ہے، آج کل ہمارے آپس کے فسادات بڑھتے جارہے ہیں، میں نے اسلامی سیاست میں اس مضمون کی بہت سی حدیثوں کو جمع کر دیا ہے. علماء کرام کو خاص طور سے بار بار پڑھنا چاہیئے. جس طرح حضرت تھانوی نے لکھا ہے کہ میرے اس مضمون کو تین دفعہ پڑھو اسی طرح میں بھی تاکید کرتا ہوں کہ اعتدال کو بار بار پڑھو، حدیث میں آیا ہے "من عادیٰ لی ولیا فقد اٰذنتہ بالحرب" جو میرے کسی ولی سے دشمنی کرے، اس کے ساتھ میں نے اعلان جنگ کر رکھا ہے ایک اور حدیث میں آیا ہے، جو شخص دوسروں کی پردہ دری کرتا ہے اللہ اس کی پردہ دری کرتا ہے، بھائی موت و حیات کا ٹھکانہ نہیں اس لئے تمہیں نصیحت کرتا ہوں اللہ اگر کسی کو عزت دے تو اس کو ذلیل کرنے کی فکر نہ کرنا چاہیئے۔ اضافہ از مرتب

؎ چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد   میلش اندر طعنۂ پاکاں زند

حسد حرام ہے اور رشک جائز ہے، تم خود بڑھو اور امتیاز پیدا کرو، میری ابتدائی مدرسی میں میرے اور مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیمل پوری کے درمیان طلبا کا یہ دستور بن گیا تھا. میری تقریر سن کر ان کے سبق میں جاکر اعتراض کرتے اور وہاں کی یہاں نقل کرتے، ہم دونوں نے بار بار کہا کہ کسی استاد کا نام لے کر اعتراض نہ کیا جائے، بلکہ مولانا نے یہ فرمایا، کہ جب شیخ نے یہ مطلب بیان فرمایا، تو یہ منہ کیا جو اس سے اختلاف کرے انہیں باتوں سے مدرسین میں اختلاف پیدا ہوتا ہے. ہمارے مدارس اور دینی جگہوں پر یہ مرض عام ہے الا اعتدال حضرت مدنیؒ کے بکس میں رہتی تھی حضرت تھانویؒ کی مجلس میں اس کا ذکر آیا، تو فرمایا، کہ میں نے اس کو دیکھا ہے بھائی سعید حضرت گنگوہی کے پوتے تھے مزاج میں تیزی تھی میری ان سے زندگی بھر لڑائی رہی. میرے بہت اصرار پر آخیر میں حضرت مدنیؒ سے بیعت ہو گئے تھے. ایک مرتبہ میری وساطت سے ان کی ابتدائی

مدرسی میں دس روپے آئے، میں نے کہا کہ کیا کرو گے، انہوں نے کہا کہ حلوہ کھاؤں گا. دماغ میں قوت آئے گی، پھر مولانا انور شاہ صاحب بن جاؤں گا. مدرس تھے، کہتے تھے کہ کتب خانہ میں جاتا ہوں، تو ناظر کتب خانہ کہتا ہے کہ جاؤ مہتمم سے لکھا کر لاؤ، اور مولانا انور شاہ صاحب جب کتب خانہ میں آتے ہیں، سارے کتب خانہ والے دوڑتے ہیں، جب مولانا انور صاحب جیسا ہوں گا. تو لوگ میرے ساتھ بھی ایسا معاملہ کریں گے. بہرحال بھائی سعید ایک روز آئے اور کہا کہ الاعتدال آپ نے بہت اچھی کتاب لکھی ہے، میں اس کے دس نسخے خرید کر اپنے انگریزی داں دوستوں کو تقسیم کروں گا. مگر میں نے ان کو ہدیۃً دے دیئے.

ہمارے حضرت گنگوہیؒ کا مقولہ ہے کہ مادح و ذام کو برابر سمجھتا ہوں، معمولات کی پابندی کرو، ہر چیز میں اللہ کی رضا کو سامنے رکھو، دوسری چیزوں کی طرف التفات نہ کرو، لوگوں کے مدح و ذم کی پرواہ نہ کرو، محرمات سے بچتے رہو، بزرگوں کا مقولہ ہے، ریا صرف اس کا نام نہیں، کہ لوگ بڑا سمجھیں، یہ تو شرک ہے، لوگوں کے دیکھنے کے سبب سے عمل کو چھوڑ دینا یہ بھی ریا ہے.

۱۳۹۱ھ کا رمضان المبارک

یہ ناکارہ امسال ۲۵ شعبان بروز شنبہ حضرت اقدس مدفیوضہم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو گیا تھا، حضرت اقدس مدفیوضہم کی طبیعت رمضان المبارک سے قبل سخت خراب ہو گئی تھی. شدید بخار تھا. اعتکاف بظاہر مشکل معلوم ہو رہا تھا. مگر ایک دن کی نیت سے اعتکاف کیا. اس کے بعد مستقل نیت کر لی، اور بحمداللہ چند روز کے بعد بخار جاتا رہا.

۲۹ کا چاند نظر نہیں آیا. اور یوم جمعہ سے رمضان کا آغاز ہوا، نیز امسال حضرت اقدس نے اپنے بہت سے خواص کو تحریر فرما دیا تھا کہ اپنے اپنے مقامات پر یہاں کا ماحول قائم کریں، یہاں آنے کی ضرورت نہیں، چنانچہ مختلف مقامات پر یہاں کا ماحول قائم کیا گیا، بالخصوص جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے مہتمم مولانا سید بزرگ صاحب کا مسلسل تقاضا تھا کہ مفتی اسمٰعیل صاحب جامعہ کی مسجد میں اعتکاف کریں. بحمداللہ اخیر عشرہ میں وہاں معتکفین کی تعداد دو سو کے قریب ہو گئی تھی. جس پر حضرت اقدس نے انتہائی مسرت کا اظہار فرمایا، اسی طرح مولانا سجاد صاحب اور مولانا عبدالرحیم صاحب نجیب آبادی اور مولانا عبدالرحیم صاحب متالا کا زمبیا سے اور مولوی یوسف صاحب سلمہ کا لندن سے اسی مضمون کا خط آیا. کہ ہر جگہ کچھ لوگوں نے اعتکاف کیا. اور یہاں کا ماحول قائم

کیا، اس لئے امسال رمضان المبارک کی ابتدا میں گذشتہ سال کے مقابل میں مجمع کم رہا، البتہ اخیر عشرہ میں یہ تعداد قریباً پانچ سو پہنچ گئی تھی۔

ہر سال کی طرح امسال کے رمضان المبارک کے وہی معمولات تھے! البتہ مغرب کی نماز کے بعد کی مجلس میں حضرت اقدس کے ضعف و نقاہت کے سبب ملفوظات کا سلسلہ بہت کم رہا، ابتداء میں سکوت کی مجلس رہی اس کے بعد کبھی کچھ موقع کی مناسبت سے ارشاد فرمایا پھر اس مجلس میں بھی کتاب سنانے کا سلسلہ قائم ہوگیا۔ عید کے چاند میں بڑی گڑبڑ رہی، صبح کو اس کا ثبوت شرعی معلوم ہوسکا، عید شنبہ کو ہوئی۔

قابل رشک موت

ارشاد فرمایا: اپنے زندگی کے اوقات کی قدر و قیمت پہچاننی چاہئے! مولانا احمد سعید صاحب دہلوی کے وعظ کے دو شعر بہت مشہور تھے۔ شاید ہی کوئی وعظ ایسا ہوتا ہو، جس میں وہ ان کو نہ پڑھتے ہوں، پھر حضرت اقدس نے ان اشعار کو بہت درد سے متعدد بار پڑھا۔

زلگالے نہ چندریا گندھالے نہ سیس — توکیا کیا کرے گی اری دن کے دن
نہ جانے بلالے پیا کس گھڑی — کھڑی مت نکے گی اری دن کے دن

فرمایا: بھائی! معلوم نہیں کب وقت آجائے، بھائی اکرام (والد بزرگوار حضرت مولانا انعام الحسن صاحب) کی موت بے شک قابل رشک ہے، حالت سجدہ میں ان کی روح پرواز کرگئی، یہی حال والدہ ہارون کا ہوا تھا کہ دوسرے سجدہ میں اس کی روح پرواز کرگئی۔

تبلیغی جماعت کی ضرورت

ارشاد فرمایا: اللہ جل شانہ کی عادت شریفہ یہ ہے کہ جب مرض کہیں اترتا ہے، تو حق تعالیٰ اس مرض کے موافق کوئی دوا اتارا کرتے ہیں، اب سے سو برس پہلے جب یہاں انگریزوں کا اقتدار ہوا، تو انہوں نے ہمارے مذہب کو بگاڑنے کی کوشش کی، اور ہمارے عقائد و اعمال کو تبدیل کرنے کے درپے ہوگئے انگریز بڑے مدبر و ہوشیار تھے۔ اللہ جل شانہ نے اس وقت ہمارے اکابر کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ اس انگریزی اور مغربی تہذیب کے فتنہ کا مقابلہ کرنے کے لئے مدارس قائم کرو، چنانچہ ان حضرات نے مدارس قائم کئے اور ان کے مساعی سے مدارس کا یہ سلسلہ قائم ہوا، دارالعلوم دیوبند، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، شاہی مرادآباد وغیرہ مدارس اسی زمانے میں تھوڑے تھوڑے وقفہ سے قائم کئے

اللہ جل شانہ نے بڑی مدد فرمائی۔ انگریز اپنے منصوبے میں ناکام رہے، اور ان کی اسکیم پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکی۔ اور ان مدارس کی برکت سے بہت سے لوگوں نے دین کو اپنایا اور اس پر استقامت دکھائی، حالانکہ ان اکابر کے پاس نہ مال تھا، نہ حکومت تھی، البتہ ان سو برس میں انگریزوں نے ہمارے نوجوان طبقہ کو دین سے ضرور برگشتہ کیا اور آہستہ آہستہ ان کی تہذیب و ثقافت نے نوجوان و عوام الناس کی ایک بڑی تعداد کو متاثر کر لیا۔ اور اس قدر متاثر کیا کہ حالت بدل گئی، اسی فتنہ و مرض کے علاج کے لئے اللہ تعالیٰ نے تبلیغی کام کو جاری فرمایا۔ اب اس کی قدر دانی یہ ہے کہ ہمیں پوری توجہ اس کی طرف کرنی چاہیئے۔ اس لئے کہ جب کسی بیماری کا کوئی علاج تجویز ہو جائے۔ اگر کوئی اس پر استقامت دکھائے گا۔ تو کامیاب ہوگا۔ ورنہ اپنا ہی نقصان ہوگا۔

آج سے سو برس پہلے عام طور پر قلوب میں دین اور علم دین کی عظمت و قدر تھی ہر گھر میں مدرسہ تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا۔ کہ جب یہ مدارس قائم ہوئے تو ان کا نام سنتے ہی لوگ ان کی طرف بہت زیادہ متوجہ ہوئے، مگر آج ایک صدی گذرنے کے بعد انگریزی اثر نے ہمارے مدارس و خانقاہوں اور مکاتب سے عام بے توجہی پیدا کر دی ہے، اس کی بنا پر اس کی ضرورت ہوئی کہ لوگوں کے گھروں پر جا جا کر انہیں متوجہ کیا جائے۔ کیونکہ پہلے جب لوگ کسی شیخ کا نام سن لیتے تھے، تو خود بخود اس کی طرف آتے تھے! اور فیض یاب ہوتے تھے۔ یہی حال مجالسِ ذکر و مدارس و مکاتب کا تھا، مگر آج حالات بدل گئے اس لئے تبلیغ کی ضرورت پڑی مشرق و مغرب میں ہر جگہ مشاہدہ کیا جا سکتا ہے کہ تبلیغ کی برکت سے لوگ دین کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ مدارس و خانقاہیں اس وقت مفید ہوں گی۔ جب لوگ ان کی طرف متوجہ ہوں، اور اس کے لئے تبلیغ ہے، بغیر لوگوں کی توجہ کے کوئی نفع اٹھانے کے لئے نہیں آئے گا۔ (مجلس میں ترکی کی جماعت تھی) امیر مشورہ ہے کہ یہاں سے ملفوظات مولانا محمد الیاسؒ کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور ترکی میں ترجمہ کرا کے اس کو سمجھو اس میں سب تفصیل آگئی ہے۔

موجودہ دور میں جس طرح دین کمزور ہو رہا ہے۔ اسی طرح مطابع کی کثرت کی بنا پر نئی نئی مطبوعات طبع ہو ہو کر آرہی ہیں، حضرت اقدس گنگوہی نور اللہ مرقدہ نے حیدرآباد سے سنن بیہقی کا ایک نسخہ نقل

کرایا تھا۔ اس کے بعد میرے حضرتؒ نے گنگوہ سے ان کی نقل کرا کے مدرسہ مظاہر علوم کے کتب خانہ میں داخل کر دیا۔ اس کو مولانا ثابت علی صاحب مہتمم مدرسہ بڑی مشکل سے کسی کو دیکھنے کے لئے دیتے تھے۔ حضرت اقدس سہارنپوریؒ کو "البدایہ والنہایہ" کو دیکھنے کا بہت شوق تھا، مگر اس زمانے میں حسرت ہی رہی، مصنف عبدالرزاق اور بہت سی وہ کتابیں جن کا مولانا عبدالحئی صاحب نے الفوائد البہیۃ میں ذکر فرمایا ہے۔ طبع ہو کر آرہی ہیں، مولانا ثابت علی صاحب مہتمم فرماتے تھے۔ کہ مولانا زکریا، جوں جوں استعدادیں گرتی جا رہی ہیں سندیں اتنی ہی لمبی ہو رہی ہیں، میرے پاس بعض اکابر کی سندیں موجود ہیں، میرا جی چاہتا ہے کہ ان کا فوٹو چھاپ دوں، بہر حال میں بیان کر رہا تھا کہ پہلے زمانے میں دینداری تھی ۱۸۵۷ء کے غدر میں انگریزوں نے مسلمانوں سے کارتوس کے بارے میں کہا کہ اس میں سور کی چربی رہتی ہے۔ اور ہندوؤں سے کہا کہ اس میں گائے کی چربی رہتی ہے یہ انگریزوں کی سیاست تھی۔

اسی زمانے میں کا ایک قصہ ہے کہ رائے پور کی نہر کی کھدائی ہو رہی تھی۔ اس میں ایک سونے کا ڈلا ملا، نانوتہ کے قریب ڈپٹی کلکٹر کا خیمہ پڑا تھا چنانچہ مزدور ایک سقّاء کے سر پر رکھ کر ڈپٹی کے پاس لے گئے اور اس کے سامنے رکھ دیا۔ وہ بہت ہی گھورتا رہا۔ اور تعجب کرتا رہا۔ اس کے بیس برس کے بعد وہ ڈپٹی مظفر نگر میں کلکٹر ہو کر گیا، تو اس کی عدالت میں ایک مقدمہ پیش ہوا، کہ ایک سقّے نے ایک لڑکی کے کان سے سونے کی بالی نکال لی ہے، اور اس کو کنویں میں ڈال دیا ہے، جب کلکٹر نے اس کے بارے میں دریافت کیا تو اس سقّاء نے کہا کہ میں نے سونا سمجھ کر نکالا تھا۔ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ پیتل کی ہے! اس لئے کنویں میں ڈال دیا، وہ کلکٹر بہت دیر تک بیٹھ کر غور کرتا رہا اور اس سقا کو پہچان لیا، اور کہا کہ تم ہی تو نانوتہ میں میرے پاس سونے کا ڈلا لائے تھے؟ اس نے اقرار کیا، اس نے کہا کہ یہ فرق کیوں ہو گیا ہے۔ سقا نے کہا کہ اس زمانے میں دوسرے کی چیز اپنے پاس رکھنی مشکل تھی، مگر اب وہ بات جاتی رہی"۔ اس انگریز کلکٹر نے اس کو چھوڑ دیا اور کہا کہ میں اپنی قوم انگریز کو مجرم سمجھتا ہوں۔

گنگوہ میں ایک مولانا احمد علی صاحب تھے۔ ان کی ایک کتاب مناجات پر ہے۔ وہ بوڑھے اور معذور تھے، ان کو میں نے بھی دیکھا ہے۔ میں نے اپنے والد صاحب سے سنا کہ مولانا احمد علی صاحب نے یہ قصہ سنایا

کہ گنگوہ میں لال مسجد کے پاس سے ایک فوجی گذرا اور اس نے مسجد کو سلام کیا۔ میں نے لڑکوں کے ذریعہ اس کو اپنے پاس بلا کر بٹھایا۔ اور اس سے پوچھا کہ ہم نے سب کچھ سنا مگر یہ نہیں سنا کہ کسی نے مسجد کو سلام کیا ہو؟ اس نے کہا کہ اللہ کا گھر ہے، جب میں نے اصرار کیا تو اس نے بتایا کوئی دس برس ہوئے میں اپنے گھر سے والد صاحب سے لڑ کر بھاگ گیا تھا۔ تنومند آدمی تھا۔ سہارنپور جا کر فوج میں بھرتی کرایا۔ چونکہ فوجی لوگ کسی چیز کا لحاظ نہیں کرتے، اس لئے لوٹ جھپٹ کر سو اشرفیاں میں نے جمع کی تھیں۔ چنانچہ عرصے کے بعد جب میں واپس ہوا تو اس مسجد کے پاس آ کر نہایا، جب اپنے وطن بھٹوتی پہنچا، تو معلوم ہوا کہ مسجد میں ہمیانی چھوٹ گئی، میں پریشان واپس آیا اور تلاش کیا، مگر نہیں ملی اس لئے جب اس مسجد کے پاس سے گذرتا ہوں، تو اس کو سلام کرتا ہوں، مولانا نے فرمایا کہ وہ دیکھو چھپر ہے، آٹھ دس برس سے کوئی چیز اس میں لٹک رہی ہے، اس زمانے میں دیانت بہت تھی۔ اس کو جا کر کھولا تو پوری سو اشرفیاں تھیں، وہ بہت خوش ہوا اور اس میں سے دس اشرفی مولانا کو دینا چاہا، مگر مولانا نے انکار فرما دیا۔

ارشاد فرمایا: یہ تبلیغی کام دینداری پیدا کرنے کے لئے ہے۔

بیعت کا طریقہ

حضرت اقدس مدظلہم عام دنوں مغرب کے بعد اور جمعہ کے دن ساڑھے گیارہ بجے مجلس میں بیعت فرماتے ہیں! اور رمضان المبارک میں عشاء کی اذان سے پہلے بیعت فرماتے ہیں، بیعت ہونے والوں کی کثرت کی بنا پر رمضان المبارک میں اور جمعہ کے دن کوئی خاص خادم عام طور پر مولوی احمد لولات مکبر کی طرح توبہ کے الفاظ دہراتے ہیں اور بیعت کرنے والے ان کو ادا کرتے ہیں اس وقت عجیب منظر ہوتا ہے۔

خطبہ ماثورہ کے بعد آیت "ان الذین یبایعونک ـــ اجراً عظیما" تک تلاوت فرماتے ہیں اور ان الفاظ سے توبہ کراتے ہیں، کہو بھائی، لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ، نہیں کوئی معبود اللہ کے سوا، اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سچے رسول ہیں، ایمان لائے ہم اللہ پر، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں پر، اس کے فرشتوں پر اور آخرت کے دن پر اور تقدیر پر بھلا ہو یا برا سب اللہ کی طرف سے ہے۔ توبہ کی ہم نے کفر سے، شرک سے، بدعت سے، نماز چھوڑنے سے، زنا کرنے سے، لواطت کرنے سے، جھوٹ بولنے سے،

پرایا مال ناحق کھانے سے، کسی پر بہتان باندھنے سے کسی کی غیبت کرنے سے اور ہر گناہ سے چھوٹا ہو یا بڑا اور عہد کیا ہم نے انشاء اللہ کوئی نہیں کریں گے اور جو ہو جائے گا۔ تو توبہ کریں گے۔ یا اللہ یا اللہ یا اللہ ہماری توبہ قبول فرما ہمیں اپنے سچے بندوں میں شامل فرما، ہمیں توفیق عطا فرما اپنی رضامندی کی، اپنے پاک رسولؐ کی تابعداری کی، بیعت کی ہم نے مولانا خلیل احمد صاحبؒ سے زکریا کے ہاتھ پر،

اس کے بعد فرماتے کہ دعا کرو بھائی، اللہ تمھیں بھی توفیق دے اور مجھے بھی اور دعا کے بعد فرماتے کہ معمولات کا پرچہ اردو گجراتی اور انگریزی میں طبع ہو چکا ہے اس کو اپنے ساتھ لے لیں۔

ختم خواجگان حضرت کے یہاں ماہ مبارک میں اس کا اہتمام رہتا ہے اور اس کے بعد کوئی صاحب دعا کراتے ہیں جس میں خصوصیت کے ساتھ امت کے لئے دعا مانگی جاتی ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے تمام شرکا ختم دس دس مرتبہ درود شریف پڑھیں اس کے بعد مجموعی طور پر تین سو ساٹھ مرتبہ "لا ملجا ولا منجا من اللہ الا الیہ" پھر تین سو ساٹھ بار مع بسم اللہ سورۂ الم نشرح، پھر تین سو ساٹھ مرتبہ "لا ملجاء ولا منجا من اللہ الا الیہ" پھر دس دس مرتبہ سب لوگ درود شریف پڑھ کر دعا کریں۔

طالب صادق کی کامیابی یقینی ہے ارشاد فرمایا۔ اصل چیز اخلاص ہے جس کی وجہ سے پیر کا نااہل ہونا بھی مرید کے اخلاص کی بدولت اس کو مضر نہیں ہوتا، چنانچہ میں نے اپنے والد صاحبؒ سے ایک قصہ سنا تھا کہ ایک ڈاکو تھا۔ جب تک شباب و قوت رہی خوب ڈاکے مارے لیکن جب ضعف و پیری لاحق ہوئی اور اعضا نے جواب دے دیا تو اس نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ اب کیا پیشہ اختیار کیا جائے۔ ساتھیوں نے بتلایا کہ پیری مریدی ایک ایسا پیشہ ہے جس میں بے محنت مشقت خوب مزے اڑتے ہیں، قصہ تو طویل ہے اس مصنوعی پیر کی لغویات کے ساتھ ایک سچا طالب حق اس کے پاس پہنچا۔ یہ اپنی لغویات میں مشغول تھا مگر اس کی طلب اور صدق نیت نے پیر کی خرافات کی طرف توجہ بھی نہ ہونے دی اس نے جا کر بہت ادب سے ہاتھ جوڑ کر کہا، میں آپ سے اللہ کا راستہ سیکھنے آیا ہوں وہ چونکہ غلطی سے ناواقف جگہ

پہنچ گیا تھا اس لئے وہ اس کے بعد بے وقت آنے پر بہت ناراض ہوا اور کہا کہ اللہ کا راستہ یوں نہیں آتا یہ کہہ کر اس کو ایک پھاوڑا دیا اور کہا کہ فلاں باغ میں اس کی گولوں کو صاف کرو اس کی ڈولیں بناؤ اور نالیاں درست کرو، وہ اسی وقت پھاوڑا لے کر تحقیق کرتا ہوا اس باغ میں پہنچا اور اس کی مرمت شروع کردی، باغ والے مزاحم ہوئے کہ تو ہمارے باغ میں کیوں دخل دیتا ہے اس نے بہت منت خوشامد کر کے کہا کہ مجھے تمہارے باغ سے کچھ لینا نہیں مجھے میرے پیر نے اس باغ کو صاف کرنے کو اور مرمت کرنے کو کہا ہے۔ اول اول تو وہ لوگ بہت ڈرتے رہے اس کو مارا پیٹا بھی مگر یہ دیکھ کر یہ نہ کھانے کو مانگتا ہے نہ اور کچھ، جو کچھ روکھی سوکھی ہوتی ہے کھا لیتا ہے۔ تین مہینے اسی حال میں گزر گئے۔ مشہور یہ ہے کہ ابدال میں سے جب کسی کا انتقال ہوتا ہے تو غوث وقت کی مجلس میں اس کا بدل منتخب ہوتا ہے، چنانچہ کسی ابدال کا انتقال ہوا، اور غوث کی مجلس میں انتخاب کے لیے ابدال حضرات نے اپنی اپنی رائے سے لوگوں کے نام بتلائے حضرت غوث نے سب کے نام سن کر یہ کہا کہ ایک نام ہمارے ذہن میں بھی ہے اگر تم پسند کرو، سب نے عرض کیا ضرور ارشاد فرمائیں حضرت نے فرمایا کہ فلاں باغ کا فلاں مالی بڑا مخلص ہے۔ سچی طلب رکھتا ہے، بہت اخلاص سے مجاہدہ میں مشغول ہے، سب نے اس رائے کو بہت پسند کیا پھر سب نے مع حضرت غوث اس پر توجہ ڈالی جس کی وجہ سے اسی وقت اس پر انکشافات ہوئے اور طی الارض کرتا ہوا اور پھاوڑا باغ والوں کو یہ کہہ کر حوالہ کر دیا کہ یہ فلاں پیر صاحب کا ہے جو فلاں گاؤں میں رہتے ہیں، اور میں جا رہا ہوں، ہر چند ان لوگوں نے خوشامد منت سماجت کی کہ ذرا اپنا حال تو بتلا دے مگر اس نے کچھ نہیں بتلایا اور کہا سنا معاف کرا کر وہیں سے غائب ہو گیا۔ یہی مطلب ہے اس مشہور مقولہ کا کہ "پیر من خس است اعتقاد من بس است"۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں اخلاص کی قدر ہے۔

کتابت ——— عزیز صدیقی ۷۴ء

خاتمہ

حضرت اقدس مدفیوضہم کے ارشادات وملفوظات کو اسی پر ختم کر رہا ہوں اگرچہ ان کی ترتیب وغیرہ کا کام میں نے گذشتہ سال ہی مکمل کر لیا تھا مگر کتابت وطباعت کی دشواریوں کی بنا پر کافی تاخیر ہوگئی میرے بہت سے بزرگوں و دوستوں نے ان کے مطالعہ وزیارت کے اشتیاق کا اپنے خطوط کے ذریعے اور زبانی اظہار فرمایا اور ان کی اشاعت کے لئے دعاگو رہے، بالخصوص محترم المقام مولانا سید آفتاب احمد مدنی صاحبزادہ گرامی فخر المحدثین حضرت مولانا میرٹھی نور اللہ مرقدہٗ جنہیں حضرت اقدس سے والہانہ تعلق ومحبت ہے اسی طرح مولانا غلام محمد نور گت صاحب (ترکیسر) اور مولانا یوسف ٹوٹلا ساؤتھ افریقہ اور برادرم مولانا محمد الحسنی مدیر "البعث الاسلامی" لکھنؤ نے ان کی ترتیب واشاعت کے لئے ہر طرح کی حوصلہ افزائی فرمائی یہ ناکارہ ان سب حضرات کا تہ دل سے ممنون ہے حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس ناکارہ کی خطاؤں ولغزشوں کو درگذر فرما کر ان ملفوظات اور صاحب ملفوظات کی برکات سے سرفراز فرمائے، واللہ ولی التوفیق

فقط

والسلام

تقی الدین مظاہری

مقیم آستانہ خلیلیہ

مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

۲۶ ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ

صحبتے با اولیاء

ملفوظات

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مدفیوضہم

(حضرت شیخ مدظلہ العالی کے مجلسی ملفوظات وارشادات، جن سے
اصلاحِ نفس، فکرِ آخرت، ایمان ویقین کی کیفیت پیدا کرنے کا جذبہ
بیدار ہوتا ہے اور تصوف واحسان کے رموز وآداب دلنشیں ہوتے ہیں)

مرتبہ:

مولانا تقی الدین ندوی مظاہری

ناشر:
ایچ۔ ایم۔ سعید کمپنی ناشران وتاجران کتب
ادب منزل پاکستان چوک کراچی

جولائی ۷۴ء (مطبوعہ ایجوکیشنل پریس کراچی) قیمت: دس روپے